وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین (قرآن)

محسنِ اعدا

(صلی اللہ علیہ وسلم)

ابوالقاسم رفیق دلاوری

مکتبہ تعمیر انسانیت ۔ اندرون موچی دروازہ ۔ لاہور

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

مُحسنِ اعداء

از

مولینا ابو القاسم رفیق دلاوری

ناشر

مکتبہ تعمیر انسانیت، موچی دروازہ لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں!

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc 095819
MAILSI

ناشر: شیخ محمد قمر الدین مالک مکتبہ تعمیر انسانیت
موچی دروازہ لاہور

طبع اوّل ———— تعداد ———— ۱۰۰۰
محرم الحرام ۱۳۸۸ھ ———— اپریل ۱۹۶۸ء

ھدیہ: قسم اوّل ———— 19/00
قسم عام ————

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

Masood Faisal Jhandir Library

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

و

نصلی علیٰ رسولہ الکریم

یورپ کے مؤرخین اور اہل قلم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ کوئی شک نہیں ان میں بعض مؤرخین نے تاریخی دیانت کے تقاضوں کو بھی بڑی حد تک ملحوظ رکھا ہے مگر عام طور پر مستشرقین کے قلم نے سیرت نبوی کو غبار آلود کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی مدح و منقبت میں ذم کی آمیزش بھی پائی جاتی ہے!۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں "ہجو ملیح" ان "صاحب لوگوں کا شعار رہا ہے ——— غالباً اسی درد و غم کو محسوس کرتے ہوئے مولینا ابوالقاسم رفیق دلاوری مرحوم نے یہ کتاب ——— محسن اعداء ——— تالیف کی ہے جس میں تاریخ و سیر کے مستند حوالوں کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا اپنے دشمنوں کے ساتھ کس قدر مربیانہ سلوک رہا ہے اور رحمۃ للعالمین کی رحمت سے حضور کے سنگدل دشمن بھی محروم نہیں رہے، اور اس ابر کرم نے تو اپنے ہوں یا پرائے سب کی کھیتیوں کو سیراب کیا ہے۔

اس موضوع پر اردو میں غالباً یہ پہلی کتاب ہے جو اس تفصیل و وضاحت کے ساتھ منظر عام پر آئی ہے۔ یہ کتاب اس کی مستحق ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلموں میں اس کو پھیلایا جائے! عیسائیت کی تبلیغ کو غیر مؤثر بنانے میں یہ کتاب خاص طور پر مؤثر خدمت انجام دے سکتی ہے، اور مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہن پر اچھا اثر ڈال

سکتی ہے۔

"محسنِ اعداء" جتنا پیارا اور دلکش نام ہے، اسی اعتبار سے یہ مفید اور کام کی کتاب بھی ہے، نام بھی اچھا اور کام بھی اچھا۔ مولانا ابوالقاسم دلاوری مرحوم نے اس کتاب کو لکھ کر اور مکتبہ تعمیر انسانیت (لاہور) نے اسے چھاپ کر انسانیت کو دعوتِ غور و فکر اور پیغام خیر و برکت دیا ہے۔

ماہر القادری

کراچی ـــــ جون ۱۹۶۴ء

فہرست عنوانات

عنوان	نمبر صفحہ
عرض حال	۷
باب اول	
اسیرانِ جنگ، ورلونڈی غلاموں سے شفیقِ عالم کی ہمدردی	
فصل ۱. قیدیوں سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سلوک کا تقابل	۹
فصل ۲. عہدِ سابق میں غلامی کا رواج	۱۷
فصل ۳. اسلام کا مملوکوں کی فریاد رسی کرنا	۲۱
فصل ۴. مملوکوں سے حسن سلوک کی تاکید	۲۳
فصل ۵. سرورِ عالم کو آزادیٔ مملوکاں سے شغف	۳۱
فصل ۶. اپنے مملوکوں پر سید الثقلین کی نوازشیں	۴۱
فصل ۷. غلامی اور مسیحیت	۵۳
فصل ۸. برطانوی قلمرو میں مملوکوں کی ارزانی	۵۴
فصل ۹. مغربی ممالک اور ہندوستان میں غلاموں کی تجارت	۵۵
فصل ۱۰. یورپ میں مملوکوں کی تحریک آزادی	۵۸
باب دوم	
اعداء سے سرورِ دوجہاں کا مربیانہ سلوک	
فصل ۱. دشمنوں کو معاف کر دینے کا جذبہ	۶۱
فصل ۲. حریف سے غیر شریفانہ سلوک کرنے کا امتناع	۶۵
فصل ۳. دشمنوں کے حق میں دعائے خیر	۶۹
باب سوم	
رئیس المنافقین کی فساد پسندیاں اور رحمتِ عالم کا کریمانہ برتاؤ	۷۶
فصل ۱. بادشاہت چھن جانے کا صدمہ	۷۷
فصل ۲. لشکر اسلام سے تین سو منافقوں کی علیحدگی	۷۹
فصل ۳. سات سو واجب القتل عہد شکنوں سے درگذر	۸۰
فصل ۴. رئیس المنافقین کا قبیلہ بنو نضیر کو اطاعت پذیری سے منع کرنا	۸۲
فصل ۵. ام المومنین صدیقہ طاہرہ پر بہتان تراشی	۸۹
فصل ۶. حضرات مہاجرین کے خلاف رئیس المنافقین کی شرمناک دریدہ دہنی	۱۰۴
فصل ۷. رئیس المنافقین کی نماز جنازہ پڑھنا	۱۰۸
باب چہارم	
دوسرے منافقوں پر شفیقِ انام کا عفو و کرم	۱۱۱
فصل ۱. منافقوں کی فتنہ انگیزیاں اور بد اندیشیاں	۱۱۳
فصل ۲. ثعلبہ منافق کے حق میں کشائش رزق کی دعا	۱۲۶
فصل ۳. منافقوں کی طرف سے امام الانبیاء کی جان لینے کی کوشش	۱۲۷

فصل ۴۔ مسجد ضرار کی تعمیر ۱۲۹
فصل ۵۔ منافقوں سے جہاد باللسان کا فرمان خداوندی ۱۳۱

باب پنجم

یہود کے ساتھ کریمانہ برتاؤ

فصل ۱۔ بعثت سید المرسلین کے متعلق علماء یہود کی بشارتیں ۱۳۳
فصل ۲۔ خاتم الانبیاء سے عناد و تمرد اور آپ کی جان لینے کی مسلسل کوششیں ۱۳۸
فصل ۳۔ یہودی تمرد و سرکشی کے اسباب ۱۴۴
فصل ۴۔ یہودیوں سے حسن سلوک اور رواداری کا برتاؤ ۱۴۶
فصل ۵۔ یہودی مجرموں پر رحم و کرم ۱۵۰

باب ششم

ڈیڑھ ہزار صحابہ کا جانبازی کی بیعت کرنا

فصل ۱۔ خاندان قریش ۱۵۵
فصل ۲۔ کفار قریش سے سرور انبیاء کا معاہدہ ۱۵۷

باب ہفتم

بعض اکابر قریشی اعدائے دین کا قبول اسلام

فصل ۱۔ حضرت خالد بن ولید کی سعادت اندوزی ایمان ۱۷۸
فصل ۲۔ حضرت عمرو بن عاص اسلام کے آغوش عاطفت میں ۱۸۲
فصل ۳۔ سرچشمۂ ایمان سے حضرت عثمان بن طلحہ کی سیرابی ۱۸۷
فصل ۴۔ ابوسفیان بن حارث سے درگذر ۱۸۹
فصل ۵۔ عبداللہ بن ابوامیہ کو معافی ۱۹۲
فصل ۶۔ ابان بن سعید کا قبول اسلام ۱۹۸

باب ہشتم

قریشی اعداء پر احسانات

فصل ۱۔ پانی روکنے کی بندش ۲۰۱
فصل ۲۔ نادار اسیروں کو بلا فدیہ رہائی بخشنا ۲۰۲
فصل ۳۔ مکہ معظمہ میں اناج کا قحط اور رحمت عالم کی رحمدلی ۲۰۴

باب نہم

قریش کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی

فصل اول۔ حرم میں خزاعہ کا قتل و غارت ۲۰۷
فصل ۲۔ تجدید معاہدہ کے لیے ابوسفیان کی ناکام کوشش ۲۰۹

باب دہم

عساکر نبوی کی یلغار مکہ پر

فصل اول۔ مخبری کرنے والے صحابی کا عذر قبول کرنا ۲۱۲
فصل ۲۔ حضرت عباس کی ہجرت ۲۱۵
فصل ۳۔ مکہ معظمہ سے جاسوسوں کی روانگی ۲۱۶
فصل ۴۔ ابوسفیان کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے فاروق اعظم کی بے تابی ۲۱۸
فصل ۵۔ اسلامی لشکر کی شوکت و سطوت کا نظارہ ۲۲۲
فصل ۶۔ قریش سے درگزر فرمانے کی استدعا ۲۲۴
فصل ۷۔ مکہ میں کھلبلی اور خوف و ہراس ۲۲۶
فصل ۸۔ اہل مکہ سے تعرض نہ کرنے کا فرمان نبوی ۲۲۷

فصل ۹۔ انصار کو رسول اللہ کے مکہ معظمہ چلے آنے کا اندیشہ ۲۲۸
فصل ۱۰۔ قریش کی مزاحمت اور ہزیمت و فرار ۲۲۹
فصل ۱۱۔ بلد الامین میں رسولِ امین کا فاتحانہ داخلہ ۲۳۰
فصل ۱۲۔ شہر میں منادی ۲۳۲
فصل ۱۳۔ شہر میں عارضی قیام گاہ ۲۳۳
فصل ۱۴۔ عتبہ اور معتب پسران ابولہب پر شفقت ۲۳۴
فصل ۱۵۔ تطہیر کعبہ، اذان اور نماز با جماعت ۲۳۵
فصل ۱۶۔ دربار عام اور عفو عمیم کا اعلان ۲۳۷
فصل ۱۷۔ فتح مکہ پر ایک غیر مسلم کا اظہار خیال ۲۳۹
فصل ۱۸۔ فتح مکہ کے بعد اسلام کی فوری ترقی ۲۴۰
فصل ۱۹۔ قریش سے مہاجروں کے مکان خالی کرنے کا مطالبہ ۲۴۱
فصل ۲۰۔ ابوسفیان پر نوازشیں ۲۴۳

باب یازدہم

مکہ کے تیرہ گردن زدنی مجرموں کی جاں بخشی۔
فصل ۱۔ وحشی قاتل حمزہ کو معافی ۲۴۷
فصل ۲۔ ہند جگر خوار کی جرم بخشی ۲۵۴
فصل ۳۔ عکرمہ بن ابوجہل کی جاں بخشی ۲۵۶
فصل ۴۔ عبداللہ بن ابی سرح کی جاں بخشی ۲۵۹
فصل ۵۔ دو اشتہاری مجرموں کی جاں بخشی ۲۶۱
فصل ۶۔ عبداللہ بن زبعری پر نوازش ۲۶۲
فصل ۷۔ صفوان بن امیہ سے حسن سلوک ۲۶۴
فصل ۸۔ کعب بن زہیر کی جرم بخشی ۲۶۶
فصل ۹۔ ہبار بن اسود کی جاں بخشی ۲۶۸
فصل ۱۰۔ سہیل بن عمرو سے عفو و درگذر ۲۷۳
فصل ۱۱۔ قرتنی اور سارہ سے درگذر ۲۷۷

باب دوازدہم

مفتوحین حنین سے حسن مراعات ۲۷۹
فصل ۱۔ اسلام کے خلاف غیر مسلم عربی قبائل کا اتحاد ۲۷۹
فصل ۲۔ مالک بن عوف کی خودسری ۲۸۱
فصل ۳۔ اموال ہوازن کے اسلامی غنائم بننے کی پیش گوئی ۲۸۲
فصل ۴۔ کثرت تعداد کا غرہ اور اس کا انجام ۲۸۳
فصل ۵۔ لشکر اسلام کی فتح ۲۸۶
فصل ۶۔ مال غنیمت کی تقسیم ۲۸۷
فصل ۷۔ ہوازن کا وفد بارگاہ نبوی میں ۲۹۲
فصل ۸۔ قیدیوں کو پوشش اور خلعت عطا فرما کر مخلصی بخشنا ۲۹۳
فصل ۹۔ ابوسفیان بن حارث کو شہادت سے سرفرازی ۲۹۵
فصل ۱۰۔ مالک بن عوف پر نوازش ۲۹۷

باب سیزدہم

قریش پر مزید نوازشوں کی بھرمار ۳۰۰

فصل ۱۔ انصاری نوجوان کی ناگواری	۳۰۰
فصل ۲۔ قریش کی مزید مالی امداد	۳۰۱
باب چہاردہم	
دوسرے دشمنانِ جان سے درگذر	
فصل ۱۔ مکہ کے اشقی عازمین قتل کو معافی	۳۰۳
فصل ۲۔ عمیر بن وہب کی جان بخشی	۳۰۴
فصل ۳۔ دیہاتی عازم قتل کی جان بخشی	۳۰۸
فصل ۴۔ ایک اور دشمن جان بدوی کو معافی	۳۱۰
فصل ۵۔ دعثور بن حارث کی جان بخشی	۳۱۱
فصل ۶۔ فضالہ لیثی سے درگذر	۳۱۲
فصل ۷۔ شیبہ بن عثمان کو معافی	۳۱۳
فصل ۸۔ زہر خورانی کے محرک یہود اور زہر دینے والی عورت سے درگذر	۳۱۵
فصل ۹۔ یہودی ساحر سے درگذر	۳۱۸
فصل ۱۰۔ منافقین عقبہ کے ساعی قتل سے چشم پوشی	۳۲۱
فصل ۱۱۔ عامر بن طفیل کی دھمکی اور آقائے دو عالم کا درگذر	۳۲۵
فصل ۱۲۔ اعدائے نبوی کی کثرت اور دشمن سے پیار کرنے کا مسیحی نظریہ	
باب پانزدہم	
عدی بن حاتم طائی پر شفقت	۳۳۴
باب شانزدہم	
اہل طائف کا قبول اسلام	۳۳۹

فصل ۱۔ طائف میں حضرت خیر الانام کی دعوت و تبلیغ	۳۳۹
فصل ۲۔ قلعۂ طائف کا محاصرہ	۳۴۱
فصل ۳۔ وفد ثقیف مدینۃ الرسولؐ میں	۳۴۴
فصل ۴۔ مسلم سلاطین کی بت شکنی	۳۴۶
باب ہفدہم	
قبیلۂ بنو تمیم پر احسان	۳۵۲
ایک تحدیث شکریہ	۳۵۵
تکملہ	
فصل ۱۔ غیر مسلموں کے حق میں دنیا کے محسن اعظم کی رواداری	۳۵۷
فصل ۲۔ غیر مسلم کو لوٹنے، فریب دینے اور اس کا مال غصب کرنے کی وعید	۳۶۸
فصل ۳۔ غیر مسلموں سے عدل و انصاف کرنے کا فرمان	۳۷۱
فصل ۴۔ اہل ایمان کے خلاف غیر مسلموں کے حق میں فیصلے	۳۷۵
فصل ۵۔ مسلمان اور ذمی کی جان و مال میں مساوات	۳۸۴
فصل ۶۔ ذمیوں سے حسن سلوک کی تاکید	۳۸۵
فصل ۷۔ نادار ذمیوں کی کفالت	۳۸۷
فصل ۸۔ محصول جزیہ	۳۸۸
فصل ۹۔ انگریزی حکومت کے ٹیکس	۳۹۱
فصل ۱۰۔ مسلم رعایا پر ذمہ داریوں کا بار عظیم	۳۹۳
ختم شد	

عرضِ حال

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَى النَّبِيِّ الْجَوَادِ الْكَرِيْمِ وَالْعَطُوْفِ الْحَلِيْمِ الَّذِيْ قُلْتَ فِيْ حَقِّهٖ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ صَلٰوةً دَآئِمَةً ابَدًا دَوَامِكَ وَصَلِّ كَذٰلِكَ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَاَهْلِ طَاعَتِكَ اَجْمَعِيْنَ ۝

بعد ازیں معلوم ہو کہ سرورِ عالم و عالمیاں سیدنا احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو عالمگیر شریعت اور دائمی ہدایت لے کر بعثت فرمائے عالم ہوئے وہ ان چار اصناف پر مشتمل ہے۔ عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق۔ راقم السطور نے ان میں سے آخری عنوان کے ایک شعبہ کو زیرِ بحث لا کر دکھایا ہے کہ دشمنوں کے ساتھ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے برتاؤ کی کیا نوعیت تھی؟

یہ قلمی سرمایہ راقم کے پرانے مخطوطات کا ایک حصہ ہے۔ آج سے کوئی تیس سال پہلے جب یہ ہیچمدان اپنی زیرِ تالیف کتاب "شمائلِ کبریٰ و اخلاقِ عظمیٰ" کو حوالۂ قرطاس کر رہا تھا تو اثنائے تحریر میں اعداء سے آنحضرت کے سلوک کا مواد اس فراوانی سے فراہم ہوا کہ اس کو ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے مدون کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ اس مجموعہ کو "محسنِ اعداء" کے نام سے موسوم کیا گیا۔

لیکن آج سے کوئی ڈیڑھ دو سال پہلے جب ان مسودات کا جائزہ لیا گیا تو ان میں ایک باب کی کمی محسوس ہوئی جس کے اضافہ کے بغیر کتاب نامکمل دکھائی دیتی تھی۔ چنانچہ اخیر میں تکملہ کے زیرِ عنوان ایک باب بڑھا کر یہ کمی پوری کر دی گئی۔

"محسنِ اعداء" کے متعلق مؤلف کو بتائید ایزدی یہ دعویٰ ہے کہ اغیار و اجانب میں سے جو کوئی مخلی بالطبع ہو کر اس کتاب کا مطالعہ کرے گا اس کے باطن میں شفیق عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت جاگزیں ہوگی

اور لوحِ دل پر آپؐ کے صدق سداد کے نقش مرتسم ہوں گے۔ بلکہ اگر معاند بھی تھوڑی دیر کے لیے بغض و عناد کو برطرف کر کے اور عالی حوصلگی سے کام لے کر اس کو پڑھے گا تو وہ بھی ان شاء اللہ العزیز آپ کی عظمت اور تقدس کا قائل ہو جائے گا۔

ظاہر ہے کہ دشمن کی ذلت و رسوائی پر خوش ہونا اور اس کو قعرِ مذلت و ادبار میں دیکھنا انسان کی ایک عزیز خواہش ہے اور حسبِ موقع بدلہ لے کر اپنے جذباتِ انتقام کو تسکین دینا تو گویا بنی آدم کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کا صحیفۂ اخلاق اِس جذبہ سے یکسر خالی تھا۔

انبیائے سابقین کے اخلاقی کارنامے تو ہم تک شاذونادر ہی پہنچے ہیں۔ البتہ حضرت خاتم الانبیا علیہ التحیۃ والسلام کے اخلاقی کمالات سے حدیث، سیرت اور تاریخ اسلام کی کتابیں بھری پڑی ہیں جن میں سے بعض احوال کتابی شکل میں آپ کے سامنے ہیں۔

اعداء سے آنحضرتؐ کے حسن سلوک کے جو واقعات اس کتاب میں زیب رقم ہوئے ان سے ظاہر ہوگا کہ آپ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں لیتے تھے بلکہ عفو و تحمل اور درگذر سے کام لینا آپ کا شعار تھا۔ اس باب میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا بجز اس صورت کے کہ کوئی شخص شعائر اللہ اور احکامِ خداوندی میں سے کسی کی توہین و تفضیح کا مرتکب ہوتا۔ رواہ البخاری و مسلم۔

اور آپ نہ صرف عام معاندین کو معاف کر دیتے تھے بلکہ اپنے دشمنانِ جان اور قاتلانہ حملہ آوروں سے بھی عفو و درگذر فرماتے تھے اور نہ صرف عفو و درگذر بلکہ شفقت آمیز اور مربیانہ سلوک کرتے تھے۔ اور یہ آپ کے مرسلِ ربانی ہونے کی ایک تابناک دلیل ہے۔

دعا ہے کہ ایزد تعالیٰ اس تالیف سے مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کو منتفع فرمائے۔ آمین۔

ابو القاسم رفیق دلاوری
بمقام انارکلی لاہور

مؤرخہ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۷۸ھ
مطابق ۲۱ جون ۱۹۵۹ء

باب اوّل

اسیرانِ جنگ اور لونڈی غلاموں سے شفیقِ عالم کی ہمدردی

فصل اوّل

قیدیوں سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سلوک کا تقابل

عہدِ قدیم میں حریفانِ معرکہ اپنے دشمن کا اس طرح قلع قمع کر دینا ضروری خیال کرتے تھے کہ اس کے دوبارہ پنپنے اور سر اُٹھانے کا کوئی خرخشہ باقی نہ رہے۔ اس جذبہ کے تحت اسیرانِ جنگ بھی صفحۂ ہستی سے بالکل معدوم کر دیے جاتے تھے اور خوش جمال عورتوں کے سوا ایک متنفس بھی زندہ نہ چھوڑا جاتا تھا۔ لیکن جب زمانہ نے کسی قدر ترقی کی تو قتل و جاں ستانی کی جگہ قیدیوں کو انتہا درجہ کی ذلت آمیز غلامانہ زندگی پر مجبور کرنے کا رواج ہوا۔ اس غرض کے لیے وہ امراء اور متوسط طبقہ میں تقسیم کر دیے جاتے تھے اور ان پر انتہا درجہ کی سختیاں روا رکھی جاتی تھیں۔ جفاکار آقا معمولی معمولی خطاؤں پر انھیں گرم لوہے سے داغتے، پانی میں ڈبوتے اور نذرِ آتش کر دیتے تھے۔

مگر اسلام نے آکر دنیا میں اخلاق کا معیار ہی یکسر بدل دیا۔ اس نے اسیروں سے محض

انسانی برتاؤ نہیں بلکہ انتہا درجہ کا مشفقانہ اور برادرانہ سلوک روا رکھا اور اپنے قول و فعل سے بتا دیا کہ اسیرانِ جنگ جو مجبور و بے بس ہو کر فریقِ مخالف کے دستِ اختیار میں چلے جاتے ہیں کس شریفانہ برتاؤ کے مستحق ہیں۔

قیدیوں سے اہلِ یورپ اور اہلِ اسلام کے سلوک کا مقابلہ

دوسرے ممالک کی طرح یورپ کی مسیحی سلطنتیں بھی اپنے قیدیوں سے نہایت ظالمانہ سلوک روا رکھتی تھیں اور باوجودیکہ اسلامی تہذیب کی روشنی اطراف و اکنافِ عالم میں ضیاء پاشی کر کے اقوام و ملل کی رہنمائی کر رہی تھی، تاہم اہلِ مغرب صلیبی جنگوں سے پہلے اس حقیقت سے بالکل خالی الذہن تھے کہ قیدی بھی کسی حسنِ سلوک کے مستحق ہیں۔ حروبِ صلیبیہ میں مسلم اربابِ اختیار اسلامی تعلیمات کے بموجب اپنے عیسائی قیدیوں سے نہایت کریمانہ برتاؤ کرتے رہے لیکن جو مسلمان نصرانی حکومتوں کے ہاتھ میں اسیر ہو گئے تھے ان سے سخت سبعیانہ سلوک کیا جاتا تھا۔

علامہ ابن جُبیر اندلسی جب صلیبی جنگوں کے ایام میں جزیرہ سسلی میں سے گزر رہے تھے تو مسلمان قیدیوں کی مظلومی کو دیکھ کر تڑپ گئے۔ وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ "منجملہ اُن دردانگیز حالات کے جو ان شہروں میں نظر آتے ہیں مسلمان اسیرانِ جنگ ہیں جو بیڑیاں پہنے دکھائی دیتے ہیں اور ان سے انتہا درجہ کی سخت مشقت لی جاتی ہے اسی طرح مسلمان قیدی عورتیں پنڈلیوں میں لوہے کے وزنی کڑے پہنے سخت محنتِ شاقہ سے کام کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ اس دردناک منظر کو دیکھ کر دل پھٹا جاتا ہے (رحلہ ابن جُبیر مطبوعہ لندن)

قیدیوں کے ساتھ سلطان صلاح الدین اور شاہِ انگلستان کے برتاؤ کا تقابل

ظہورِ اسلام سے پہلے اہلِ عرب بھی قیدیوں سے نہایت وحشیانہ سلوک کرتے تھے۔ انھیں کسی رعایت اور مہربانی

کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ان کے بارہ میں قطعی فیصلہ تھا کہ نہ تیغ کر دیے جائیں لیکن مسلمانوں نے اپنے ہادی برحق کی تعلیمات کے بموجب اپنے قیدیوں کو کبھی قتل نہ کیا۔ صلیبی جنگوں میں اہل یورپ کو مسلمانوں سے جو مختلف قسم کے سبق حاصل ہوئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ قیدی گردن زدنی نہیں بلکہ رحم و شفقت کے مستحق ہیں۔ مسٹر اے جے گرانٹ پرنسپل کنگ کالج کیمبرج نے اپنے بادشاہ رچرڈ شیر دل والیٔ انگلستان کے مقابلہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی رح کے اخلاق کی بڑی تعریف کی ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ دشمن کے حق میں شاہ رچرڈ اس معیار اخلاق سے بہت پست رہا جو اس کے حریف سلطان صلاح الدین ایوبی نے پیش کیا تھا۔ رچرڈ نے عکہ (واقع ملک شام) پر قابض و متصرف ہونے کے بعد تمام مسلمان قیدیوں کی گردنیں مار دیں۔ لیکن اس کے مقابلہ میں جب سلطان صلاح الدین رح نے بیت المقدس فتح کیا تو ان تمام عیسائیوں کو (بلا فدیہ) رہا کر دیا جو لشکر اسلام کے ہاتھ میں قید تھے (اے ہسٹری اوف یورپ مؤلفہ اے جے گرانٹ مطبوعہ بیکلس (انگلستان) طبع ۱۹۲۸ء صفحہ ۳۵۴)

اسی طرح مسٹر ڈیون پورٹ لکھتے ہیں کہ عیسائیوں نے پہلی صلیبی جنگ میں گوڈفری ڈی بولین کے زیر قیادت ۱۰۹۹ء میں بیت المقدس فتح کیا اور وہاں کے تمام مسلمانوں اور یہودیوں کو خنجر خونخوار کے حوالے کر دیا۔ اس وقت بیت المقدس کے قلعوں میں چالیس ہزار مسلمان پناہ گزیں تھے۔ عیسائیوں نے ان سب کو مع زن و فرزند موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان کے ہاتھ سے نہ کوئی ضعیف العمر بچا۔ نہ پناہ چاہنے والا۔ نہ کوئی عورت۔ نہ کوئی بچہ۔ جن تلواروں نے ماؤں کو قتل کیا تھا، انہی نے بچوں کو بے جان کیا۔ بیت المقدس کے بازار اور گلی کوچے مقتولوں سے بھر گئے۔

لیکن جب سلطان صلاح الدین والیٔ مصر و شام نے اس حادثہ کے نوّے سال بعد ۱۱۸۹ء میں دوسری صلیبی جنگ میں بیت المقدس پر دوبارہ اسلامی پرچم لہرایا اور اہل قلعہ

نے اپنے آپ کو سلطان کے سپرد کیا تو سلطان نے عیسائی قیدیوں سے نہایت رحم اور کرم گستری کا سلوک کیا۔ قیدیوں میں سے جو لوگ اپنی رہائی کی قیمت (زرِ فدیہ) ادا نہ کر سکتے تھے ان کو مفت آزاد کر دیا۔ سلطان صلاح الدین کی تہذیب اخلاق کے سامنے فلپ شاہِ فرانس اور رچرڈ شیر دل شاہِ انگلستان کی کچھ بھی حقیقت نہ رہی (محمدؐ اینڈ دی قرآن مطبوعہ لندن صفحہ ۹۸)

حضرت خیر البشرؐ کو قیدیوں کی رہائی سے شغف

پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیدیوں کی رہائی سے بڑا شغف تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ قیدیوں کو چھوڑاؤ۔ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور بیماروں کی عیادت کرو (بخاری) اور آپ کا معمول تھا کہ ہر سال جب ماہِ رمضان آتا تو تمام قیدیوں کو رہا کر دیتے (ابن سعد) آپ اسیروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والوں سے جس درجہ خوش ہوتے تھے اور ان کی آزادی سے آپ کو جو مسرت ہوتی تھی اس کا اندازہ مندرجۂ ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے:

ایک مرتبہ پیشوائے اُمّت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ فاروقؓ ابو ہیثم انصاریؓ کے ہاں تشریف لے گئے جن کے پاس کھجور کے باغ اور بکریوں کے ریوڑ تھے۔ چونکہ ان کے پاس کوئی خادم نہ تھا اس لیے سارے کام خود انجام دیتے تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ پانی لینے گئے ہیں۔ اتنے میں دیکھا کہ مشک اُٹھائے چلے آ رہے ہیں۔ جب قریب آئے اور حضورؐ کو دیکھا تو مشک رکھ کر لپٹ گئے اور عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہؐ میں قربان جاؤں۔ آپ نے قدم رنجہ فرما کر بڑی ذرہ نوازی فرمائی۔ اس کے بعد تینوں حضرات کو اپنے باغ میں لے جا کر نہایت عزت و احترام کے ساتھ بٹھایا اور بڑی پھرتی سے کھجوروں کی ایک شاخ کاٹ لائے اور عرض کی حضورؐ! جو مرغوب خاطر ہو اُسے نوش فرمائیے۔ اس کے بعد نہایت مصفّٰی اور شیریں پانی پلایا۔ آپ نے فرمایا کتنی نعمتیں ہیں۔ سایہ، عمدہ قسم کی کھجوریں اور ٹھنڈا پانی۔

اب ابو ہیثم اپنے محترم مہمانوں کو باغ میں تشریف رکھنے کی درخواست کرکے جھٹ مکان پر آئے۔ بڑی عجلت سے کھانا تیار کرایا اور لے کر باغ میں پہنچے۔ جب سب حضرات کھانا تناول فرما چکے تو آپؐ نے حضرت ابو ہیثمؓ سے پوچھا تمہارے پاس کوئی نوکر نہیں؟ انہوں نے گذارش کی کہ کوئی نہیں۔ فرمایا جب کبھی قیدی آنے کی خبر سنو تو میرے پاس آؤ۔" آنحضرتؐ کے زمن سعادت میں بلکہ عہد صدیقی تک بھی عرب میں جیل خانہ کا نام ونشان نہ تھا۔ سب سے پہلے حضرت فاروق اعظمؓ نے قید خانے بنوائے۔ عہدِ فاروقی سے پہلے اخلاقی مجرموں پر تو فی الفور شرعی حدیں جاری کر دی جاتی تھیں اور اسیرانِ جنگ اسلامی گھرانوں میں تقسیم کر دیے جاتے تھے۔ اس تقسیم میں یہ مصلحت بھی پیشِ نظر تھی کہ قیدیوں کو اسلام کی خوبیاں معلوم ہوں اور اسلامی تہذیب اور طور طریق دیکھ کر ملّتِ حنیفی کی طرف ان کا رجحان ہو۔

چند روز کے بعد حضرت ابو ہیثمؓ کو قیدیوں کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ آستانِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں ایک قیدی عطا فرمایا لیکن ساتھ ہی تاکید کر دی کہ اس کی اچھی طرح غور و پرداخت کرنا۔ ابو ہیثمؓ قیدی لے کر گھر آئے اور بیوی سے ذکر کیا کہ سیدِ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنِ سلوک کی تاکید فرمائی ہے۔ ان کی رفیقۂ حیات بڑی دُور اندیش تھیں۔ کہنے لگیں کہ اگر فرمانِ نبویؐ کی تعمیل اور آنجناب کی خوشنودیٔ مزاج منظور ہے تو اس کو آزاد کر دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب آپ کو اس کی خبر ملی تو نہایت خوش ہوئے اور میاں بی بی کی فرزانگی کی تعریف فرمائی (ترمذی)

اسیرانِ بدر سے سلوک غزوۂ بدر میں پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اقرباء بھی قریش کے مجبور کرنے پر کفّار کی طرف سے شریکِ کارزار ہوئے تھے۔ صحابۂ کرامؓ نے بدر میں اہلِ مکہ کے جو آدمی قید کیے تھے ان میں حضور کے یہ اقارب بھی داخل تھے:

(۱) آپ کے عمِ محترم حضرت عباسؓ بن عبد المطلب۔

(۲) حضرت علی مرتضیٰؓ کے بڑے بھائی عُقیل بن ابو طالب۔

(۳) آنحضرت کے عم زاد بھائی نوفل بن حارث بن عبد المطلب۔

(۴) سیدہ زینب بنت النبیؐ سلام اللہ علیہا کے شوہر ابو العاصؓ جو ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے خواہر زادہ تھے رضی اللہ عنہم۔

اسیرانِ جنگ میں سے حضرت عباسؓ کی مشکیں غلطی سے بہت زیادہ کس کر باندھ دی گئی تھیں اور وہ اس کی تکلیف سے رات بھر دردناک آواز سے کراہتے رہے یہاں تک کہ آنحضرت ان کی کراہن کر رات کو آرام نہ فرما سکے اور حالتِ بیخوابی میں کروٹیں بدلتے رہے۔ آخر صحابہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! آج آپ کو نیند کیوں نہیں آتی؟ فرمایا میرے چچا عباسؓ کی چیخ و پکار نے مجھے بے چین کر رکھا ہے۔ بعض انصار نے جا کر ان سے رونے کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ ان کا بند بہت سخت ہے۔ انہوں نے بند نرم کر دیا اور وہ سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے دریافت فرمایا کہ اب چچا عباسؓ کے رونے کی آواز نہیں آتی۔ انصار نے عرض کی یا رسول اللہ! ان کا بند بہت سخت تھا انہیں اسی کی تکلیف تھی۔ اب ڈھیلا کر دیا ہے اور وہ سو گئے ہیں"۔ یہ سُن کر آپ نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کے بند ڈھیلے کر دیے جائیں۔ (طبقات ابن سعد و مدارج النبوت)

اسیرانِ جنگ کے کپڑے پھٹ گئے تھے۔ آپ نے سب کو کپڑے دیے۔ اس کے بعد آپ نے ان کو صحابہ کرامؓ میں تقسیم کر دیا لیکن ہر ایک کی تفویض کے وقت تاکید فرمائی کہ اس کے ساتھ مربیانہ سلوک کرنا اور آرام و آسائش سے رکھنا۔ تربیت یافتگانِ رسولِ امینؐ نے اس حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ قیدیوں کی تو مہمانوں کی سی خاطر داری اور خبر گیری کرتے تھے اور انہیں پر تکلف کھانا کھلاتے تھے لیکن خود کھجور وغیرہ کھا کر گذارہ کر لیتے تھے۔ ان قیدیوں میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بھائی ابو عزیز بھی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں جن انصاریوں کے گھر میں رکھا گیا تھا وہ صبح شام کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور کھجوریں خود اٹھا لیتے۔ میں اس میں شرم محسوس کرتے ہوئے روٹی ان کو واپس دیتا لیکن وہ اس کو چھوئے بغیر مجھی کو

واپس کر دیتے۔ ایک اور قیدی کا بیان ہے کہ خدا مسلمانوں پر رحم کرے، وہ اپنے اہل وعیال سے اچھی غذا ہم کو کھلاتے تھے اور اپنے گھر والوں سے پہلے ہماری آسائش کی فکر کیا کرتے تھے (طبقات ابن سعد)

قیدیوں کی نسبت صحابہ کرامؓ سے مشورہ

چند روز کے بعد مقتدائے اُمت علیہ التحیۃ والسلام نے صحابہ کرام کی رائے دریافت کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ عرض پیرا ہوئے یارسُولؐ اللہ! ان کو زندہ رہنے دیجیے۔ عجب نہیں کہ یہ آیندہ توبہ کریں اور حق تعالیٰ ان کو قبولِ اسلام کی توفیق دے۔ پس میرے خیال میں مناسب یہی ہے کہ فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیا جائے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت عمر فاروقؓ کی رائے دریافت کی۔ اُنھوں نے التماس کی یارسُولؐ اللہ! یہ لوگ کفر کے پیشوا ہیں۔ انھوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کو اور آپ کے جاں نثاروں کو بڑی بڑی اذیتیں دے کر شہر سے نکالا۔ پس میرے خیال میں مناسب ہے کہ ان کی گردنیں اُڑا دیجیے تاکہ اسلام کی ہیبت ظاہر ہو۔

لیکن آپ نے اوّل الذکر رائے پسند فرمائی اور حکم دیا کہ جو قیدی فدیہ دینے کی استطاعت رکھتے ہیں ان سے فدیہ لیا جائے اور جو فدیہ نہیں دے سکتے اور کتابت جانتے ہیں وہ انصار کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں اور جو نہ تو زرِ فدیہ دے سکتے ہیں اور نہ لکھنا جانتے ہیں ان کو یونہی احسان رکھ چھوڑ دیا جائے۔ (طبقات ابن سعد)

رشتہ دار قیدیوں میں مفارقت کا امتناع

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شانِ رحمت یہ بھی کہ آپ نے قرابت دار قیدیوں کو ایک دُوسرے سے علیحدہ کرنے کی ممانعت فرمادی۔ ایک گھرانے یا خاندان کے تمام ارکان کو ایک ہی جگہ ٹھیراتے اور یہ گوارا نہ فرماتے کہ کسی گھرانے کے افراد اپنے اقرباء سے علیحدہ ہو جائیں (ابن ماجہ) اس سے یہ فائدہ ہوتا تھا کہ باپ بیٹا، بہن بھائی، شوہر بیوی اکٹھے رہ کر مسرور وشاداں اور ایک دوسرے سے مانوس رہتے۔ یگانوں کی مفارقت سے جو قلق واضطراب ہوتا ہے اس سے

ان کو سابقہ نہ پڑتا۔ اور جن صحابہ کو تقسیم کیے جاتے ان کے گھران کے لیے گھر کے دُوسرے افراد کی حیثیت رکھتے۔ چنانچہ صحابہ کی پاکیزگیٔ اخلاق کے باعث یہ مجلس ان اسیروں کے لیے بہترین تربیت گاہ ثابت ہوئے۔

غزوۂ رُوم کے ایّام میں بہت سے قیدی کسی مسلمان افسر کی نگرانی میں بحری سفر کر رہے تھے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ وہاں سے گزرے تو دیکھا کہ ایک قیدی عورت زار و قطار رو رہی ہے۔ حضرت ابوایوبؓ نے اس کے رونے کا سبب دریافت کیا تو بتایا گیا کہ اس کا بچّہ اس سے چھین لیا گیا ہے۔ حضرت ابوایوبؓ بذاتِ خود گئے اور لڑکے کو لاکر عورت کے حوالے کر دیا۔ افسر نے امیر المومنینؓ سے اس کی شکایت کی۔ وہاں سے باز پُرس ہوئی تو انہوں نے جواب دیا کہ شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظالمانہ طریقہ کی بڑی سختی سے ممانعت فرمائی ہے (مسند امام احمد) آپ نے اس شخص پر لعنت کی جو باپ اور اس کے بیٹے میں اور دو بھائیوں کے درمیان جُدائی ڈالے (مشکوٰۃ بحوالہ ابن ماجہ و دار قطنی)

یاد رہے کہ پہلے زمانہ میں عرب اور اس کی ملحقہ سرزمینوں کے غیر مسلموں میں جیسا کہ غزوۂ حُنین کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے یہ رواج تھا کہ وہ بسا اوقات اپنے اہل و عیال اور مال مویشی کو بھی اس خیال سے محاذِ جنگ میں لے جاتے تھے کہ ان کی موجودگی میں اپنی جانوں پر کھیل جائیں اور پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیں۔ ایسی حالت میں اگر محارب قتل ہو جانے یا مغلوب ہونے کے بعد اسیر ہو جاتے تو ان کے اہل و عیال بھی دُوسرے اموالِ غنیمت میں شامل کر لیے جاتے۔

مراجعتِ وطن کے بجائے رسُول اللہ کی غلامی

داعیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسّلام اور آپ کے حق پرست پیرووں نے قیدیوں کے ساتھ جو مربیانہ سلوک کیے ان کا یہ اثر ہوا کہ اکثر قیدی حصُولِ آزادی کے بعد وطن جانا پسند نہ کرتے بلکہ مسلمان ہو کر ہمیشہ کے لیے مسلمانوں ہی میں رہ جاتے تھے۔ یہ اس لیے کہ قیدی کو

کچھ مدت بحالتِ قید مسلمانوں کی تہذیبِ اخلاق اور حسنِ معاشرت کے مطالعہ کا موقع ملتا

غزوۂ بدر سے پہلے اور اس کے بعد معاہدۂ حُدیبیہ تک اہلِ مکہ اور مسلمانوں میں حالتِ جنگ قائم تھی۔ قریش جہاں پاتے مسلمانوں کو لوٹ کر قید کر لیتے۔ مسلمان بھی اس کے جواب میں مکہ والوں سے یہی سلوک کرتے۔ غزوۂ بدر کے بعد قریش نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو قید کر لیا۔ اس کے جواب میں مسلمانوں نے حکم بن کیسان کو گرفتار کر لیا۔ قریش نے حکم کے چھوڑانے کے لیے زرِ فدیہ بھیجا لیکن چونکہ حضرت سعدؓ قریش کی قید میں تھے، پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حکم بن کیسان سے فرمایا کہ جب تک سعد رہا نہ کیے جائیں گے تم کو مخلصی نہ مل سکے گی۔ یہ دیکھ کر اہلِ مکہ نے حضرت سعد کو رہا کر دیا۔ آپ نے بھی حکم کی رہائی کا حکم دے دیا۔

حکم نے جسمانی قید سے تو مخلصی پائی لیکن چونکہ ایامِ اسیری میں رسولِ خدا کی مجلسوں میں بیٹھے تھے اور آپ کی حقانیت اور صحابۂ کرامؓ کے تقویٰ و طہارت اور خدا پرستی کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اسلام کا طوقِ غلامی گلے میں ڈال کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خدمت میں رہنے لگے۔ (طبقات ابن سعد)۔

فصل ۲۔ عہدِ سابق میں غلامی کا رواج

غلامی کے مختلف اسباب

غلامی کا رواج آج سے کوئی ڈیڑھ صدی پہلے تک دنیا کے تمام ملکوں میں پایا جاتا تھا۔ غلامی کے مختلف اسباب تھے۔ لونڈی غلاموں کی بیشتر تعداد اسیرانِ جنگ پر مشتمل ہوتی تھی۔ اوائل میں جیسا کہ فصلِ اول میں لکھا گیا فاتحین اپنے مغلوب دشمنوں کو غلام نہیں بناتے تھے بلکہ قتل کر ڈالتے تھے۔ ان کی عورتیں پکڑ کر بیویاں یا لونڈیاں بنائی جاتی تھیں اور گھر کے تمام کام کاج انہی کے سر پر ڈال دیے جاتے تھے۔ لیکن جب تہذیب نے کسی قدر ترقی کی تو مغلوب دشمنوں کو قتل کرنے

کی بجائے فروخت کر دینے کا رواج ہؤا۔ البتہ قلیل التعداد کو اپنی ذاتی ضروریات مثلاً گلہ بانی، پاسبانی یا زراعت وغیرہ اُمور کے لیے رکھ لیا جاتا تھا۔ ان غلاموں کی عمر بھر کی محنت ومشقت کا نفع اور کمائی کا استحقاق ان کے مالکوں کو پہنچتا تھا۔

ظہورِ اسلام سے پہلے رُومہ (پایۂ تخت اٹلی) میں غلامی کا رواج انسانی زندگی کا جزوِ لاینفک تھا۔ یونان کے عہدِ قدیم میں بھی اسیرانِ جنگ فروخت کیے جاتے یا اپنے پاس رکھ لیے جاتے تھے۔ مفتوحہ بلاد یا اضلاع کے باشندے قتل کر دیے جاتے تھے اور ان کے اہل وعیال پر فاتحین کا قبضہ ہو جاتا تھا۔

غلامی کے دُوسرے محرّکات

غلامی کے بعض دوسرے وجوہ ومحرکات بھی تھے۔ مثلاً بحری قزاق اور دوسرے غاصب لوگ موقع ملنے پر آزاد لوگوں کو گرفتار کر لیتے اور کسی دوسرے علاقہ میں لے جا کر فروخت کر دیتے تھے۔ یہ ظالم اور قسیّ القلب قزاق زیادہ تر نابالغ بچّوں کو پکڑتے اور بردہ فروشوں سے ان کے معاوضہ میں بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے تھے۔ یورپ میں جن والدین کی اولاد زیادہ ہوتی تھی، وہ بخوشی اپنی کچھ اولاد فروخت کر دیتے تھے۔ بلادِ مغرب میں بہت سے لوگ قرض یا افلاس سے تنگ آ کر بھی اپنے آپ کو فروخت کر ڈالتے تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۵ ص ۲۱۷).

بائیبل میں اسیرانِ جنگ اور لونڈی غلاموں کا تذکرہ

بائیبل کے عہدِ قدیم میں اسیرانِ جنگ اور دوسرے لونڈی غلاموں کا تذکرہ کئی مقامات پر ملتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ قرونِ وسطیٰ میں اسیرانِ جنگ خنجرِ خونخوار کے حوالے کر دیے جاتے تھے اور ان کی عورتوں کو فاتحین گھروں میں ڈال لیتے تھے۔ بائیبل کی کتاب استثناء میں ہے:

تب سیحون یہص میں ہمارے مقابلے کے لیے نکلا وہ اور اس کی ساری قوم تاکہ ہم سے

لڑیں۔ سو خداوند ہمارے خدا نے اسے ہمارے حوالے کر دیا اور ہم نے اُسے اور اس کے بیٹوں کو اور اس کی سب قوم کو ہلاک کیا اور ہم نے اسی وقت اس کے سارے شہروں کو لے لیا اور مردوں اور عورتوں اور بچوں کو ہر ایک شہر میں حرم کیا اور کسی کو باقی نہ چھوڑا سوا چارپایوں کے جنہیں ہم نے اپنے لیے غنیمت جان کے پکڑا اور مال کے جو ہم نے شہروں میں سے لوٹا۔ (استثناء ۲: ۳۲-۳۵)۔ اور ہم نے ان کے مردوں اور عورتوں اور لڑکوں کو ہر ایک شہر میں حسبون کے بادشاہ سیحون کی طرح حرم کیا (ایضاً ۳: ۶)۔

اور جب تو لڑائی کے لیے اپنے دشمنوں پر خروج کرے اور خداوند تیرا خدا ان کو تیرے ہاتھ میں گرفتار کرے اور تو انہیں اسیر کر لائے اور ان اسیروں میں خوبصورت عورت دیکھے اور تیرا جی اسے چاہے کہ تو اسے اپنی جورو بنا دے تو تو اسے اپنے گھر میں لا۔ اس کا سر منڈوا اور ناخن کٹوا تو وہ اپنا اسیری کا لباس اتارے اور تیرے گھر میں رہے اور ایک مہینہ بھر اپنے باپ اور اپنی ماں کے سوگ میں بیٹھے۔ بعد اس کے تو اس کے ساتھ خلوت کر اور اس کا خصم بن اور وہ تیری جورو بنے۔ بعد اس کے اگر تو اس سے خوش وقت نہ ہو تو جہاں وہ چاہے اسے جانے دے۔ پر تو اسے نقدی کے عوض ہرگز بیچ نہیں سکتا۔ (استثناء ۲۱: ۱۰-۱۴)

اگر تیرا بھائی خواہ عبرانی مرد ہو خواہ عبرانی عورت تیرے ہاتھ بیچا جائے اور چھ برس تک تیری خدمت کرے تو تو ساتویں سال اس کو اپنے پاس سے آزاد کر دیجیو (ایضاً ۱۵: ۱۲)۔

ان لوگوں کو جو اسلام پر معترض ہوا کرتے ہیں بائیبل کی ان تعلیمات پر ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈالنا چاہیے۔

یورپ میں مدافعین کے اہل وعیال کی اسیری کا رواج

عہدِ اسلام سے پہلے یورپ میں جب کسی قوم پر حملہ کیا جاتا اور وہ اپنی آزادی کو بحال رکھنے کے لیے مدافعت کی کوشش کرتی تو مغلوب ہو جانے کی حالت میں مدافعین کے اہل و عیال لونڈی غلام بنا لیے جاتے تھے۔ جن ایام میں آفتابِ رسالت نے مکہ معظمہ کے اُفق سے

طلوع ہو کر ظلمت کدۂ عالم کو منور کرنا شروع کیا ہے۔ ان دنوں اسپین پر قوم گوتھ کی عملداری تھی۔ گوتھوں سے پہلے وہاں رومن یعنی اہل اطالیہ فرماں روا تھے۔ جب گوتھوں نے اسپین پر یورش کی تھی تو وہ نہایت آسانی سے ملک میں داخل ہو گئے۔ گوتھ جس شہر کا بھی رُخ کرتے وہاں کے باشندے لڑے بھڑے بغیر ان کے لیے شہروں کے دروازے کھول دیتے۔ کیونکہ وہ پہلے تجربہ کر چکے تھے کہ رومن حملہ آوروں نے اس سے پیشتر حفظ و دفاع کے جرم میں ان کے شہر جلا کر خاک سیاہ کر دیے تھے اور ان کی بیویوں اور بچوں کو پکڑ کر لے گئے تھے اور ان تمام لوگوں کو جنہوں نے سرسری سی مدافعت کی تھی خنجر خونخوار کے حوالے کر دیا تھا۔ اس لیے مسیحی گوتھوں کی آمد پر اسپین کے بُت پرست باشندوں نے لڑائی پر اطاعت کو ترجیح دی اور بڑی گرمجوشی سے حملہ آوروں کا خیر مقدم کیا۔ (مورز ان اسپین مؤلفہ سٹینلی لین پول، مطبوعہ لندن صفحہ ٦)

مذہبی مغایرت کی بنا پر لونڈی غلام بنانا

بعض ظالم حکمران کسی اندرونی خلفشار کے وقت جو انہی کی جفا کاریوں کی بدولت عالم وجود میں آتا تھا اپنی کمزور و بے بس رعایا کو محض مذہبی مغایرت کی بنا پر لونڈی غلام بنا لیتے تھے جیسا کہ اسلامی سلطنت کے زوال کے بعد اسپین میں ہوا۔ مسٹر لی لکھتے ہیں کہ جب اسپین کے مقام بلغیق پر عیسائیوں نے قبضہ کیا ہے تو تمام مسلمان مردوں کو قتل اور عورتوں کو کنیزیں بنایا گیا۔ گیارہ برس سے کم عمر کے جتنے مسلمان بچے تھے ان سب کو نہنگ اجل کی بجائے پادریوں کے حوالے کر دیا گیا کہ ان کو مسیحیت کی تعلیم دیں (مورسکوز آف اسپین صفحہ ١٤١)۔

بازاروں میں قیدی خواتین کا فروخت کیا جانا

مسٹر لی لکھتے ہیں کہ ۱۸ جنوری ۱۵۶۹ء کو جوبلیس کے مقام پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا تو دو ہزار ایک سو عورتیں اور تین سو مرد سپہ سالار کے آدمیوں کے حوالے کیے گئے۔ گرجے میں جتنی گنجائش تھی اتنی خواتین وہاں ٹھہرائی گئیں۔ باقی ماندہ مستورات کو باغ میں رکھ کر ان پر

پہرے لگا دیے گئے۔ رات کے وقت ایک عیسائی سپاہی نے ایک نوخیز عرب لڑکی کو اُٹھا کر لے بھاگنا چاہا۔ ان قیدی عورتوں میں ایک مسلم نوجوان عورتوں کے بھیس میں تھا۔ اس نے لڑکی کو بچانے کے لیے سپاہی پر حملہ کر کے اس کو مجروح کر دیا۔ اس پر ہنگامہ برپا ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مرد و زن جتنے قیدی تھے سب کو ذبح کر ڈالا گیا۔ جب علاقہ میں امن و سکون ہوگیا تو تمام عورتیں بازاروں میں کنیزکوں کی حیثیت سے فروخت کر دی گئیں (مورسکوز آف اسپین مطبوعہ لندن صفحہ ۲۴۴)۔

عورتوں اور بچّوں کا سپاہیوں میں تقسیم کیا جانا

مسٹر لی کا بیان ہے کہ قصبہ البنی و یلا میں امن و سکون تھا۔ مگر ڈیزا کی خواہش تھی کہ اس کو تباہ کر دیا جائے۔ فوج نے تمام مسلمان مردوں کو جنہیں بھاگنے پر قدرت نہ ہوئی موت کے گھاٹ اتار دیا اور عورتوں اور بچوں کو جن کی تعداد ڈیڑھ ہزار تھی جمع کر کے لے آئی۔ ڈان جان نے ان سب کو سپاہیوں میں بطور کنیزکوں کے تقسیم کر دیا۔ (مورسکوز آف سپین صفحہ ۲۵)۔

فصل ۳۔ اِسلام کا مملوکوں کی فریادرسی کرنا

ظہورِ اسلام سے پہلے اور اس کے بعد ان ممالک میں جو اسلام کے حلقۂ اثر سے خارج تھے غلاموں کی حالت زبوں اور ناگفتہ بہ تھی۔ ان کی زندگی اور موت سراسر آقا کے رحم و کرم پر موقوف تھی۔ وہ کھانے کپڑے کے سوا کسی چیز کے حق دار نہیں سمجھے جاتے تھے۔ اس تباہ حال مخلوق سے بڑھ کر دنیا میں کوئی مظلوم نہ تھا۔ انھیں ادنیٰ ادنیٰ لغزشوں پر نہایت ہولناک سزائیں دی جاتی تھیں۔ جس طرح گوالا اپنی بھیڑ بکریوں پر کامل اختیار رکھتا ہے، اسی طرح لونڈی غلاموں کی زندگی قطعاً مالکوں کے رحم و کرم پر تھی۔ دنیا میں ان کا کوئی فریادرس نہیں تھا۔ حکومتوں کو بھی یہ حق حاصل نہ تھا کہ آقاؤں اور غلاموں کے معاملات میں دست اندازی کر سکیں۔

آخر اسلام نے آکر ان کی فریاد رسی کی اور وہ تمام ممالک جو مسلمانوں کے زیر نگیں تھے، ان کا ملجاو ماویٰ قرار پائے۔

آزاد کو بردہ بنانے کا امتناع

حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے بادل ناخواستہ ان لوگوں کو تو ہنگامی طور پر غلام بنانے کی اجازت دی جو معرکہ کارزار میں مغلوب ہو جائیں لیکن آپ نے آزاد کو غلام بنانے کی سختی سے ممانعت کی اور فرمایا حق تعالیٰ اس شخص کی کوئی نماز قبول نہیں کرتا جو کسی آزاد عورت کو لونڈی اور آزاد مرد کو غلام بنائے (ابو داؤد) اور فرمایا حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں قیامت کے دن تین شخصوں کے خلاف خود مدعی ہوں گا۔ ایک وہ جس نے مجھے ضامن دے کر کسی کو دھوکا دیا۔ دوسرا وہ جس نے کسی آزاد کو پکڑا اور غلام کی حیثیت سے بیچ کر اس کی قیمت وصول کی تیسرا وہ جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر لگا کر اس سے کام لیا لیکن مزدوری نہ دی (بخاری و ابن ماجہ)۔

اسیروں کو غلام بنانے کا مقصد

اسلام نے اسیران جنگ کو غلام بنانے کی جو اجازت دی اس کے دو سبب تھے۔ پہلا یہ کہ دنیا کی تمام غیر مسلم قومیں ایسا ہی کرتی تھیں۔ اگر اسلام اپنے نام لیواؤں کو اس کی اجازت نہ دیتا تو اس کے یہ معنی تھے کہ مسلمان تو اغیار کی قید میں جا کر مصائب و آلام کا شکار ہوتے رہیں لیکن غیر مسلم اہل ایمان کی گرفت میں آتے ہی مخلصی پا جایا کریں۔ پس قطع نظر اس کے کہ ایسا اقدام مروجہ آئین وانصاف کے خلاف ہوتا اس سے غیر مسلم حریفوں کو کبھی عبرت و تنبیہ نہ ہوتی اور دنیا سے رسم غلامی کا کبھی انسداد نہ ہوتا تاہم اس بارہ میں اسلام نے اپنے اعداء کے مقابلہ میں اپنی شان عظمت دکھائی۔ جہاں غیر مسلم طاقتیں مسلمان قیدیوں سے ظالمانہ برتاؤ برتتی تھیں مسلمانوں نے قیدیوں سے ایسا مربیانہ سلوک کیا کہ غلامی و اسیری نہ صرف اخوت و ہمسری تک کی بلکہ بسا اوقات ہمسری سے بھی سبقت لے جاتی تھی۔

اسیران جنگ کو بردے بنانے کا دوسرا مقصد اسلام کے یہ پیش نظر تھا کہ قیدیوں کو

اسلامی تعلیمات اور اسلامی اخلاق و عادات کے مطالعہ کا موقع ملے۔ اور وہ سعادتِ ایمانی سے متمتع ہو کر فلاح اُخروی سے بہرہ اندوز ہو سکیں۔ چنانچہ اسلام اس مقصد میں ہمیشہ کامیاب رہا کیونکہ جو قیدی بھی غلام کی حیثیت سے کچھ مدت مسلمانوں میں رہ جاتا وہ وطن جانے کا کبھی نام نہ لیتا بلکہ مشرف بایمان ہو کر مدت العمر مسلمانوں ہی میں رہ جاتا۔

فصل ۴۔ مملوکوں سے حُسنِ سلوک کی تاکید

غلاموں پر لُطف و احسان کرنے کی فضیلت

غلاموں پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی شفقت اور نظرِ عنایت تھی کہ وفات کے قریب جب آپ کی سانس اٹک رہی تھی آپ یہ وصیت فرما رہے تھے کہ نماز کی پابندی کرنا اور لونڈی غلاموں کا خیال رکھنا (احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ، بیہقی فی الشعب) اور فرمایا کہ غلاموں کے معاملہ میں خدا سے ڈرنا۔ ان کو کپڑے پہنانا اور ان کے پیٹ کو بھرنا اور ان سے نرم لہجہ میں گفتگو کرنا (ابن سعد) اگر آپ کبھی سنتے کہ فلاں شخص نے غلام سے بدسلوکی کی ہے تو آپ پر اس کی یہ حرکت سخت شاق گزرتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے مملوک سے بُرائی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا (ترمذی و ابن ماجہ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ لونڈی غلاموں سے بدسلوکی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ بعض صحابہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! آپؐ نے تو ارشاد فرمایا تھا کہ مملوکوں اور یتیموں کے اعتبار سے میری اُمت اُمم سابقہ سے اکثریت میں ہے۔ ایسی حالت میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ سب لوگ مملوکوں سے احسان و مہربانی ہی کا سلوک کریں؟ ضرور ہے کہ بعض لوگ بداخلاقی کا بھی برتاؤ کریں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ لیکن تم پر واجب ہے کہ لونڈی غلاموں کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھو اور ان کو وہی چیزیں کھلاؤ جو خود کھاتے ہو (ابن ماجہ)

اور فرمایا کہ غلاموں سے خوش اخلاقی برتنا باعث برکت ہے اور ان سے بدسلوکی کرنا بے برکتی کا سبب ہے (ابوداؤد) اور فرمایا جس شخص میں تین وصف ہوں حق تعالیٰ اس پر موت آسان کر دیتا ہے اور اسے جنت میں داخل کرے گا۔ یعنی ضعیفوں سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔ والدین پر شفقت کرنا اور غلاموں پر لطف و احسان رکھنا (ترمذی) اور فرمایا کہ جو کوئی اپنے غلام یا لونڈی پر زنا کی تہمت لگائے، حالانکہ وہ اس فعل سے بری ہوں تو خدائے شدید العقاب قیامت کے دن اس کو حدِ قذف میں کوڑے لگوائے گا (ابوداؤد)

آزادوں سے دوچند ثواب کا مژدہ

مسکینوں اور بیکسوں کے ملجا و ماوی حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلاموں کے حال پر جو شفقتیں تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ آپ نے انھیں ہر کارِ ثواب میں دوچند اجر و ثواب عطا کیے جانے کا مژدہ سنایا۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ کہا کرتے تھے کہ اگر حج اور غزا نہ ہوتا تو میں یہ خواہش کرتا کہ غلام ہو کر مروں، کیونکہ مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر غلام باری تعالیٰ کے احکام و فرائض بجالائے اور اپنے مالکوں کا بھی حق ادا کرے تو اسے آزاد سے دوہرا ثواب ملتا ہے (بخاری و مسلم) راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث سنی تو حضرت کعبؓ صحابی سے اس کا تذکرہ کیا۔ وہ فرمانے لگے کہ قیامت کے دن غلام کا حساب کتاب نہ ہوگا اور نہ اس مومن صالح کا جو نادار اور تنگ دست ہو (مسلم)۔

پیٹنے کی پاداش میں مملوک کو آزاد کرانا

جب کبھی شفیعِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتا کہ کسی غلام پر ہاتھ اُٹھایا گیا ہے تو اس سے آپ کے قلب مبارک کو سخت ٹھیس لگتی۔ آپ کا ارشاد ہے کہ مخلوق میں بُرے آدمی تین ہیں۔ ایک وہ جو تنہا کھائے (یعنی بخیل ہو) دوسرا وہ جو عطا و بخشش سے ہاتھ روکے (یعنی اس کے مستحق کو نہ دے) اور تیسرا جو غلام کو پیٹے (مشکوٰۃ بحوالہ رزین) اور فرمایا جو شخص اپنے غلام کو طمانچہ مارے اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کر دے (مسلم) اگر کبھی کوئی شخص اپنی لونڈی یا غلام

پر ہاتھ اُٹھاتا اور شفیقِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہو جاتا تو آپ اس کے سلسلۂ محکومی کو ختم کرنے کے لیے اس کو آزاد کرا دیتے تھے۔

معاویہ بن حکم سلمی نام ایک صحابی رضہ کی لونڈی کوہِ اُحد اور موضع جوانیہ کے درمیان بکریاں چراتی تھی۔ ایک مرتبہ جو وہ ریوڑ کی طرف گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بھیڑیا آکر ایک بکری کو اٹھا لے گیا ہے۔ انہیں لونڈی پر غصہ آگیا اور اُسے دو چار طمانچے مار دیے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ کو سخت ناگوار ہوا۔ آپ نے جھٹ معاویہ رضہ کو طلب فرمایا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے حکم دیا کہ اس لونڈی کو آزاد کر دو۔ انہوں نے امتثالِ امر کرتے ہوئے لونڈی کو آزاد کر دیا (مسلم و ابو داؤد) ایک مرتبہ ابومسعود انصاری رضہ اپنے غلام کو مار رہے تھے تو پیچھے سے آواز آئی ابومسعود! ہاتھ کو روکو اور جان لو کہ جس قدر تمہیں اس غلام پر اختیار ہے، خدائے قہار کو اس سے کہیں زیادہ تم پر اختیار حاصل ہے۔ ابومسعود رضہ نے مڑ کر دیکھا تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ وہ آپ کو دیکھتے ہی معاً کہنے لگے یا رسول اللہ! میں نے اسے لوجہ اللہ آزاد کر دیا۔ آپ نے فرمایا اگر تم آزاد نہ کرتے تو اس زد و کوب کی پاداش میں آتشِ جہنم تم سے قریب ہو جاتی۔ (ابو داؤد)

مدینہ منورہ کا ایک گھرانا سات افراد پر مشتمل تھا اور ان کے پاس ایک لونڈی تھی۔ ایک مرتبہ گھر کے ایک رکن نے لونڈی کو تھپڑ مار دیا۔ ملجائے بیکساں حضرت احمدِ مختار صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس شخص کو بلا کر حکم دیا کہ اس لونڈی کو آزاد کر دو۔ اس نے عذر کیا یا رسول اللہ! ہم سات آدمیوں کے بیچ میں صرف یہی ایک خادمہ ہے۔ اگر اس کو آزاد کر دیں تو ہمارے گھر کا کام کاج کون کرے گا؟ آپ نے فرمایا کہ کوئی اور انتظام کر لو۔ جب تک کوئی اور انتظام نہیں ہو جاتا اس وقت تک یہ کام کرے۔ اس کے بعد آزاد ہے (ابو داؤد)۔

ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم لونڈی غلاموں کے ہر روز ستر دفعہ معاف کرنے کی تعلیم

قصوروں سے درگذر کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ ایک شخص نے بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوکر دریافت کیا یا رسولؐ اللہ! غلاموں کا قصور کتنی دفعہ معاف کرنا چاہیے؟ آپؐ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ دوسری دفعہ پوچھا تو بھی آپ خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ پھر بھی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر ہر روز ستر قصور کریں تو ستر ہی دفعہ معاف کیا کرو (ابو داؤد و ترمذی)۔ ستر دفعہ معاف کرنے سے تحدید مراد نہیں بلکہ مقصود مبالغہ ہے۔ غرض یہ ہے کہ ان کو ہمیشہ معاف کرتے رہو۔

غلاموں کے خلاف بارگاہِ نبوی میں شکوہ

ایک شخص کے پاس دو نہایت شریر اور سخت سرکش غلام تھے۔ وہ ان کو ہر وقت ملامت کرتا اور مارتا پیٹتا لیکن وہ کسی طرح باز نہ آتے۔ اس شخص نے آستانِ نبوتؐ میں حاضر ہو کر ان کی شکایت کی اور دریافت کیا یا رسولؐ اللہ! اس زدوکوب پر مجھ سے کوئی مواخذہ تو نہیں ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ اگر ان کا قصور اور تمہاری سزا مساوی ہوں گی تو خیر تم بچ گئے ورنہ جس قدر سزا قصور سے زیادہ ہوگی، اسی انداز پر خدا تمہیں بھی سزا دے گا۔ یہ سُن کر شکوہ سنج سخت بے چین ہؤا اور رونا شروع کر دیا۔ اس کے بعد بولا یا رسول اللہ! لونڈی غلام رکھنا تو بڑی ذمہ داری اور جواب دہی کا کام ہے۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ انہیں اپنے جدا کر دوں۔ یہ کہہ کر دونوں کو آزاد کر دیا (مسند احمد)۔

دوسری روایت اس طرح ہے کہ ایک شخص نے حاضر خدمت ہوکر گذارش کی یا رسولؐ اللہ! میرے غلام مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں۔ میرے مال میں خیانت کرتے ہیں اور سخت سرتابی اور شورہ پشتی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس لیے میں تنگ آکر ان کو گالیاں دیتا اور پیٹتا ہوں۔ قیامت کے دن میرا اور ان کا کیا حال ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ ان کی خیانت، نافرمانی اور کذب بیانی کا حساب ہوگا۔ پھر ان گناہوں کا تمہاری عقوبت اور سزا دہی کے ساتھ موازنہ ہوگا۔ اگر تمہاری سزا ان کی تقصیر و کوتاہی کے مساوی ہوگی تو نہ تمہارا کچھ حق ان پر رہا اور نہ

ان کا تم پر۔ اور اگر سزا ان کے قصوروں سے کم رہی تو تمہارا حق ان پر باقی رہا۔ اور اگر سزا ان کے قصوروں اور جرموں سے متجاوز ہوئی تو تمہیں بقدر زیادتی اس کی سزا دی جائے گی"۔

یہ سن کر مستفسر رونے لگا اور بچشم گریاں اور بسینۂ بریاں وہاں سے چلا۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا:

وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا	اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو قائم کریں گے۔ سو کسی پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔
(۲۱ : ۴۷)	

وہ شخص کہنے لگا یا رسول اللہ! ایسی حالت میں میری اور ان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ مجھ سے الگ ہو جائیں۔ اس لیے میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے سب کو آزاد کیا (ترمذی)

کھانے کپڑے میں آقا اور غلام کی برابری

صحابہ کرامؓ عام طور پر جو غذا خود کھاتے تھے وہی غلاموں اور دوسرے متعلقین کو کھلاتے تھے۔ سیدِ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے رکھا تھا کہ ہر شخص جو خود کھائے وہی لونڈی غلاموں کو کھلائے۔ ان کو اتنا کام نہ دے جو نہ کر سکیں اور اگر کام زیادہ ہو تو خود بھی اس کام میں شریک ہو جائے (بخاری و مسلم) اور فرمایا تم پر واجب ہے کہ بردوں کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھو اور ان کو وہی چیزیں کھلاؤ جو خود کھاتے ہو (ابن ماجہ) اور فرمایا لونڈی غلام جو تمہاری اطاعت میں ہوں ان کو وہ کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو اور جن بردوں کا رویہ تمہاری مرضی کے خلاف ہو ان کو فروخت کر دو لیکن کسی حالت میں بھی مخلوقِ خدا کو ایذا نہ دو۔ (احمد و ابو داؤد)

حضرت بلالؓ سے ابو ذرؓ کی آویزش

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے مکہ معظمہ آنے اور مشرف بایمان ہونے کا واقعہ کتاب "سیرت کبریٰ" (فصل ۱۹۶ صفحہ ۶۱۰) میں بالتفصیل دیا جا چکا ہے۔ ان کے قبولِ اسلام سے

بہت دن پہلے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ سعادتِ ایمانی سے مستعد ہو چکے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت بلالؓ ایک مشرک آقا کے غلام تھے جس نے انہیں قبولِ اسلام کی پاداش میں بڑے بڑے مظالم کا تختۂ مشق بنا رکھا تھا۔ ایک دن ابو ذرؓ کسی بات پر حضرت بلالؓ سے اُلجھ پڑے اور انہیں ان کی والدہ کے سیاہ فام ہونے کا طعنہ دیا۔ بلالؓ نے جا کر سیدِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی۔

آپ نے ابو ذرؓ کو بُلا کر فرمایا کیا تم بلالؓ سے جھگڑے اور ان سے کہا کہ تمہاری ماں کالی ہے؟ حضرت ابو ذرؓ نے کہا ہاں یا رسول اللہ! میں نے کہا۔" ارشاد فرمایا تم مسلمان تو ہوئے لیکن تم میں اب تک جاہلیت کا اثر موجود ہے (جبکہ لوگ ازراہِ غرور دُوسروں کے والدین کی تحقیر کرتے اور اپنے ماں باپ کو آسمانِ عظمت پر چڑھایا کرتے تھے)۔ ابو ذرؓ بولے یا رسُولَ اللہ! جب کوئی شخص کسی سے تکرار کرے گا تو یقیناً اس کے ماں باپ کو گالیاں دی جائیں گی"۔ یہ جواب سُن کر حضورؐ نے فرمایا ابو ذر! تم میں اب تک عہدِ جاہلیت کا کبر و غرور باقی ہے۔ (حضُور علیہ السّلام کے اس ارشاد کا منشا یہ تھا کہ اگر کسی سے تمہاری نزاع ہو تو اس کا بدلہ اس کے ماں باپ سے کیوں لیا جائے؟)۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ گو یہ غلام اور خدمت گار تمہارے ماتحت ہیں لیکن تمہارے بھائی ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کو تمہارے زیرِ دست کر دیا۔ اس لیے جس کا بھائی اس کے ہاتھ کے نیچے ہو اس پر لازم ہے کہ جو خود کھائے وہی اس کو کھلائے اور جو خود پہنے اس کو بھی پہنائے۔ پھر فرمایا کہ لونڈی غلاموں کو ایسے کام کی تکلیف مت دو جو ان کی طاقت سے باہر ہو اور وہ عاجز و پریشان ہو جائیں۔ اور اگر کبھی کوئی سخت کام کرنے کو دو تو خود بھی اس میں شریک ہو جاؤ۔ (بخاری و مسلم بالفاظ مختلفہ)

حضرت ابو ذرؓ کی ندامت و اشک باری

حضرت ابو ذرؓ سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اُٹھے اور ایک جگہ جا کر

لیٹ گئے اور اپنا چہرہ زمین سے ملا کر قسم کھائی کہ جب تک بلالؓ آکر اپنے پاؤں سے اس کے رُخساروں کو نہ روندیں گے وہ اپنا چہرہ زمین سے علیحدہ نہیں کریں گے۔ ابوذرؓ برابر اشکِ ندامت بہا رہے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کا خیال ان کے دل پر بجلیاں گرا رہا تھا۔ جب حضرت بلالؓ کو ان کی ندامت اور سوزِ دل کا حال معلوم ہوا تو ان کے پاس پہنچے اور ان کی قسم کو پورا کرنے کے خیال سے ان کے رخسار کو روندا (قسطلانی شرح بخاری)

لباس میں آقا اور غلام کی یکسانی

امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے ایام خلافت میں ابوذرؓ نے موضع ربذہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ایک مرتبہ معرور بن سوید تابعی اس بستی میں گئے اور دیکھا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے جس وضع اور جس قیمت کا جوڑا زیب تن کر رکھا ہے وہی ان کے غلام نے پہن رکھا ہے۔ معرور ان سے کہنے لگے کہ اگر ان دونوں چادروں کو اپنے کام میں لاتے تو بہت اچھا جوڑا تھا حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مجھ میں اور میرے ایک بھائی میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا تھا تو سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ بردے تمہارے بھائی ہیں۔ ان کا حق یہ ہے کہ ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو (بخاری ومسلم)

غلاموں سے فاروقِ اعظمؓ کا برتاؤ

لونڈی غلاموں سے مساوات برتنے میں امیر المومنین حضرت عمرؓ خاص طور پر شہرت و امتیاز رکھتے تھے۔ جب انہوں نے اصحابِ بدر کی تنخواہیں مقرر کیں، تو ان کے غلاموں کی بھی اُنہی کے برابر تنخواہ مقرر کی۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ حکّام کے متعلق اور باتوں کے ساتھ ہمیشہ یہ بھی دریافت کرتے رہتے تھے کہ حاکم غلاموں کے ساتھ مساوات کا سلوک کرتا ہے یا نہیں؟ اگر کسی عامل کی نسبت معلوم ہوتا تھا کہ وہ غلاموں کی عیادت کو نہیں جاتا تو صرف اس جُرم پر بھی اس کو معزول کر دیتے تھے۔ امیر المومنینؓ نے سردارانِ فوج کو لکھ بھیجا کہ تمہارا کوئی مملوک کسی غیر مسلم کو امان دے تو وہ امان تمام مسلمانوں کی طرف سے منصوّر ہو گی۔ بسا اوقات غلاموں

کو جمع کر کے اپنے ساتھ کھانا کھلاتے اور حاضرین کو سنا کر فرماتے تھے کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے پینے میں عار ہے (کنز العمال وغیرہ)

قرابت دار غلاموں میں تفریق ڈالنے کی ممانعت

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ظلم قطعاً گوارا نہ تھا کہ اقربا میں تفریق ڈال کر ان کا دل اُداس کیا جائے۔ اور اگر کبھی ایسا ہوتا تھا تو آپ فسخ بیع کا حکم دیتے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ رض کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو غلام مرحمت فرمائے جو بھائی بھائی تھے۔ کچھ دنوں کے بعد میں نے ایک کو اپنے سے جُدا کر دیا۔ آپ نے دریافت فرمایا علی! تمہارا ایک غلام کیا ہوا؟ میں نے التماس کی کہ فروخت کر دیا ہے۔" یہ سن کر آپ نے فرمایا اس کو پھیر لو۔ اس کو پھیر لو (ترمذی و ابن ماجہ)

حضرت علی رض کہتے ہیں کہ اسی طرح میں نے لونڈی اور اس کے بیٹے میں جدائی کر دی۔ آپ کو معلوم ہوا تو اس کی ممانعت فرمائی اور بیع کو فسخ کر دیا (ابو داؤد) حضرت ابو موسیٰ اشعری رض کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر لعنت کی ہے جو باپ بیٹے یا دو بھائیوں میں جدائی ڈالے (ابن ماجہ)

طلاق کا حق صرف شوہر کو ہے

عرب میں عام قاعدہ تھا کہ لوگ اپنے غلاموں کا کسی سے عقد کر دیتے تھے۔ پھر جب چاہتے غلام کو اس کی منکوحہ سے الگ کر دیتے۔ چنانچہ ایک شخص نے اپنے غلام کو اپنی لونڈی سے بیاہ دیا۔ اور پھر کچھ مدت کے بعد دونوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دینا چاہا۔ غلام نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اس کی شکایت کی۔ آپ نے منبر پر خطبہ دیا کہ یہ عادت سخت مذموم ہے کہ نکاح کرا کے زوجین میں تفریق کرائی جائے۔ طلاق کا حق شوہر کے سوا کسی کو حاصل نہیں (ابن ماجہ)

مسلمانوں کے حُسنِ سلوک کے متعلق اہلِ یورپ کی شہادت

ان روایات کا مطالعہ کرنے سے جو اوپر درج ہوئیں یا

آیندہ صفحات پر مبسوط تحریریں آئیں گی، اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گا کہ اسلام میں غلاموں کی حیثیت کیا تھی۔ قیدی جو غلاموں کی حیثیت سے دارالاسلام میں آتے تھے وہ بیکس اور مفلوک الحال ہوتے تھے۔ مسلمان اپنے گھروں میں فرزندوں کی طرح ان کی پرورش اور خبر گیری کرتے تھے۔ اس سے بہتر ان کے بسر اوقات کی کوئی صورت ممکن العمل نہ تھی۔ مسلمانوں نے اپنے مملوکوں سے جو برتاؤ کیا، وہ بعض اوقات ہمسری اور مساوات سے بھی بڑھ جاتا تھا۔

اس حسن سلوک کو غیروں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے کہ "مشرق کے اسلامی گھرانے میں غلام خاندان کے ایک رکن کی حیثیت رکھتا ہے اور اس سے محبت اور شفقت کا سلوک کیا جاتا ہے۔ قرآن نے اس طبقہ کے متعلق نہایت درجہ کے شفقت آمیز برتاؤ کی رُوح پھونکی۔ قرآن غلاموں کی آزادی کا مبلغ و منّاد ہے۔ جس لونڈی سے مالک کی اولاد ہو وہ عموماً آزاد بیوی کا درجہ حاصل کر لیتی ہے (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۵ ص ۲۲۶)

فصل ۵۔ سرورِ عالم کو آزادیٔ مملوکاں سے شغف

امتناعِ غلامی کا مسئلہ

مصلحِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غلامی کی رسم دنیا سے بالکل مٹا دینا چاہتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ مسئلہ بین الاقوامی حیثیت رکھتا تھا، اس لیے جب تک آفاق کی غیر مسلم قومیں مسلمانوں کے ساتھ اتحادِ عمل پر آمادہ نہ ہوتیں، رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف عرب کے اندر امتناعِ غلامی کا حکم دے کر دنیا سے رسمِ غلامی کو ملیامیٹ نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ یہ امر کسی طرح قرین انصاف نہیں تھا کہ غیر مسلم طاقتیں تو بدستور محارب مسلمانوں کو اسیر کر کے غلام بناتی رہتیں۔ لیکن مسلمان اپنے حریفوں کو قید نہ کرتے یا غلام نہ بناتے۔ تاہم پیغمبرِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں اور غلاموں کے متعلق جو مشفقانہ برتاؤ کر رکھا تھا اس سے آپ کا یہی مطمحِ نظر ہوتا تھا کہ آہستہ آہستہ غلامی کی رسمِ قبیح دنیا سے اُٹھ جائے۔ چنانچہ مندرجۂ ذیل روایات اس دعویٰ کی پوری طرح تصدیق کرتی ہیں۔

بردہ آزاد کرنے کا ثواب

آپ نے لونڈی غلام آزاد کرنے کو بحکم الٰہی مذہب کا بہت بڑا عملِ خیر اور کارِ ثواب قرار دیا تھا اور آپ اپنے جاں نثاروں کو مختلف مذہبی تقریبوں پر مملوکوں کے آزاد کرنے کی برابر ترغیب دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جان کو آزاد کرو اور گردنوں کو چھوڑاؤ۔ حاضرین میں سے ایک نے آزاد کرنے اور گردن چھوڑانے میں فرق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جان آزاد کرنا یہ ہے کہ لونڈی غلام کا واحد مالک اس کو آزاد کرے اور گردن چھوڑانا یہ ہے کہ لونڈی غلام کے آزاد ہونے میں اسے زرومال سے مدد دی جائے (مسند احمد)

بردہ آزاد کرنا نجاتِ اُخروی کا کفیل ہے!

ایک مرتبہ ایک دیہاتی بارگاہ نبوتؐ میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوا، یارسُولَ اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس سے میری نجات ہو جائے" آپ نے فرمایا کہ گو تمہارا سوال مختصر ہے لیکن بڑے مطلب پر حاوی ہے۔ جان کو آزاد کرو اور بردے کی گردن چھوڑاؤ" اس نے کہا یارسول اللہ! کیا دونوں ایک چیز نہیں؟ فرمایا نہیں۔ جان کا آزاد کرنا یہ ہے کہ تم تنہا اپنے مملوک کو آزاد کرو اور گردن چھوڑانا یہ ہے کہ جب کوئی غلام حصُولِ آزادی کے لیے مالک کو قیمت ادا کرنا چاہے تو اس کام میں اس کی مدد کرو (بیہقی فی الشعب) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ غلام آزاد کرنا یا حُریّت خواہ غلام کی مالی امداد کر کے اس کے حصُولِ آزادی میں اعانت کرنا نجاتِ اُخروی کا ضامن ہے۔

اور فرمایا کہ بہترین صدقہ ایسی سفارش ہے جس سے کسی مملوک کو آزادی نصیب ہو۔ (بیہقی فی الشعب)

غلام آزاد کرنا محبُوب ترین عملِ خیر ہے

اس سلسلہ میں حاملِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے روئے زمین پر کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کی جو اُسے مملوک کے آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہو (دارقطنی)۔ عبدالرحمٰن بن

ابو عمرہ انصاری کا بیان ہے کہ میری ماں نے اپنے مرض موت میں بردہ آزاد کرنے کا قصد کیا لیکن اس کار خیر میں صبح تک توقف کر دیا اور وہ قضا کر گئیں میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے پوتے قاسم بن محمد رحؒ سے (جو مدینہ منورہ کے جلیل القدر عالم اور مشہور تابعین میں سے تھے) دریافت کیا کہ اگر والدہ کی وفات کے بعد ان کی طرف سے بردہ آزاد کیا جائے تو والدہ کو اس کا ثواب پہنچے گا؟

امام قاسم رحؒ نے کہا کہ حضرت سعد بن عُبادہ انصاری رضؓ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے تھے کہ میری والدہ انتقال کر گئی ہیں۔ اگر میں ان کی طرف سے بُردہ آزاد کر دوں تو اس کا نفع مادر مرحومہ کو پہنچ سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا تھا کہ ہاں بُردہ آزاد کرنے کا ثواب تمہاری والدہ کو پہنچے گا (مؤطائے امام مالک رحؒ)۔

بھائی کی طرف سے اُمّ المومنین رضؓ کا بُردے آزاد کرنا

مروی ہے کہ جب عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضؓ کا انتقال ہوا تو اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی طرف سے بہت سے لونڈی غلام آزاد کیے (موطائے امام مالک رحؒ) اور مروی ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمِ محترم حضرت عباس رضؓ بن عبدالمطلب نے اپنے انتقال سے پہلے ستّر غلام آزاد کیے تھے (اکمال فی اسماء الرجال)۔

قرآن مجید میں بھی بُردہ آزاد کرنے کو بہت بڑا کارِ ثواب بتایا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

فَكُّ رَقَبَةٍ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ	دین کے کاموں میں سے بردہ آزاد کرنا اور
ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ	فاقہ کے وقت کسی رشتہ دار یتیم کو یا کسی خاک نشین
أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ (البلد)	محتاج کو کھانا کھلانا بھی ہے۔

آزادی کے دُوسرے اسباب و محرّکات

لونڈی غلاموں کو آزاد کرنے کے دوسرے اسباب و محرکات یہ تھے۔ آپ حکم دیا کرتے

تھے کہ جب آفتاب کو گہن لگے تو بردہ (لونڈی غلام) آزاد کیا کرو (بخاری وابوداؤد) بردہ آزاد کرنا خودکشی کرنے کا کفارہ بھی ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک خودکشی کرنا ایک بڑا عمل خیر ہے لیکن اسلام نے اسے بدترین معصیت، حرام موت اور سخت بزدلی قرار دیا ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خودکشی کرنے والا جہنم کا ایندھن بنے گا۔ البتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بردہ آزاد کرنا خودکشی کے گناہ کا کفارہ ہوسکتا ہے۔

چنانچہ واثلہ بن اسقع رض کا بیان ہے کہ ہمارے متعلقین میں سے ایک شخص نے خودکشی کر کے اپنے اوپر دوزخ کو واجب کر لیا۔ اس کے بعد حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ (اگر چاہتے ہو کہ قاتل نفس خودکشی کے گناہ کے عذاب سے بچ جائے تو) اس کی طرف سے ایک بردہ آزاد کرو۔ خدا ئے غفور بردے کے ہر عضو کے عوض میں خودکشی کرنے والے کے ہر عضو کو دوزخ سے آزاد کر دے گا (ابوداؤد ونسائی)۔

جو شخص کسی بات پر قسم کھا کر اپنی قسم توڑ دے تو اس پر بھی واجب ہے کہ ایک بردہ آزاد کرے یا ان کفاروں میں سے کوئی دوسرا کفارہ دے جو قرآن (۵: ۹۰) میں مذکور ہیں۔

ظہار کی تلافی بردہ آزاد کرنا ہے

جو شخص اپنی بیوی سے ظہار کرے اور پھر اس کی تلافی کرنا چاہے تو اس پر بھی لازم ہے کہ ایک بردہ آزاد کرے اور اگر بردہ موجود نہ ہو تو لگاتار ساٹھ دن کے روزے رکھے، اور جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ ظہار اسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو محرمات نسبی یا رضاعی کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے کہ جس کا دیکھنا حرام ہے۔ مثلاً کہے کہ تم میرے لیے ایسی ہو جیسے میری ماں کی پیٹھ یا ران یا مثلاً یوں کہے کہ تمہارا پیٹ ایسا ہے جیسا میری بہن کا۔ ایسا کہنے والا جب تک ظہار کا کفارہ ادا نہ کرے شوہر اور بیوی میں جدائی رہتی ہے۔ اسلام سے پہلے اگر شوہر بیوی سے کہہ دیتا کہ تو میری ماں ہے تو دونوں میں ہمیشہ کے لیے جدائی ہو جاتی تھی۔

عہدِ نبوت میں ایک صحابی اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی خولہ بنت ثعلبہ کو اسی قسم کا ایک کلمہ کہہ دیا جس سے ان پر ظہار لازم ہوگیا۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا شارع علیہ السلام کی خدمت میں یہ مسئلہ دریافت کرنے آئیں۔ اس وقت تک ظہار کے متعلق کوئی آسمانی حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لیے آپ نے فرمایا کہ میرے خیال میں تمہارے اور تمہارے شوہر میں ہمیشہ کے لیے جدائی ہوگئی۔

بارگاہِ نبوی ﷺ میں حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کی آہ وزاری

یہ سن کر خولہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کی شکایت کرنے لگیں کہ یا رسول اللہ! میری جوانی اور حسن کا زمانہ جاتا رہا۔ اب جبکہ میں بڑھیا ہوگئی تو مجھ سے ظہار کر بیٹھا۔ پھر عالم تأسف میں بولیں یا رسول اللہ! اگر ہمارے درمیان جدائی ہوگئی تو گھر تباہ ہو جائے گا۔ بچے پریشان مارے مارے پھریں گے۔ نہ کوئی والی وارث ہوگا نہ کوئی مربی و سرپرست۔ الٰہی! مجھ بیکس کا تو ہی سہارا ہے! میری فریاد رسی کر۔"

اس وقت یہ حکم نازل ہوا کہ جس نے جنا نہیں وہ کسی کی ماں کیونکر ہو سکتی ہے مگر اپنی گستاخی کی پاداش میں بردہ آزاد کرکے کفارہ دے (لباب النقول)

کن مملوکوں کو آزادی بخشنا افضل عمل ہے؟

ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا یا رسول اللہ! سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ فرمایا کہ ایمان لانا اور راہِ خدا میں جان دینا۔ پھر پوچھا کہ کون سا بردہ آزاد کرنا افضل ہے؟ فرمایا وہ بردہ جو بہت بیش قیمت ہو اور مالک کو بہت زیادہ عزیز ہو۔ کہنے لگے یا رسول اللہ! اگر بردہ آزاد نہ کر سکوں؟ فرمایا کسی کام کرنے والے کے کام میں اس کی امداد کر دیا کرو یا کسی کا ایسا کام کر دیا کرو جو اسے بنانا نہیں جانتا۔ عرض کی اگر یہ بھی نہ کر سکوں؟ آپ نے فرمایا تو پھر کسی سے بُرائی نہ کرو (بخاری و مسلم)۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو چیز جس قدر زیادہ بیش قیمت اور مرغوبِ خاطر ہو اس کے

فی سبیل اللہ علیحدہ کرنے میں اسی قدر زیادہ ثواب ہے۔ امام نووی رقم فرماتے ہیں کہ گو اندھے یا کانے یا دست بریدہ یا کسی اور عیب دار لونڈی غلام کے آزاد کرنے میں بھی بڑا ثواب ہے لیکن کامل فضیلت اس میں ہے کہ مملوک کے اعضا سب صحیح و سالم ہوں اور گراں قیمت ہو۔

مسلمان بردے کے آزاد کرنے کا ثواب

گو غیر مسلم بردے کو آزادی بخشنا بھی بڑا کار ثواب ہے، لیکن مسلمان لونڈی غلام کے آزاد کرنے میں اور زیادہ فضیلت ہے چنانچہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی مسلمان بردے کو آزاد کرے گا حق تعالیٰ اس کے ہر عضو کے مقابلہ میں مالک کے ہر عضو کو جہنم سے آزاد کرے گا (بخاری و مسلم) اور فرمایا کہ جو کوئی کسی مسلمان غلام کو آزادی بخشے گا حق تعالیٰ قیامت کے دن آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو آزاد ہونے والے غلام کے ہر عضو کے بدلے دوزخ سے آزاد کرے گا۔

امام زین العابدینؓ کا نہایت بیش قیمت بردہ آزاد کرنا

جب سعید بن مرجانہ نے یہ حدیث علی بن حسین معروف با امام زین العابدینؓ سے بیان کی تو انہوں نے اپنے ایک ایسے غلام کو آزاد کر دیا جو نہایت شائستہ اور باادب تھا اور جس کے معاوضہ میں حضرت عبداللہ بن جعفرؓ انہیں ہزار دینار دیتے تھے (بخاری)

اور حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (ناموری کے لیے نہیں بلکہ) اس غرض سے مسجد بنوائے کہ اس میں لوگ اللہ کی عبادت کریں تو حق تعالیٰ اس کے لیے جنت میں محل بنائے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان بردے کو آزاد کرے وہ اس کے لیے آتش جہنم سے نجات کا ذریعہ بن جائے گا اور جو کوئی فی سبیل اللہ (نیکی کے کاموں میں) بوڑھا ہو جائے اس کے لیے وہی بڑھاپا قیامت کے دن نور کا باعث ہوگا (مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنہ)۔

اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو خطاءً قتل کر دے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور اگر غلام میسر نہ ہو تو پے در پے دو مہینوں کے روزے رکھے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کرے۔ اور اگر وہ خون بہا کے مطالبہ سے دست بردار ہو جائیں تو انہیں اختیار ہے۔

لونڈی کو آزاد کر کے اپنے حبالۂ نکاح میں لانا

اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس سے عقد نکاح کرنے اور آزاد بیوی کے رتبہ تک پہنچانے میں بھی بڑا ثواب آخرت ہے۔ کیونکہ اس سے لونڈی کی عزت بڑھتی ہے اور اس کی حیثیت آقا کے برابر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے اسے دوہرا اجر ملے گا۔ چنانچہ خود آپ نے حضرت صفیہؓ کو قید سے آزاد کر کے انہیں شرفِ زوجیت بخشا تھا (ابو داؤد) اور فرمایا جس کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اس کی اچھی طرح تعلیم و تربیت کرے اور ادب و تہذیب سکھا کر آزاد کر دے، پھر اس سے شادی کرے تو اس کے لیے دو اجر ہیں (دوگونہ ثواب ہے) (ابن ماجہ)۔

اور فرمایا تین آدمی دوچند ثواب حاصل کریں گے۔ ایک وہ جو اہل کتاب تھا، اپنے پیغمبر پر بھی ایمان لایا اور مجھ پر بھی۔ دوسرا وہ غلام جس نے حق تعالیٰ کے احکام بھی پورے کیے اور آقا کا حق بھی ادا کیا۔ تیسرا وہ جس کے پاس کوئی مسلمان کنیز تھی، اسے ادب سکھایا اور اس کی تعلیم و تربیت میں بڑی کوشش کی۔ پھر جب وہ تعلیم یافتہ اور سلیقہ شعار ہو گئی تو اسے آزاد کر کے اپنا ہم نشین بنا لیا (ابن کثیر)۔

عبداللہ بن رواحہؓ سے شفیق عالمؐ کی آزردگی

لوگ بسا اوقات ادنیٰ ادنیٰ خطاؤں پر اپنی پیاری بیوی کو بھی زد و کوب کر بیٹھتے ہیں اور یہ چیز بعض گھرانوں میں عام ہے۔ اور مرد اس اقدام پر قابلِ ملامت نہیں سمجھے جاتے لیکن دُنیا کے شفیق اعظم جناب احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کنیزوں کے حق میں بھی یہ گوارا نہ فرماتے تھے کہ ان پر کسی حالت میں بھی ہاتھ اُٹھایا جائے۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن رواحہ صحابیؓ نے غصہ کی حالت میں اپنی سیاہ فام لونڈی کو طمانچہ مار دیا۔ لیکن بعد کو انھیں اس فعل پر ندامت ہوئی اور اس کی تلافی کا قصد کیا۔ جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا کہ انہوں نے کنیز پر ہاتھ اُٹھایا ہے تو جناب عبداللہؓ سے ناراض ہو گئے۔

ابن رواحہ کا کالی کلوٹی لونڈی کو نکاح میں لانا

عبداللہ بن رواحہؓ کو حضرت خیر فرمایان صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی کی اس کے سوا کوئی تدبیر نہ سوجھی کہ اس سیاہ فام لونڈی سے نکاح کرلیں چنانچہ آستانہ نبوت پر حاضر ہوئے اور معذرت کرتے ہوئے عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! میں اس طمانچے کی تلافی کر دیتا ہوں چنانچہ وعدہ کیا کہ میں آزاد کر کے اس سے نکاح کرلوں گا۔ چنانچہ انھوں نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ یہ لونڈی گو رنگین مسلمان تھی۔ بعض نادان لوگ حضرت عبداللہ کو ملامت کرنے لگے کہ اگر شادی ہی کرنی تھی تو بدصورت لونڈی کے بجائے فلاں عورت سے کی ہوتی جو غیر مسلمہ تو ہے لیکن نہایت صاحب جمال ہے"۔

اس وقت تک مسلمان غیر مسلمہ عورت سے نکاح کر سکتے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ (۲: ۲۲۱) یعنی خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھیرانے والی عورتوں کے ساتھ اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ مسلمان عورت خواہ لونڈی کیوں نہ ہو آزاد مشرکہ سے بہتر ہے خواہ مشرکہ تمہیں مرغوب خاطر ہی کیوں نہ ہو (ابن کثیر)۔

مومن متقی کی قدر و منزلت

یاد رہے کہ خدائے قدوس کے نزدیک غیر مسلم کے مقابلہ میں مومن متقی کی بڑی قدر و منزلت ہے کیونکہ غیر مسلم خدا کے آسمانی قانون کو ٹھکراتا ہے۔ رب جلیل نے دنیا کی رہنمائی کے لیے نائب السلطنت کی حیثیت سے جو رسولؐ بھیجا وہ اس کو خدا کا فرستادہ ہی تسلیم نہیں کرتا بخلاف مومن کے کہ وہ وفادار اور اطاعت شعار ہے۔ ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے اور خدا کی روحانی سلطنت کے باغیوں سے مقابلہ کرتا ہے اس فرق مراتب کو دنیوی حکومتوں کے طرز عمل پر ہی قیاس کرلو۔ حکومتیں اپنے متوسلین کو بڑے بڑے عہدے اور جاگیریں عطا کرتی اور ہر ممکن ذریعہ سے نوازتی ہیں لیکن باغیوں اور مخالفوں کو قید و محن میں ڈال کر شکنجہ عذاب میں کستی ہیں۔

مکاتبت کی ترغیب

حضرت سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کو نعمت آزادی سے سرفراز کرنے کے سلسلہ میں جو مختلف النوع تحریکیں جاری فرمائیں ان میں سے ایک نہایت اہم فرمان یہ تھا کہ جب بھی کوئی مملوک حصول آزادی کی خواہش میں مُکاتب بننا چاہے، اُس کی اِس خواہش کا احترام کرو اور مالداروں کو حکم دیا کہ وہ حصولِ آزادی کی کوشش میں مملوکوں کی دل کھول کر مدد کریں۔ خود خدائے قدوس اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتَابَ مِمَّا	تمہارے مملوکوں میں سے (غلام ہوں یا
مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ	کنیزیں) جو مکاتب ہونے کے خواہشمند ہوں
اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ	ان کو مکاتب بنا دیا کرو بشرطیکہ ان میں بہتری
مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ۔	کے آثار پائے جائیں۔ اور خدا کے عطا کردہ
(۲۴ : ۳۳)	زر و مال میں سے ان کی بھی امداد کرو۔

جب کسی کا مملوک اپنے آقا سے کہے کہ مجھے آزاد کر دو۔ اس آزادی کے عوض میں اتنا روپیہ اتنی مدت کے اندر ادا کر دوں گا تو مالک کو حکم ہے کہ اگر وہ اس مملوک میں صلاحیت کے آثار مشاہدہ کرے اور اطمینان ہو جائے کہ وہ آزاد ہو کر چوری یا بدکاری نہ کرے گا اور کسب حلال سے اپنا پیٹ پال سکے گا تو وہ اس درخواست کو منظور کرے اور غلام کو حریت بخشی کا ایک اقرار نامہ لکھ دے۔ اس تحریر کو کتابت کہتے ہیں اور جو غلام اس مضمون کا معاہدہ لکھواتا ہے وہ مُکاتب کہلاتا ہے۔ سرمایہ داروں کو یہ حکم ہے کہ وہ مُکاتبوں کی امداد کریں خواہ زکوٰۃ کے مال سے دیں یا صدقہ خیرات کے مال سے عون و نصرت کریں تاکہ وہ جلد آزاد ہو سکے۔

حُرّیت نوازی کا عملی پہلو

حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو لونڈی غلاموں کی آزادی سے جو شغف تھا وہ دقیقہ کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔

جن ایام میں لشکرِ اسلام نے طائف کا محاصرہ کر رکھا تھا اہلِ طائف کے چند غلام طائف سے

نکل کر سرورِ کائنات صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے آپ کو اسلام کے دامن سعادت سے وابستہ کر دیا۔ آپ نے سب کو آزاد کر دیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد جب اہلِ طائف بھی مسلمان ہو گئے تو انہوں نے ان غلاموں کے متعلق سرورِ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گفتگو کی۔ آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو خدا نے آزاد کیا ہے اب ان کو دوبارہ کون غلام بنا سکتا ہے؟ (سیرت ابن ہشام)

ایک لونڈی پر شفیقِ عالم کی شفقت

سلامہ بنت معقل کا بیان ہے کہ عہدِ جاہلیت میں میرا چچا مجھ کو مدینہ لایا اور حباب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا۔ میں حباب کے گھر میں لونڈی کی حیثیت سے رہی۔ میرے بطن سے حباب کا لڑکا عبدالرحمٰن پیدا ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد حباب مر گیا۔ اس کی بیوی کہنے لگی کہ حباب قرض چھوڑ گیا ہے اور ہمارا ارادہ ہے کہ تمہیں اس کے قرضہ میں فروخت کر دیں۔" یہ سن کر میں بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئی اور گزارش کی یا رسول اللہ! میں فلاں عورت ہوں۔ میرا چچا جاہلیت کے زمانہ میں مجھے مدینہ لا کر حباب بن عمرو کے ہاتھ بیچ گیا تھا۔ میرے بطن سے حباب کا ایک لڑکا بھی پیدا ہوا جس کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ اب حباب کی بیوی کہتی ہے کہ تو حباب کے قرضہ میں بیچی جائے گی"۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ حباب کا جانشین کون ہے؟ لوگوں نے کہا اس کا بھائی اَبُو الیُسر بن عمرو۔ آپ نے انہیں بلا بھیجا اور فرمایا کہ تم سلامہ کو آزاد کر دو اور جب کبھی سنو کہ اسیرانِ جنگ آئے ہیں تو میرے پاس آنا میں تمہیں اس کا معاوضہ دوں گا۔" اس ارشاد کے موجب انہوں نے سلامہ کو آزاد کر دیا۔ پھر جب آپ کے پاس قیدی آئے تو آپ صلعم نے ان کو ایک غلام دے دیا۔ (ابوداؤد)

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے سلامہ کے عوض میں اپنی طرف سے ایک غلام عطا فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں یہی معمول ہو گا لیکن بعد میں آپ نے حکم دیا کہ جب لونڈی کے بطن سے آقا کی کوئی اولاد ہو تو آقا کی وفات کے بعد لونڈی آزاد ہو جائے گی۔ (مشکوٰۃ بحوالہ دارمی)۔

فصل ۶۔ اپنے مملوکوں پر سید الثقلین کی نوازشیں

جو جو لونڈی غلام حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں آتے تھے، آپ انہیں نعمتِ آزادی سے سرفراز فرماتے جاتے تھے۔ مدت العمر میں چھ لونڈیاں اور گیارہ غلام آپ کے حیطۂ تصرف میں آئے لیکن آپ ان کو برابر آزاد کرتے رہے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جسے آپ نے نعمتِ حریت سے مشرف نہ فرمایا ہو۔ لونڈیوں کے نام یہ تھے: اُم ایمن، ہند، اسماء، خُضرہ، رضوی، میمونہ بنت سعد۔ غلام ان ناموں سے موسوم تھے: زید بن حارثہ، سفینہ، ثوبان، رباح، یسار، اسلم، فضالہ، ابو مُوَیہبہ، مدعم، کرکرہ۔ اسلم جن کی کنیت ابورافع تھی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں آپ کی نذر کیا تو آپ نے انہیں آزاد کر دیا۔

لونڈی غلاموں کو آزادی بخشنے کے پیہم فضائل بیان کرنا اور ہر اس مملوک کو جو آپ کے ہاتھ میں آتا آزاد کرنا اس بات کی تعلیم اور عملی تفسیر تھی کہ مومن کا شعار حریت پسندی ہے اور یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ اس مفلوک الحال طبقہ کے سُود و بہبُود کو ہمیشہ اپنے ہی اغراض و مفاد پر قربان کیے رکھے۔

حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا کا احترام

حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا ایک لونڈی تھیں جن کا نام برکت تھا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلی اَنّا جنہوں نے آپ کو گودی میں کھلایا تھا، یہی تھیں۔ جب آپ کا سِن مبارک چھ سال کا ہُوا تو آپ کی والدہ محترمہ سیدہ آمنہ نے آپ کو ساتھ لے کر آپ کے جدِّ امجد خواجہ عبدالمطلب کے ننھیال بنو عدی بن نجار سے ملنے کے لیے مدینہ کا سفر کیا۔ لونڈی برکۃ بنت ثعلبہ کو بھی جو اُم ایمن کی کنیت سے مشہور ہیں آپ کی حفاظت و خبر گیری کے لیے ساتھ لے گئیں۔ سیدہ آمنہ نے ایک مہینہ تک قیام فرما کر مکہ معظمہ کو مراجعت کی۔ جب ابواء کے مقام پر جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے پہنچیں تو

یک بیک علیل ہو کر راہ گزین عالم جاودانی ہوئیں۔ اُمّ ایمن ان کو سپرد گور کر کے آپ کو مکہ معظمہ واپس لائیں (ابن سعد)

باوجودیکہ اُمّ ایمن لونڈی تھیں اور حبشن تھیں، آپ انہیں ماں کہہ کر پکارتے اور ہمیشہ اسی طرح احترام فرماتے جس طرح ماؤں کا کیا جاتا ہے اور جب انہیں دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ اب یہی میرے خاندان کی یادگار رہ گئی ہیں (ابن سعد وغیرہ)

رسولِ اکرمؐ اور شیخینؓ کا اُمِّ ایمنؓ سے ملنے کو جانا

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تمام مطالبات پورے کیا کرتے تھے اور جس طرح لوگ اپنے بزرگوں سے ملنے جایا کرتے ہیں اسی طرح آپ مدینہ منورہ میں ہمیشہ ان سے ملنے کے لیے ان کے مکان پر تشریف لے جاتے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے بھی جو خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح جانشین اور سچے جان نثار تھے، اپنے عہدِ خلافت میں اس معمول کو برابر جاری رکھا۔

صحیح مسلم میں حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک مرتبہ امیر المومنین ابوبکر صدیق ؓ نے جناب فاروقِ اعظم ؓ سے فرمایا کہ جس طرح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اُمّ ایمنؓ سے ملنے جایا کرتے تھے چلو ہم بھی ہو آئیں۔" انہوں نے کہا ہاں چلیے۔ حضرت انس ؓ بھی ساتھ ہو لیے۔

محترمہ اُمِّ ایمنؓ کا گریہ

جب تینوں حضرات وہاں پہنچے تو حضرت اُمّ ایمن ؓ رونے لگیں حضرت ابوبکرؓ اور جناب عمرؓ کہنے لگے اُمّ ایمن! کیوں روتی ہو؟ کیا یہ معلوم نہیں کہ جو کچھ مالک الملک کے پاس ہے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہی بہتر ہے"؟ کہنے لگیں ہاں میں جانتی ہوں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہی بہتر ہے جو ربِ جلیل کے پاس ہے۔ لیکن میں اس لیے روتی ہوں کہ آسمان سے نزولِ وحی کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اب دونوں حضرات بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حادثۂ وفات کو یاد کر کے رونے

لگے (مشکوٰۃ)

غزوات میں شرکت اُمِ ایمنؓ باوجود پیرانہ سالی کے اکثر غزوات میں شریک رہیں۔ جنگ اُحد میں پیاسوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ جنگِ خیبر میں بھی شریک ہوئیں (ابن سعد)۔ حضرت اُمِ ایمن نے بڑی طویل عمر پائی۔ ان کا انتقال حضرت امیر المومنین عمر فاروقؓ کے حادثۂ شہادت کے بیس روز بعد ہوا تھا۔

زید بن حارثہؓ پر شفقت حضرت زید بن حارثہؓ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام تھے جنہیں آپ نے آزاد کر کے اپنا متبنّٰی بنا لیا تھا۔ ان کا پایۂ فضیلت بہت بلند ہے۔ حضرت زیدؓ کے والد حارثہ بن شراحیل یمن کے ایک معزز قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ صِغر سنی میں ان کی والدہ انہیں ساتھ لے کر اپنے میکے گئیں۔ ایک دن خیمہ کے سامنے کھیل رہے تھے کہ قبیلہ بنو قین کے چند سواروں نے وہاں سے گزرتے وقت اس نونہال کو اُٹھا لیا اور مکہ معظمہ لا کر عکاظ کے بازار میں غلام کی حیثیت سے بٹھایا۔ یہاں حکیم بن حزام نے زید کو اپنی پھوپھی اُمّ المومنین خدیجہؓ کے لیے خرید لیا اور اُمّ المومنینؓ نے رسولِ خدا کو ہبہ کر دیا۔

زیدؓ کے والد کا مکہ معظمہ آنا زیدؓ کے والد حارثہ بن شراحیل کو اپنے لختِ جگر کی گم گشتگی کا بڑا قلق تھا۔ ان ایام میں عرب کے غیر مسلم بھی کعبۃ اللہ کا حج کیا کرتے تھے۔ ایک سال قبیلہ بنو کلب کے چند آدمی حجِ بیت اللہ کے لیے مکہ آئے تو انہوں نے معاً اس یوسفِ گم گشتہ کو پہچان لیا اور واپس جا کر حارثہ کو اس کی اطلاع دی۔ حارثہ اسی وقت اپنے بھائی کعب بن شراحیل اور بیٹے جَبَلہ بن حارثہ کو ساتھ لے کر مکہ معظمہ پہنچے اور اپنے فرزند سے ملے۔

زیدؓ کے بھیجنے پر آنحضرتؐ کی آمادگی اب حارثہ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ معلیٰ میں حاضر ہو کر بصد منت و

لجاجت عرض کرنے لگے "اے ابن عبدالمطلب! میں ایک مصیبت زدہ شخص ہوں۔ اس غرض سے حاضر خدمت ہوا ہوں کہ میرے نورالعین کو آزاد کر کے مجھے رہین منت بناؤ جس قدر چاہو فدیہ لے لو۔ ہم بیش قرار معاوضہ دینے کو تیار ہیں"۔ ارشاد ہوا وہ نورالعین کون ہے"؟ عرض کیا ہمارے زید بن حارثہ۔ آپ نے فرمایا اگر زید تمہارے ساتھ جانا پسند کرے تو شوق سے لے جاؤ، میں معاوضہ لیے بغیر تمہارے ساتھ بھیجنے کو تیار ہوں۔ یہ سُن کر حارثہ اور ان کا بھائی بہت خوش ہوئے اور آپ کی دریا دلی اور کریم النفسی کا شکریہ ادا کرنے لگے۔

باپ کے ساتھ جانے سے انکار

آپ نے زید کو بلا بھیجا اور ان سے پوچھا کیا تم ان لوگوں کو پہچانتے ہو؟ عرض کی ہاں یہ میرے والد، چچا اور بھائی ہیں"۔ فرمایا یہ تمہیں لینے آئے ہیں۔ اگر تم ان کے ساتھ جانا چاہو تو شوق سے جا سکتے ہو"۔ زید نے کہا حضور! آپ ہی میرے ماں باپ ہیں۔ آپ کو چھوڑ کر میں کہیں نہیں جا سکتا"۔ یہ سن کر ان کے والد اور چچا محوِ حیرت رہ گئے اور تعجب سے بولے زید! افسوس تم آزادی، باپ، چچا، بھائی اور خاندان پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو"؟ حضرت زیدؓ بولے واقعی میں اس آستانہ رحمتؐ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا"۔ باپ نے پوچھا آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ کہا وجہ یہ ہے کہ دنیا کے کوئی والدین اپنی اولاد کے حق میں اتنے رحیم و شفیق نہیں ہوتے جس قدر یہ مجھ پر مہربان ہیں"۔

زیدؓ کو بیٹا بنانا

آپ زیدؓ کی اس پُرخلوص شیفتگی اور عقیدت پر بہت محظوظ ہوئے اور ان کو خانۂ کعبہ میں مقام حجر کے پاس لے جا کر اعلان فرمایا کہ آج سے زید میرا فرزند ہے"۔ اس اعلان سے ان کے باپ اور چچا کے افسردہ دل شگفتہ پھول کی طرح کھل گئے اور چند روز کے بعد اپنے لختِ جگر کو ایک شفیق باپ کے آغوشِ عاطفت میں خوش و خرم چھوڑ کر وطن واپس گئے۔ (ابن سعد)

مجلس نبویؐ سے مفارقت کی ناگواری

جن ایام میں حضرت زیدؓ کے والد اور بھائی

ہنوز مکہ معظمہ ہی میں تھے اور حضرت زیدؓ نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا ایک دن ان کے بڑے بھائی جَبلہ بن حارثہ نے حضرت ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی حضرت والا! ذرا زید کو تھوڑی دیر کے لیے (بغرض سیر و تفریح) میرے ساتھ بھیج دیجیے۔ حضورؐ نے فرمایا یہ زید بیٹھا ہے۔ اگر یہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو میں بخوشی اجازت دیتا ہوں"۔ زید کہنے لگے نہیں حضرت! میں حضورؐ کی خدمت و آستانہ بوسی پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ (ترمذی)

جس روز سے آپ نے زیدؓ کے متبنّیٰ بنانے کا اعلان فرمایا اس دن سے حضرت زیدؓ آنجناب کے انتساب کے ساتھ زید بن محمدؐ کے نام سے زبان زد خاص و عام ہوئے۔ یہاں تک کہ جب اس کے بعد آپ منصب نبوت پر فائز ہوئے اور قرآن پاک نے صرف اپنے نسبی آباء کے ساتھ انتساب کی تاکید فرمائی تو پھر حسب سابق اپنے باپ کی نسبت کے ساتھ زید بن حارثہ مشہور ہوئے (ابن سعد)

اُمّ ایمنؓ سے نکاح

جب جوان ہوئے تو حضرت اُمّ ایمنؓ سے ان کا نکاح کر دیا۔ حضرت اُمّ ایمنؓ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آیا اور کنیز تھیں۔ آپ ان کو نہایت محبوب رکھتے تھے اور اماں کہہ کر مخاطب فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کو اُمّ ایمن سے نکاح کرنا چاہیئے حضرت زیدؓ خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ باوجودیکہ اُمّ ایمنؓ عمر میں زیدؓ سے بہت بڑی تھیں، آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سن کر انہیں مناکحت کا اشتیاق پیدا ہوا چنانچہ ان سے نکاح کر لیا۔ حضرت اُسامہؓ انہی کے بطن سے مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے (ابن سعد)

زینبؓ بنت جحش سے عقدِ مناکحت

باوجودیکہ اہل عرب حصولِ آزادی کے بعد بھی غلاموں کو حقیر سمجھتے تھے تاہم آپ نے اس کے

بعد حضرت زیدؓ کی شادی اپنی حقیقی پھوپھی کی بیٹی حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ کرادی لیکن جب محترمہ زینبؓ سے کسی طرح نباہ نہ ہوسکا اور طلاق تک نوبت پہنچی تو آپ نے اپنی پھوپھی بیضا بنت عبد المطلب کی نواسی اُمّ کلثومؓ کو حضرت زیدؓ کے حبالۂ تزویج میں دے دیا۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے:

یہ اُمّ کلثومؓ عدوِ رسولؐ عقبہ بن ابی مُعیط کی بیٹی تھیں۔ یہ وہی عُقبہ ہے جس نے ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوشِ مبارک پر حالتِ سجدہ میں اُونٹ کی نجس اوجھ لاکر رکھ دی تھی۔ عقبہ آپ کی پھوپھی زاد بہن اروی بنت کریز کا شوہر اور امیر المومنین حضرت عثمان ذُو النورین رضؓ کا سوتیلا باپ تھا (اصابہ)۔ یہ شخص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت خطرناک دشمن تھا (اصابہ) جنگ بدر کے بعد حضرت علیؓ کی خنجر خونخوار کا لقمہ بن کر کیفر کردار کو پہنچا۔

محترمہ اُمّ کلثومؓ کی ہجرت

اس کی ہلاکت کے بعد اس کی بیٹی اُمّ کلثوم ابھی ناکتخدا ہی تھیں کہ جذبۂ عشقِ ایمان نے کشش کی اور اپنے غیر مسلم بھائیوں کی بے خبری میں مکہ معظمہ سے بقصدِ ہجرت تن تنہا مدینہ منورہ کو چل کھڑی ہوئیں۔ راستہ میں قبیلہ خزاعہ کے چند نیک نفس افراد مل گئے انہی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچیں اور اپنے سوتیلے بھائی حضرت عثمان ذو النورین رضؓ کے مکان پر فروکش ہوکر نعمتِ ایمان سے بہرہ اندوز ہوئیں۔ جب عُقبہ بن ابی مُعیط کے دونوں بیٹوں ولید اور عُمارہ کو اس کی خبر ہوئی تو وہ بہن کو واپس لانے کے لیے مدینہ طیبہ پہنچے۔

اُمّ کلثومؓ کے واپس بھیجنے سے انکار

جناب اُمّ کلثومؓ کاشانۂ نبوت میں حاضر ہوکر عرض پیرا ہوئیں یا رسول اللہ! میرے دونوں بھائی مجھے واپس لے جانے کے لیے آئے ہیں مگر میں جانا نہیں چاہتی کیونکہ میرا مکہ واپس کیا جانا اس بات کا مستلزم ہے کہ مجھے (ایمان لانے کے بعد) از سرِ نو کفر میں دھکیل دیا جائے۔ اتنے میں ولید اور عمارہ بھی بارگاہ نبوتؐ میں آحاضر ہوئے اور درخواست کرنے لگے کہ ہماری

بہن ہمیں واپس دلائی جائے"۔ آپ نے فرمایا تمہاری بہن نے ہجرت کی ہے اور مسلمان ہو چکی ہے اس لیے تمہارے حوالے نہیں کی جا سکتی" وہ ناکام مکہ معظمہ واپس چلے آئے۔ آپ نے ام کلثوم رض کا عقد حضرت زید بن حارثہ رض سے کر دیا اور جب زید رض جنگ موتہ میں شہید ہو گئے تو حضرت زبیر بن عوام رض نے ان سے نکاح کر لیا۔

پسران عقبہ کی سعادت اندوزئ ایمان

عقبہ بن ابی معیط کے دونوں بیٹے ولید اور عمارہ فتح مکہ کے ایام میں بلا تحریک برضا و رغبت خود مسلمان ہوئے تھے۔ حضرت امیر المومنین عثمان ذو النورین رض نے ولید کو اپنے ایام خلافت میں کوفہ کی گورنری پر مامور فرمایا تھا (اصابہ) یاد رہے کہ امیر المومنین عثمان رض ولید، عمارہ اور ام کلثوم رض چاروں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی (ادہن اروی بنت کریز کے بیٹے تھے۔ اروی کی والدہ بیضاء بنت عبد المطلب بن ہاشم تھیں۔ حضرت عثمان ذو النورین رض کی نانی بیضاء بنت عبد المطلب بن ہاشم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبد اللہ توام پیدا ہوئے تھے (تاریخ الخلفاء وغیرہ)۔

زید رض کو قریش کا ہمسر بنانا

حضرت زید رض آنحضرت کی عم زاد بہن درہ بنت ابولہب اور حضرت زبیر رض کی ہمشیر ہند بنت عوام کو بھی عقد تزویج میں لائے تھے۔ یہ نکاح اس بات کا عملی ثبوت ہیں کہ آپ نے کس طرح زید رض کو اپنے خاندان قریش کا ہمسر بنایا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ آغاز نبوت میں جب آپ کے عم محترم حضرت حمزہ رض خلعت اسلام سے سرفراز ہوئے تو آپ نے حضرت زید رض سے ان کا بھائی چارہ کرا دیا تھا۔ انجام کار ان دونوں میں اس قدر محبت ہو گئی کہ حضرت حمزہ رض جب کبھی کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو انہی کو اپنا وصی بنا کر جاتے تھے (ابن سعد)

زید رض کے خیر مقدم میں غیر معمولی گرمجوشی

حضرت سید انام صلی اللہ علیہ وسلم کو جناب زید رض کے حال پر کس درجہ شفقت تھی اس کا

اندازہ اُمّ المومنین عائشہؓ کے اس بیان سے بھی ہو سکتا ہے کہ "پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما تھے کہ ایک مرتبہ زید بن حارثہؓ (سفر سے واپس) مدینہ آئے اور ہمارے دروازے پر دستک دی۔ آپ آواز سن کر زید کی ملاقات کے لیے اس عجلت سے اُٹھے کہ جلدی میں ردائے مبارک بھی گر پڑی۔ آپ چادر کو گھسیٹتے ہوئے ننگے بدن دروازے سے باہر نکلے اور ان کو گلے لگا کر بوسہ دیا۔ اُمّ المومنینؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اس سے پیشتر یا اس کے بعد آپ کے جسدِ اطہر کو اتنا عریاں کبھی نہیں دیکھا (ترمذی)۔

اسلام میں حضرت زیدؓ کی ایک خصوصیت اور فضیلت یہ ہے کہ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ و اہل بیت (رضوان اللہ علیہم اجمعین) میں سے کسی بزرگ کا نام حضرت زیدؓ کے اسم گرامی کے سوا قرآن پاک میں مذکور نہیں۔

حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ پر نوازشیں

حضرت زیدؓ بن حارثہؓ نے ۸ھ میں بمقام مُوتہ جو ملک شام میں واقع ہے جامِ شہادت نوش فرمایا تھا۔ جناب زیدؓ کے واقعۂ شہادت کے بعد حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فرزند حضرت اُسامہؓ کو اپنا متبنّیٰ بنا لیا اور ان سے بھی زیادہ ان کے حال پر شفقتیں مبذول فرمائیں۔ سیدۂ جنت حضرت فاطمہ زہراؓ کے جگر گوشوں (حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ) کے مقابلہ میں آپ کو اور کون عزیز ہو سکتا تھا؛ لیکن حضرت اُسامہؓ پر رحم و شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپ ایک ران پر حسنؓ بن علیؓ کو اور دوسری ران مبارک پر جناب اُسامہؓ کو بٹھا لیتے تھے۔ پھر دونوں بچوں کو ملا دیتے اور فرماتے الٰہی! ان دونوں پر مہربانی فرما کیونکہ مجھے ان دونوں سے محبت ہے (بخاری)۔

اپنے دستِ مبارک سے اُسامہؓ کا خون صاف کرنا

ایک مرتبہ اُسامہؓ بچپن میں چوکھٹ پر گر پڑے اور پیشانی پر زخم آگیا۔ آپ نے اُمّ المومنین عائشہؓ سے فرمایا کہ اس کا خون صاف کر دو۔ وہ تعمیل ارشاد کے لیے اُٹھیں

مگر جب آپ نے دیکھا کہ انہیں خون صاف کرنے میں کراہت معلوم ہوتی ہے تو بذاتِ خود اُٹھ کھڑے ہوئے اور صاف کرکے آپ دہن لگایا (ابن سعد)

فتح مکہ کے دن جب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں داخل ہوئے تو حضرت اُسامہؓ بھی آپ کے ساتھ سوار تھے اور حضرت بلالؓ اور عثمان بن طلحہؓ جلوس میں تھے (بخاری)

حضرت علیؓ سے بھی زیادہ محبوب

حضرت عباسؓ عم رسول اور امیر المومنین علیؓ زوجِ بتولؓ کا رتبہ اسلام میں کچھ کم نہیں ہے یہ حضرت علیؓ کے جو فضائل احادیث میں مروی ہیں ان سے پتہ چل سکتا ہے کہ جناب حیدرِ کرارؓ کی کیسی بلند شان تھی لیکن آپ حضرت اسامہؓ کو جناب علی مرتضیٰؓ سے بھی زیادہ چاہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کاشانۂ نبوت پر حاضر ہوئے اور دریافت کیا یارسولؐ اللہ! آپ کو اپنے اہل بیت میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا فاطمہؓ کہنے لگے ہم نے عورتوں کی نسبت سوال نہیں کیا۔ فرمایا مجھے مردوں میں سب سے زیادہ عزیز وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام و احسان کیا اور وہ اسامہ بن زیدؓ ہیں۔ کہنے لگے کہ آپ اُسامہؓ کے بعد سب سے زیادہ کس کو چاہتے ہیں؟ فرمایا علیؓ کو۔ حضرت عباسؓ نے گزارش کی یارسول اللہ! آپ نے اپنے چچا کو بھتیجے سے مؤخر کر دیا؟ فرمایا چچا جان! علیؓ آپ سے ہجرت میں سبقت لے گئے تھے (ترمذی)

فاطمہ بنت قیسؓ اُسامہؓ کی زوجیت میں

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ ایک نہایت حسین صحابیہ تھیں اور ان کی بڑی عزیز تمنا تھی کہ انہیں ازواجِ مطہرات کے زمرہ میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہو وہ مدت تک منتظر رہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام نہ پہنچا۔ آخر فاطمہؓ نے آنحضرتؐ کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کی غرض سے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ، حضرت معاویہ بن ابو سفیانؓ اور حضرت ابو جہم کے پیغاموں کے بارہ میں آپ سے مشورہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اُسامہ بن زیدؓ دوسرے دونوں سے بہتر ہیں، ان سے

نکاح کر لو"۔ چونکہ جناب فاطمہؓ کی یہ عزیز ترین خواہش تھی کہ حضور سرورِ دو جہاںؐ انہیں اپنے شرفِ ازدواج سے مشرف فرمائیں، انہیں حضرت اسامہؓ سے نکاح کرنے میں تامل ہوا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اسی میں تمہاری سعادت اور بھلائی ہے"۔ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے فوراً تعمیل ارشاد کی۔ فاطمہؓ کہتی ہیں کہ اس نکاح کی بدولت میری اس درجہ قدر و منزلت بڑھی کہ میں اقران و اماثل میں قابلِ رشک بن گئی (مسلم)

اُسامہؓ کا بیش قرار سالانہ وظیفہ

خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہؓ کے دلوں میں حضرت اسامہؓ کی جو قدر و منزلت تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب امیر المومنین عمرؓ کے عہدِ خلافت میں فتوحات کی کثرت اور اموالِ غنیمت کی فراوانی ہوئی اور بیت المال میں مال و زر کے انبار لگ گئے تو حضرت فاروقِ اعظمؓ نے اُمّہات المومنینؓ، اہلِ بیتؓ، مہاجرین و انصارؓ اور ان کی اولادوں کے بیش قرار سالانہ وظیفے مقرر کر دیے۔ اس سلسلہ میں حضرت اُسامہؓ کا سالانہ وظیفہ ساڑھے تین ہزار درہم اور اپنے جلیل القدر فرزند جناب عبداللہ بن عمرؓ کا تین ہزار درہم مقرر فرمایا۔ حضرت عبداللہ عرض پیرا ہوئے، امیر المومنین! آپ نے اُسامہؓ کو مجھ پر کس وجہ سے فوقیت دی؟ وہ تو کسی غزوہ میں مجھ سے سبقت نہ لے جا سکے، اور آپ بھی ان کے والد زیدؓ سے کسی اسلامی خدمت میں کم نہیں رہے۔ حضرت خلافت مآبؓ نے فرمایا یہ سچ ہے لیکن وجہ ترجیح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہؓ کو تم سے اور ان کے والد زید رضی اللہ عنہ کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے (ترمذی و مستدرک حاکم)

اُسامہؓ بحیثیتِ قائدِ لشکر

حضرت شہنشاہِ کونین علیہ التحیۃ والسلام نے حضرت اُسامہؓ کو جس آسمانِ عظمت پر جگہ دی اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے حضرت اسامہؓ کو ایک لشکر کا امیر مقرر فرما کر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کو ان کے ماتحت روانہ فرمایا تھا، جیسا کہ پہلے

لکھا جا چکا ہے۔

حضرت ثوبانؓ کا عشقِ رسولؐ

حضرت ثوبانؓ مکہ معظمہ میں کسی کے غلام تھے۔ آپ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا اور فرمایا کہ جی چاہے تو وطن چلے جاؤ اور جی چاہے تو میرے ساتھ رہو۔ میرے ساتھ رہو گے تو میرے اہل بیت میں شمار ہو گا۔" رسولِ پاکؐ کی خدمت گزاری اور اہل بیت نبویؐ کے زمرہ میں شمار ہونے کا فخر بھلا اپنی قوم اور وطن میں کہاں نصیب ہو سکتا تھا۔ حضرت ثوبانؓ نے اس سعادتِ دارین پر وطن اور قوم کو قربان کر دیا اور اپنے آقائے نامدار کی خدمت میں رہنے لگے اور تادمِ العمر خلوت و جلوت میں آپؐ کے ساتھ رہے (مستدرک حاکم)

عشقِ رسولؐ دیوانگی کے درجہ میں

حضرت ثوبانؓ کو آپؐ سے جو عشق تھا وہ دیوانگی کے درجہ پر پہنچا ہوا تھا۔ انہیں حضور کا جمال مبارک دیکھے بغیر ایک ساعت قرار نہ تھا۔ ایک دن فخر بنی آدم علیہ السلام نے انہیں نہایت نحیف اور لاغر پاکر فرمایا "ثوبان! تمہارا کیا حال ہے؟ چہرہ اتنا متغیر کیوں ہو گیا ہے کہ پہچانے نہیں جاتے ہو؟ کیا کوئی تکلیف یا بیماری تو نہیں"؟

ثوبانؓ نے التماس کی یا رسولؐ اللہ! مجھے نہ کوئی درد ہے اور نہ بیماری، بلکہ حقیقتِ نفس الامر یہ ہے کہ جب حضورؐ کے جمالِ تاباں کو دیکھتا ہوں تو یہ خیال مجھ پر افسردگی طاری کر دیتا ہے کہ میں دنیا میں تو آپؐ کے جمال مبارک سے آنکھوں کو روشن کر رہا ہوں لیکن دارِ آخرت میں جب آپ دوسرے پیغمبروں کے ساتھ خلد بریں کے کسی بلند ترین مقام میں سکونت پذیر ہوں گے آپ کا شرفِ دید کس طرح حاصل کر سکوں گا۔ میں ہر وقت اس غم میں گھلتا رہتا ہوں کہ اگر میں جنت میں داخل ہو جاؤں تو بھی اپنے درجہ سے بلند تر مقام پر پہنچ کر حضورؐ تک میری رسائی کسی طرح ممکن نہ ہو گی"۔

آپؐ نے فرمایا ثوبان! تم مفارقتِ اُخروی کا خیال دل سے نکال دو اور یقین رکھو کہ تم

آخرت میں بھی میرے ساتھ ہی رہو گے۔ چنانچہ آپؐ کے اس ارشاد کی تائید میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (۴ : ۶۸)	جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ (جنت میں) نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین اُن کے ساتھ رہیں گے، جن پر اللہ نے احسان کیا ہے اور یہ لوگ رفاقت و مصاحبت کے لیے کیسے ہی موزون ہیں۔

اس آیت نے جو حضرت ثوبانؓ کی شان میں نازل ہوئی ان کا اضطراب رفع کر دیا اور آپ نے ان سے فرمایا کہ جو کوئی دنیا میں کسی سے محبت رکھتا ہے وہ جنت میں بھی اس کے ساتھ رہے گا (مدارج)

ثوبانؓ کی سخت گیری

حضرت ثوبانؓ اپنے عشقِ رسول کے اقتضاء سے کسی غیر مسلم کی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں سن سکتے تھے جو ان کی نظر میں احترام نبوت کے منافی ہوتا۔ ایک مرتبہ ایک یہودی عالم نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ۔ ثوبانؓ اس گستاخی کو برداشت نہ کر سکے اور اس کو اس زور سے دھکا دیا کہ وہ گرتے گرتے بچا۔ اس نے اس کا سبب پوچھا تو حضرت ثوبانؓ نے کہا تم نے سرورِ دو جہاںؐ کا نام کیوں لیا؟ یا رسول اللہ کہہ کر کیوں خطاب نہ کیا؟ یہودی عالم کہنے لگا اس میں کیا گناہ تھا کہ میں نے ان کا خاندانی نام لیا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واقعی میرا خاندانی نام محمدؐ ہے۔ اور پھر آپ یہودی سے معذرت کرنے لگے کہ انہوں نے آپ پر زیادتی کی ہے۔ اور جب یہودی عالم چلا گیا تو آپؐ نے ثوبانؓ کو سمجھایا کہ ایسی سختی بیجا تھی (مستدرک حاکم)

حضرت سفینہؓ کی شیفتگیٔ رسول

حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی خواجۂ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے جن کو آپؐ نے نعمت

آزادی سے سرفراز فرمایا تھا۔ اور یہ آپؐ کے اخلاقِ کریمانہ کا کرشمہ تھا کہ کوئی غلام حصولِ آزادی کے بعد آپؐ کے ظلِّ عاطفت کی مفارقت گوارا نہیں کرتا تھا۔ حضرت سفینہؓ حصولِ آزادی کے بعد بھی آپ ہی کی خدمت میں رہتے تھے۔ سفینہ عربی میں کشتی کو کہتے ہیں۔ اس لقب سے مشہور ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ کسی سفر میں کے جو جو ہمراہی تھکتے جاتے تھے وہ یکے بعد دیگرے اپنے اسلحہ انہی پر لادتے جاتے تھے۔ اس وجہ سے وہ بڑے گراں بار ہوگئے۔ آپؐ ان کی طرف دیکھ کر متبسم ہوئے اور از راہ خوش طبعی فرمایا کیا تم سفینہ (کشتی) ہو؟ کہ ہر شخص تم ہی پر اپنا اسباب لادتا چلا جاتا ہے"۔

اس دن سے سفینہ ان کا لقب ہوگیا اور وہ اپنے پیارے آقا کے اس لقب کو اس درجہ محبوب رکھتے تھے کہ اس کی وجہ سے اپنے نام کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا صحیح نام یقینی طور پر کسی کو معلوم نہیں۔ اگر کوئی ان سے نام پوچھتا تو کہتے ہرگز نہ بتاؤں گا۔ حضورؐ نے مجھ کو سفینہ کے نام سے موسوم فرمایا تھا، پس میرے لیے یہی نام باعث صد فخر و عزت ہے (اسد الغابہ)

فصل ۷۔ غلامی اور مسیحیّت

قارئین کرام کو گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے بخوبی معلوم ہو چکا ہوگا کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو مملوکوں کی آزادی سے کتنا شغف تھا اور اسلام کس درجہ حریت نوازی کا علم بردار ہے اور اس نے دنیا سے غلامی کی نحوست کو دور کرنے کے لیے کیسی ان تھک کوششیں کی ہیں۔

لیکن اہلِ نظر سے مخفی نہیں کہ مسیحیّت نے مذہبی حیثیت سے غلامی کی برطرفی کے لیے کبھی کوئی قدم نہیں اٹھایا بلکہ جب ریاستہائے متحدہ امریکہ میں انسدادِ غلامی کے مسئلہ پر بحث و تمحیص کا سلسلہ شروع ہوا تو اسقف ہاپکنس نے ایک رسالہ موسومہ بہ "غلامی کے متعلق بائیبل کی رائے" شائع کر کے غلامی کی تائید کی اور رسم غلامی کے جاری رہنے پر زور دیا۔ مؤلف انسائیکلو پیڈیا

برٹانیکا نے خود اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے:

"اعتراض کیا جاتا ہے کہ مسیحی کلیسا نے سوشل جرم قرار دے کر اس پر کوئی تہدید نہ کی اور اس کی برطرفی کی طرف کوئی قدم نہ اٹھایا بلکہ غلامی کا رواج رومن نظام سلطنت کا بنیادی اصول تھا۔ اٹلی میں قانوناً غلاموں کو شادی کرنے کا حق نہیں تھا اور بعض اوقات ان پر بڑے ظلم ڈھائے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر غلام اپنے آقا پر کوئی الزام لگاتا تھا تو وہ زندہ آگ میں جلا دیا جاتا تھا" (برٹانیکا جلد ۲۵، صفحہ ۲۱۷)

فصل ۸۔ برطانوی قلمرو میں مملوکوں کی ارزانی

مغربی ممالک میں ہزارہا سال تک مملوکوں کی مظلومی اور کس مپرسی کا دور دورہ رہا اور ظہورِ اسلام سے پہلے ان کی اشک شوئی کرنے والا دنیا میں کوئی نہ تھا۔ ہر جگہ بردہ فروشی کی منڈیاں تھیں اور اشرف المخلوق انسان برسر بازار مویشیوں کی طرح فروخت ہوتے تھے۔ بالخصوص خطۂ برطانیہ تو غلاموں کا منبع و مخزن مانا جاتا تھا۔ مسٹر ایس پی۔ اسکاٹ لکھتے ہیں:

"آٹھویں صدی عیسوی میں یورپ کا کوئی ملک وحشت و جہالت کی ایسی صحیح تصویر پیش نہیں کر سکتا تھا جیسی کہ برطانیہ نے پیش کر رکھی تھی۔ جس جزیرہ کا نام عہد حاضر میں بنی نوع انسان کے بچے بچے کی زبان پر ہے وہ ان ایام میں عہد قدیم سے بھی زیادہ ایک سربہر لفافے کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ برطانیہ جس کے اصولِ جہانبانی آج کل آزادی سے ہمکنار ہیں وہ ان ایام میں غلاموں کی مشہور منڈی تھی۔ ان دنوں قسطنطنیہ کی مہذب سوسائٹی کے مسیحی علماء میں مشہور تھا کہ برطانیہ وباؤں کی خوفناک سرزمین ہے۔ اس قرن میں مچھیارے جنس دوام کے فرانسیسی قیدیوں کو اپنی کشتیوں میں بٹھا کر سرزمین برطانیہ میں چھوڑ آتے تھے۔ اس خدمت کے عوض میں حکومت فرانس ان کے ٹیکس میں تخفیف کر دیتی تھی۔"

اس کے بعد مسٹر اسکاٹ لکھتے ہیں کہ گال کے عشرت پسند مذہبی مقتدا ان غلاموں کو

بہت پسند کرتے تھے جو برطانیہ سے آتے تھے۔ کیونکہ یہ غلام ارزاں بھی ملتے تھے اور بڑے خدمتگزار بھی ہوتے تھے۔ لیکن یہ مذہبی پیشوا ان غلاموں سے کوئی اچھا سلوک نہیں کرتے تھے۔ ان پادریوں اور راہبوں کے تقدس میں اس وجہ سے کوئی کمی نہیں آتی تھی کہ وہ ان بد قسمت غلاموں پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتے تھے۔ ان حرماں نصیب غلاموں کے یہ منہ بولے والدین انسانیت و شرافت کے اصول کو اپنے ذلیل ترین جذبۂ حرص و آز پر قربان کر دیتے تھے۔ (ہسٹری اوف دی مورش ایمپائر ان یورپ مرتبہ سکاٹ، مطبوعہ لندن جلد اوّل، صفحہ ۳۲۵)

فصل ۹۔ مغربی ممالک اور ہندوستان میں غلاموں کی تجارت

اوائل میں یورپی ممالک کے اندر خود یورپی غلاموں کی خرید و فروخت ہوا کرتی تھی لیکن پندرھویں صدی عیسوی کے وسط میں اہل یورپ کو غلاموں کا ایک نیا مخزن (افریقہ) ہاتھ آگیا۔ سنہ ۱۴۴۲ء میں اہل پرتگال بہت سے جہاز لے کر ساحل افریقہ پر پہنچے اور وہاں سے حبشی غلاموں کو پکڑ کر اسپین اور پرتگال لے گئے۔ سنہ ۱۵۰۲ء میں نکولس ڈی اووینڈو کو ہیٹی (واقع امریکہ) کا گورنر بنا کر بھیجا گیا اور اس کو اختیار دیا گیا کہ حبشی غلاموں کو جو سیویل اور اسپین کے دوسرے حصوں میں پیدا ہوئے اور عیسائی بنا لیے گئے تھے ہیٹی لے جائے۔

سنہ ۱۵۱۷ء میں پادری بارتولومیو ڈی لاس کساس نے شاہ چارلس والی ہسپانیہ کو مشورہ دیا کہ ہر ہسپانوی شخص کو جو ہیٹی میں سکونت پذیر ہے ایک ایک درجن حبشی غلام درآمد کرنے کا لائسنس عطا کرے۔ اس کا مشورہ قبول کر لیا گیا۔ اس کے بعد شاہ چارلس فرمانروائے اسپین نے اپنے ایک مقرب کو ہیٹی، کیوبا، جیمیکا اور پورٹوریکو میں جو ہسپانوی نوآبادیاں تھیں، ہر سال چار ہزار حبشی غلام بھیجنے کا پروانہ دے دیا۔ اس شخص نے یہ پروانہ جنیوا کے چند سوداگروں کے ہاتھ پچیس ہزار اشرفی کے عوض میں فروخت کر دیا۔ یہ سوداگر حبشی غلام پرتگال سے خرید خرید کر امریکہ کے ان ممالک میں بھیجتے رہے۔

سب سے پہلا انگریز جس نے حبشی غلاموں کی تجارت شروع کی، سر جون ہاکنس تھا۔ غلاموں کے انگریز تاجر اوائل میں صرف ہسپانوی آبادکاروں کو غلام مہیا کرتے تھے۔ سنہ ۱۶۲۰ء میں ہالینڈ والوں کا جہاز ورجینیا کی بندرگاہ جیمس ٹاؤن میں آیا اور کچھ حبشی غلام وہاں بیچ گیا۔ برطانوی امریکہ میں حبشی غلاموں کی تجارت کے سلسلہ کی یہ پہلی کڑی تھی۔ اس کے بعد اور حبشی بھی مسلسل آتے رہے۔ سنہ ۱۷۹۰ء میں ورجینیا کے علاقہ میں حبشی غلاموں کی تعداد دو لاکھ تک پہنچ گئی۔ انگلستان کی افریقی تجارت کا اجارہ عرصہ سے چند مخصوص انگریزی کمپنیوں کو ملا ہوا تھا۔ ولیم اور میری کی حکومت کے پہلے سال یہ تجارت تمام برطانوی رعایا کے لیے یکساں کھل گئی۔ لیکن افریقی کمپنی بھی برابر مصروفِ کار رہی۔

سنہ ۱۶۸۰ء اور سنہ ۱۷۰۰ء کے درمیان اس کمپنی نے ایک لاکھ چالیس ہزار اور دوسرے سوداگروں نے ایک لاکھ ساٹھ ہزار کل تین لاکھ حبشی غلام افریقہ سے برطانوی مقبوضات میں بھیجے۔ ان کے علاوہ صرف ایک جمیکا کو جو سنہ ۱۶۵۵ء تک برطانوی عملداری میں داخل تھا، چھ لاکھ دس ہزار حبشی روانہ کیے گئے تھے۔ برائن ایڈورڈ نے اندازہ لگایا ہے کہ سنہ ۱۶۸۰ء سے لیکر سنہ ۱۷۸۶ء تک برطانیہ کی امریکن نوآبادیوں میں اکیس لاکھ تیس ہزار حبشی بھیجے گئے تھے۔

غلاموں کی انگریزی تجارت امریکہ کی جنگ آزادی سے تھوڑا عرصہ پہلے کمال عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔ اس تجارت کا سب سے بڑا مرکز لورپول تھا۔ لندن، برسٹل اور لنکاسٹر بھی اس کی منڈیاں تھیں۔ ان جہازوں کی تعداد جو حبشی غلاموں کو ان چاروں بندرگاہوں سے دوسرے ممالک کو لے گئے ایک سو بانوے تھی۔ ان جہازوں میں سینتالیس ہزار ایک سو چھیالیس حبشیوں کے لیے جگہ محفوظ تھی۔

سنہ ۱۷۹۱ء میں افریقہ کے ساحلوں پر غلاموں کی تجارت کرنے والی چالیس کوٹھیاں سرگرم عمل تھیں۔ ان میں چودہ انگریزی، تین فرانسی، پندرہ ڈچ (ولندیزی) چار پرتگیزی اور چار ڈنمارک کی تھیں۔ سنہ ۱۷۹۰ء میں افریقہ کی برطانوی کمپنیوں کی طرف سے ۴۷ ہزار حبشی غلام بدیں تفصیل

دوسرے ممالک کو روانہ کیے گئے۔ برطانوی کمپنیوں کی طرف سے اڑتیس ہزار، فرانسیسی کوٹھیوں سے بیس ہزار، ڈچ سے چار ہزار، ڈنمارک کی کوٹھیوں سے دو ہزار اور پرتگیزی کوٹھیوں سے دس ہزار۔ غرض غلاموں کی نصف سے زیادہ تجارت برطانیہ کے ہاتھوں میں تھی۔

سینٹ ڈومنگو نام فرانس کی ایک نوآبادی تھی۔ یہاں حبشی غلاموں کی درآمد کا یہ عالم تھا کہ ۱۷۹۱ء سے پہلے وہاں حبشیوں اور یورپینوں کا تناسب علی الترتیب سولہ اور ایک تک پہنچ گیا تھا۔ ۱۷۹۱ء میں سینٹ ڈومنگو کی آبادی پانچ لاکھ چونتیس ہزار تھی۔ جس میں چار لاکھ اسی ہزار حبشی غلام، چوبیس ہزار ملاٹو اور صرف تیس ہزار یورپی تھے۔ چونکہ یورپی نوآبادیوں میں غلاموں کی مانگ روزافزوں تھی، اس لیے یہ مانگ حریص و خدانا ترس لوگوں کو نسل انسانی کے شکار پر ہر وقت برانگیختہ کرتی رہتی تھی۔ جو خود غرض لوگ ان تجارتی کمپنیوں کو غلام مہیا کرنے کا کاروبار کرتے تھے ان کی طرف سے قساوت قلبی اور بے رحمی کا غیر متناہی سلسلہ جاری تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۵ صفحات ۲۲۰ - ۲۲۵)

ہندوستان میں غلامی

یاد رہے کہ دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی لونڈی غلام رکھے جاتے تھے اور ان کی خرید و فروخت کا عام رواج تھا اور منوسمرتی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مدت العمر کی کمائی ان کے مالکوں کا حق متصور ہوتی تھی چنانچہ منو مہاراج فرماتے ہیں:

اپنی عورت کے لڑکے اور غلام یہ سب جس دولت کو جمع کریں وہ سب دولت اُن کے مالک کی ہے۔ وہ مالک کی زندگی میں اس کے حق دار نہیں۔ راجہ، برہمن غلام اور شودر سے دولت لے لے۔ اس میں کچھ بچار نہ کرے کیونکہ وہ دولت کچھ اس کی ملکیت نہیں۔ وہ بے زر ہے۔ (منوسمرتی باب ۸۔ فقرہ ۴۱۶ - ۴۱۷)

فصل ۱۰۔ یورپ میں مملوکوں کی تحریکِ آزادی

جب صلیبی جنگوں کے بعد وہ مسیحی اسیر جو مسلمانوں کے ہاتھ میں قید تھے رہا ہو کر اپنے اپنے ملک میں واپس گئے اور انہوں نے جا کر بتایا کہ مسلم فاتحین ان کے ساتھ کیسا مربیانہ برتاؤ برتتے رہے تو اس وقت اہلِ یورپ کی آنکھیں کھلیں اور انہیں احساس ہوا کہ قیدیوں کو آرام آسائش سے رکھنا بھی تہذیب و شائستگی کا ایک لازمی جزو ہے۔ اس وقت سے وہاں بھی قیدیوں کی ایذا رسانی کے بجائے ان کی آسائش کا خیال پیدا ہوا۔ گو غلاموں کی خرید و فروخت اس کے بعد بھی صدیوں تک یورپ میں رائج رہی۔ اس کے بعد جب مستشرقین مغرب کو عربی علوم کی تحصیل سے معلوم ہوا کہ اسلام کس شدّومد کے ساتھ رسمِ غلامی کے مٹانے کا حامی ہے تو یورپ میں مملوکوں کی تحریکِ آزادی جنم لے کر نشو و نما پاتی رہی۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ یورپ کی بردہ فروش کوٹھیوں نے دنیا میں اندھیر مچا رکھا تھا۔

دیہات میں آگ لگا کر بھاگنے والوں کی گرفتاری

یورپ کے بردہ فروش تاجروں کا طریق کار عموماً یہ تھا کہ رات کے وقت کسی گاؤں میں آگ لگا دیتے۔ جب تباہ حال باشندے جانیں بچانے کے لیے گاؤں سے بھاگنے لگتے تو یہ سیاہ دل صیّاد اُن کو پکڑ لیتے۔ اس طرح خدا کی اس بیکس مخلوق پر جو وحشیانہ مظالم توڑے جا رہے تھے، ان کی اصل محرک اور بانی یہی غیر ملکی کوٹھیاں تھیں۔ جب مغرب میں اس وحشت و بربریّت کا عام چرچا ہُوا اور ہر کس و ناکس کو معلوم ہوا کہ خدا کی کمزور و بے پناہ مخلوق اس سفاکی اور بے دردی سے خانماں برباد کر کے نعمتِ آزادی سے محروم کی جاتی ہے تو وہاں غلامی کی مخالفت کا جذبہ زیادہ قوت کے ساتھ موج زن ہُوا (انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا جلد ۲۵ صفحہ ۲۲۵)

انسدادِ غلامی کا اوّلین سہرا

مغربی ممالک میں غلامی کو برطرف کرنے کا اوّلین سہرا

ڈنمارک کے سر پر ہے۔ وہاں ۱۶ مئی ۱۷۹۲ء کے شاہی فرمان کے بموجب ڈنمارک کے مقبوضات میں غلاموں کی خرید و فروخت ممنوع قرار پائی۔ ۱۷۹۴ء میں ریاستہائے متحدہ امریکہ میں غلاموں کی تجارت کا سلسلہ مسدود ہوا۔ ۱۸۱۱ء میں انگلستان نے برطانوی قلمرو میں غلاموں کی تجارت کا امتناعی قانون منظور کیا۔ البتہ جزیرہ ماریشس میں کچھ عرصہ بعد بھی یہ تجارت جاری رہی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ دوسرے ممالک میں بھی اس رسم بد کا قلع قمع ہوا۔ (ایضاً جلد ۲۵ صفحہ ۲۲۵)

اسلامی اصول و تعلیمات کی عظیم الشان فتح

جب انیسویں صدی عیسوی میں اہل یورپ اور دوسرے غیر اسلامی ممالک اسیران جنگ کو بھی لونڈی غلام بنانے سے احتراز کرنے لگے تو اسلامی سلطنتوں نے اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا چشم ما روشن و دل ما شاد۔ اسلام کی تو خود آرزو ہی یہ تھی کہ رسم غلامی دنیا سے معدوم ہو جائے اور خدا کی بیکس مخلوق آزادی کی ہوائیں سانس لے۔ گو ترکی عملداری میں عملاً بردہ فروشی کا بہت پہلے ہی خاتمہ ہو چکا تھا لیکن ۱۸۸۹ء میں باب عالی نے باقاعدہ ایک قانون منظور کیا جس کے رو سے لونڈی غلاموں کی تجارت خلاف قانون قرار دی گئی۔ پس دنیا سے بردہ فروشی کا جو استیصال ہوا وہ بھی محمدی اصول اور اسلامی تعلیمات کی ایک عظیم الشان فتح تھی۔ اور اگر بالفرض داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حین حیات تمام دنیا اسلام کی راہ ہدایت پر چلنا شروع کر دیتی تو آپ یقیناً ہر قسم کی غلامی کو یک قلم ممنوع قرار دیتے۔ لیکن آپ اپنے غیر مسلم معاصرین کی ماؤف ذہنیت کی وجہ سے جو حریف کے آدمیوں کو غلام بنا لینے کے خوگر چلے آتے تھے ایسا نہ کر سکے۔

حریت نوازی کا شجر مبارک

تاہم مقام شکر ہے کہ آپ کے وصال کے قریباً ہزار سال بعد ساری دنیا نے انجام کار آپ ہی کی تعلیمات و ہدایات پر عمل کیا اور حریت نوازی کا وہ شجر مبارک برگ و بار لایا جس کی آپؐ تخم ریزی کر گئے

تھے۔ ارباب بصیرت سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ دنیا کی قریب قریب ہر قوم آہستہ آہستہ اسلامی قوانین اور محمدی ضوابط کو زیرِ عمل لا رہی ہے اور ملتِ حنیفی سے قریب تر ہوتی جاتی ہے اور ان شاء اللہ العزیز کبھی وہ وقت بھی آئے گا جب ساری دنیا کا مذہب اسلام ہوگا۔ ان شاء اللہ

بابِ دوم

اعداء سے سرورِ دو جہان کا مربیانہ سلوک

فصل اوّل۔ دشمنوں کو معاف کر دینے کا جذبہ

انبیاء علیہم السّلام کو محاسنِ اخلاق کے تمام انواع و اصناف میں کمال کا درجہ حاصل تھا۔ یہ نفوسِ قدسیہ کوئی کام عام انسانی جذبہ کے تحت نہیں کرتے بلکہ دوست دشمن ہر ایک سے وہی سلوک کرتے تھے جو ان کے شایانِ شان ہوتا۔ دشمن سے انتقام لینا فطرتِ انسانی کا خاصہ ہے لیکن انبیاء علیہم السّلام عموماً اور سیّد الانبیاء حضرت احمدِ مجتبیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام خصوصاً جن اخلاق سے متعلق تھے، سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ان کی شارح ہے۔ آپ نے فرمایا میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو کوئی مجھ پر ظلم کرے میں اس کو قدرتِ انتقام کے باوجود معاف کر دوں۔ جو مجھ سے قطع کرے میں اس کو ملاؤں۔ جو مجھے محروم رکھے میں اس کو عطا کروں۔ غضب اور خوشنودی دونوں حالتوں میں حق گوئی کو شیوہ بناؤں۔ تنگ دستی اور فارغ البالی میں میانہ روی اختیار کروں۔ خلوت اور جلوت میں خدا سے ڈرتا رہوں (مشکوٰۃ بحوالہ رزین)

دشمنوں کے لیے دُعائے مغفرت

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السّلام کو حکم ہوا کہ فرعون شاہِ مصر کے پاس جا کر اسے اللہ کی طرف

بلائیں۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام سخت مزاج واقع ہوئے تھے ارشاد ہوا فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا۔ (فرعون کے ساتھ نرمی سے بات کرنا۔ سورۂ طٰہٰ، آیت ۴۶) اور چونکہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نہایت حلیم اور نرم خو تھے آپ کو حکم دیا گیا۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (اے نبی! اسلام کے دشمنوں سے بالسنان اور مخفی دشمنوں سے باللسان جہاد کرتے رہیے اور ان پر سختی کیا کیجیے۔ سورۂ توبہ آیت ۷۳)

شیخ عبدالحق رح لکھتے ہیں کہ گو آپ کو تشدید و تغلیظ کا اذن دیا گیا، لیکن پھر بھی ان کے لیے آپ کا بابِ عفو و رحمت و استغفار ہی کھلا ہوا تھا۔ آپ دشمنوں کے حق میں دُعا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ (آپ ان (منافقین) کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں) آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے پروردگار نے ان کے لیے مغفرت مانگنے کا اختیار دیا ہے۔ اس لیے میں نے ان کے حق میں استغفار کیا۔ لیکن جب حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (اگر آپ ان کے لیے ستر بار بھی استغفار کریں گے، تب بھی اللہ ان کو نہ بخشے گا۔ ۹ : ۸۰) تو آپ نے فرمایا کہ میں ستر دفعہ سے بھی زیادہ استغفار کرتا ہوں"۔ اور یہ دشمنوں کی ایذا رسانی کے مقابلہ میں انتہا درجہ کا عفو و اغماض ہے۔ (ابن ہشام)۔

اسلام میں نہ ضرر ہے نہ ضرار

جس طرح رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود عفو و درگذر کے خوگر تھے، اسی طرح آپ اپنے پیرووں کو بھی صفتِ عفو سے متصف و مزین دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اسلام میں نہ ضرر ہے نہ ضرار۔ (موطائے مالک)۔

ضرر تو کسی کو ناحق تکلیف دینے کو کہتے ہیں اور ضرار انتقاماً ضرر پہنچانے کا نام ہے۔ آپ نے ضرار سے بھی منع فرمایا اور اپنے متابعین کو ہدایت کی کہ گو برابر کا بدلہ لینا شرعاً جائز ہے، لیکن عفو و درگذر سب سے بہتر عمل ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا	بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی ہے لیکن جو شخص
فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ	(بجائے انتقام کے) معاف کر دے اور اصلاح
عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ	(و محبت) کی طرف قدم اُٹھائے تو اللہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں
(۴۲ : ۴۰)	

معاف کر دینے کی فضیلت

اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی شخص کے بدن کو صدمہ پہنچایا جائے اور وہ صدمہ پہنچانے والے کو معاف کر دے اور قصاص نہ لے تو حق تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے (ابن ماجہ) اور فرمایا کہ جب کسی شخص پر ظلم کیا جائے اور وہ (ناتوانی و بے بسی کی وجہ سے نہیں بلکہ محض) رضائے الٰہی کے لیے اس ظلم (کو برداشت کر کے اس) سے چشم پوشی کرے تو حق تعالیٰ مظلوم کو اپنی قوی نصرت و امداد سے مؤید فرماتا ہے اور جو کوئی (رشتہ داروں اور مسکینوں سے) حسن سلوک کرنے کی غرض سے عطا و بخشش کا دروازہ کھولتا ہے حق تعالیٰ اس کے مال و دولت میں ترقی دیتا ہے اور جو کوئی گدائی کے ذریعہ سے افزائش مال کا قصد کرتا ہے، خدائے عزیز اس سوال کی نحوست سے اس کے مال میں کمی کر دیتا ہے (مشکوٰۃ بحوالہ احمد)

اور فرمایا صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی اور جو کوئی جتنا زیادہ عفو و درگذر کا خوگر ہو، اللہ تعالیٰ اسی قدر زیادہ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور جو کوئی اللہ کے لیے تواضع و خاکساری کا شیوہ اختیار کرے، حق تعالیٰ اس کے درجے بلند کرتا ہے (ترغیب و ترہیب بحوالہ مسلم و ترمذی)

غیر مسلموں سے درگذر کرنے کا فرمان

اور عفو و درگذر کرنے کا حکم کچھ اہل ایمان کے حق میں مخصوص نہیں بلکہ ہم غیر مسلموں سے بھی یہی برتاؤ برتنے کے مامور ہیں چنانچہ ارشاد خداوندی ہے :

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا	(اے نبیؐ!) آپ اہل ایمان سے کہہ دیجیے کہ
لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ	ان لوگوں سے درگذر کیا کریں جو خدا کے معاملات

لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ (۴۵ : ۱۴) کا یقین نہیں رکھتے تاکہ اللہ ایک قوم (مسلمانوں) کو ان کے اعمال حسنہ کا صلہ دے۔

خدا کے معاملات اُخرویہ کا یقین نہ رکھنے والے غیر مسلم ہیں جنھیں آخرت کا انکار ہے۔ پس اہلِ ایمان کو ان کے اخلاقِ حسنہ اور اعمالِ صالحہ کا نعم البدل اور مخالفوں کو ان کے کفر و معاصی کی سزا دی جائے گی۔ مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ عفو و درگذر کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس سے جہاد فی سبیل اللہ کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ کسی کی زیادتی پر اس کو معاف کر دینا انسان کا شخصی اور انفرادی معاملہ اور حق العبد ہے لیکن جہاد فی سبیل اللہ ملی فریضہ اور حق اللہ ہے جس میں کسی فرد کی مرضی اور رجحانِ طبع کو دخل نہیں۔

صحابۂ کرامؓ کو انتقام جوئی کی ممانعت

جب کفارِ مکہ کا سلسلۂ ایذا رسانی کسی طرح ختم ہوتا نظر نہ آیا تو مظلوم صحابہؓ میں سے حضرات عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، قدامہ بن مظعون، مقداد بن اسود اور چند دوسرے اخیار رضی اللہ عنہم نے آستانِ نبوت میں حاضر ہو کر التماس کی یا رسولؐ اللہ! جب ہم مشرک تھے تو سب ہمارا اعزاز و اکرام کرتے تھے اور ہماری طرف کوئی نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لیکن جب سے ہم نے دینِ حق کی پیروی اختیار کی ہے ہمیں سخت ایذائیں دی جاتی ہیں اور ہماری سخت تحقیر ہوتی ہے۔ اس لیے اگر حکم ہو تو ہم بھی اشرار اور معاندین سے نبٹ لیا کریں۔ شفیعِ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تو یہی حکم ہے کہ ان کی خطاؤں کو معاف کروں۔ پس صبر کرو اور کسی پر ہاتھ نہ اُٹھاؤ اور اگر کوئی زیادتی کرے تو اس کو معاف کر دو۔ الغرض آپ نے کسی طرح انتقام کی اجازت نہ دی (نسائی)

قابو پانے کے بعد معاف کر دینے کی تلقین

حضرت سلمہ بن اکوع صحابیؓ کا بیان ہے کہ میں مدینۃ الرسولؐ سے غابہ کی طرف جا رہا تھا۔ جب پہاڑی پر پہنچا تو مجھے عبدالرحمن بن عوفؓ کا ایک غلام ملا۔ میں نے پوچھا تم

یہاں کہاں؟ اس نے کہا قزاق پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اُونٹنی لے گئے ہیں اور میں ان کی تلاش میں آیا ہوں۔ میں نے پوچھا کون لوگ لے گئے ہیں؟ غلام نے کہا غطفان اور فزارہ کے آدمی۔ یہ سُن کر میں تین مرتبہ بلند آواز سے چلایا یا صباحاہ یا صباحاہ (ہم صبح کے وقت لُٹ گئے) اس کے بعد میں غلام کی نشان دہی پر دوڑا اور ان کو جا لیا۔

حضرت سلمہؓ کا بیان ہے کہ میں نے یہ رجز پڑھتے ہوئے ڈاکوؤں پر تیر باری شروع کر دی: اَنَا ابنُ الاَکوع ۔ وَالیَومَ یَومُ الرُّضع (میں اکوع کا بیٹا ہوں، اور آج کا دن لئیموں کی ہلاکت کا دن ہے)۔ ڈاکو تیر باری کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے میں نے اُونٹنی لی اور اس کو ہانک کر واپس لایا۔ راستہ میں حضور سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم ملے۔ میں نے کہا یا رسُولؐ اللہ! اس سے پیشتر کہ قزاق اس کا دُودھ پی سکیں، میں نے اُونٹنی واپس لے لی۔ اب چند آدمیوں کو ان کے تعاقب میں بھیج دیجیے کہ ان کو گرفتار کر لائیں۔ آپ نے فرمایا: اے ابن اکوع! جب تم دشمن پر قابو پاؤ تو اس کو معاف کر دیا کرو۔ (بخاری)

فصل ۲۔ حریف سے غیر شریفانہ سلوک کرنے کا امتناع

اکثر لوگ انتقام لیتے وقت اپنے انسانی شرف و مجد تک کو نظر انداز کر جاتے ہیں لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن سے ہمیشہ وہی اُولوا العزمانہ سلوک پسند فرمایا جو آپ کے شایانِ شان تھا۔

مسلمان شہداء کے ناک، کان کاٹنا

اعدائے اسلام مسلمانوں سے نہایت بہیمانہ سلوک کرتے تھے چنانچہ مکہ کے قریش نے جنگِ اُحد میں مسلمان شہداء کے ناک کان کاٹ ڈالے تھے لیکن ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں کو اس قسم کے وحشیانہ افعال کی سختی سے ممانعت کی اور فرمایا کہ قتل کرنے میں سب سے بہتر مومن ہے (ابو داؤد)۔

اس ارشاد کا یہ مطلب تھا کہ مومن کی شان سے بعید ہے کہ وہ جاں ستانی کے وقت دشمن سے غیر انسانی اور غیر شریفانہ سلوک روا رکھے۔ اذیتیں دے دے کر مارے یا ناک کان کاٹے یا آگ میں جلائے چنانچہ ابوداؤد نے عمران بن حصینؓ سے اور نسائی نے انسؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹنے سے منع فرمایا:

چڑیا اور چیونٹی پر ظلم کرنے کی ناگواری

حریفِ معرکہ تو پھر بھی اشرف المخلوق انسان ہے۔ اسلام نے تو چیونٹی تک پر ظلم و زیادتی کی اجازت نہیں دی چنانچہ عبداللہؓ نام ایک صحابی کا بیان ہے کہ ہم ایک سفر میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ ایک پڑاؤ پر آپ کسی کام کے لیے تشریف لے گئے۔ ہم نے سُرخ رنگ کی ایک چڑیا دیکھی جس کے ساتھ دو بچے تھے۔ ہم نے اس کے بچے پکڑ لیے چڑیا آکر ہمارے سامنے پر بچھانے لگی۔ اتنے میں سرورِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور چڑیا کو دیکھ کر فرمایا کس نے اس کے بچے پکڑ کر اس کو غم زدہ کیا ہے؟ اس کے بچے واپس دو۔ اس کے بعد آپ نے چیونٹیوں کا سوراخ دیکھا جسے ہم نے چیونٹیوں کی ایذا رسانی کے باعث جلا دیا تھا۔ فرمایا اس سوراخ کو کس نے جلایا؟ ہم عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! ہم نے جلایا ہے۔ فرمایا خالقِ نار کے سوا کسی کے لیے یہ روا نہیں کہ کسی ذی روح کو آگ کا عذاب دے (ابوداؤد) اور فرمایا اللہ کے سوا کوئی کسی کو آگ کا عذاب نہ دے (بخاری)۔

دشمن کو عذاب دے دے کر مارنا

غیر مسلموں میں ہمیشہ سے معمول چلا آیا ہے کہ حریفِ معرکہ یا دشمن مذہب کو ایسی بُری طرح عذاب دے دے کر مارتے ہیں کہ جذباتِ غضب و انتقام کو پوری طرح تسکین ہو لیکن اسلام ایسی بہیمانہ انتقام جوئی کو قطعاً گوارا نہیں کرتا۔ ایک معرکہ میں سیف اللہ خالدؓ بن ولید کے صاحبزادہ عبدالرحمٰن سپہ سالار کے سامنے چار واجب القتل اعدائے دین پیش کیے گئے اور ان سے دریافت کیا گیا کہ ان کو کس طرح ہلاک کیا جائے؟ عبدالرحمٰن نے حکم دیا کہ ان کو باندھ کر

تیروں سے بے جان کر دو۔" اس حکم کی تعمیل کی گئی۔

جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انھوں نے عبدالرحمن کے پاس جا کر کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح مارنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابو ایوبؓ کہنے لگے کہ مجھے اسی خالق کردگار کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ یہ تو انسان تھے اگر مرغی بھی ہوتی تو اس کا اس طرح بے رحمی سے مارا جانا مجھے گوارا نہ ہوتا۔" عبدالرحمن کو اپنی فروگذاشت پر سخت ندامت ہوئی اور کفارہ کے طور پر چار غلام خرید کر آزاد کیے (ابو داؤد)۔

عورتوں، بچوں اور بڈھوں کی ایذا رسانی کی ممانعت

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی میں عورتوں، بچوں بڈھوں اور راہبوں کے مارنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اسی طرح دشمن کی فوج کے ساتھ رہنے والے مددگاروں مثلاً نائی، دھوبی، باورچی، سقا، بھنگی، بیلدار، سائیس وغیرہ پر ہاتھ اٹھانے سے بھی منع فرمایا ہے۔ البتہ اگر ان پیشہ ور مزدوروں میں سے کوئی شخص دشمن کی حمایت میں لڑتا ہو تو اس کی سرکوبی میں مضائقہ نہیں۔

مروی ہے کہ ایک غزوہ میں ایک غیر مسلمہ حضرت خالد بن ولید کی غلطی سے قتل ہو گئی۔ لوگ اس کی لاش کے پاس جمع ہو گئے کہ بیچاری ناحق قتل کر دی گئی۔ جب مخدوم انام صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ اس کی لاش پر تشریف لائے اور سخت ناراضی و تاسف کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ جب یہ لڑتی نہ تھی تو قتل کیوں کی گئی؟ اس کے بعد آپ نے حضرت خالدؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ اللہ کے رسول نے تم کو حکم دیا ہے کہ دشمن کے بچوں اور ان کی عورتوں کو اور مزدوروں کو جو لڑنے والوں کے کام کاج کرتے ہوں مت مارو (ابن ماجہ)

صفوانؓ بن عسال کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک سریہ میں روانہ فرمایا۔ رخصت کرنے وقت ہمیں جو ہدایات دیں ان میں یہ بھی فرمایا کہ دشمن میں سے کسی کے ناک

کان نہ کاٹنا۔ عہد شکنی نہ کرنا۔ مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرنا۔ غنیم کے کسی بچے، عورت اور بڈھے کو نہ مارنا (ابن ماجہ)

دشمن کو دھوکا دے کر ہلاک کرنا

حضرت رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کو دھوکا دے کر ہلاک کرنے سے بھی منع کیا ہے چنانچہ فرمایا کہ مومن کو اس کے ایمان نے اس امر سے روک دیا ہے کہ دشمن کو غافل پا کر دھوکے سے قتل کرے۔ خبردار! کوئی مسلمان ایسا نہ کرے (ابو داؤد)۔ عہدِ جاہلیت میں دستور تھا کہ دشمن پر بے خبری اور غفلت کی حالت میں جا پڑتے تھے اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیتے تھے اور آج کل بھی یورپ کی نام نہاد مہذب قوموں میں دستور ہے کہ دشمن پر رات کے وقت حالتِ غفلت میں حملہ کیا جاتا ہے۔ اس تاخت کو شبخون کہتے ہیں۔ چونکہ اس وقت دشمن لڑائی کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ اس کے آرام میں خلل انداز ہو کر اس کو بدحواسی اور اضطراب میں ڈالنا شیوۂ انصاف و اُولوا العزمی سے دُور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی۔ اور آپ کا معمول تھا کہ دن نکلنے کے بعد ایسے وقت میں مقابلہ کا قصد فرماتے تھے جبکہ غنیم بھی اچھی طرح تیار ہو لیتا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے اذا اتی قومًا بلیلٍ لم یغز حتی یصبح (غزوات میں سنتِ نبوی یہی تھی کہ کسی دشمن کے سر پر رات کو پہنچ جاتے تو بھی دن نکلنے سے پہلے لڑائی نہیں شروع کرتے تھے)۔

رعایا کی تکلیف کا ذمہ دارانہ احساس

دستور ہے کہ جب کسی مقام پر حملہ کرنا ہو تو حملہ آور فوج چاروں طرف پھیل جاتی ہے۔ راستے بند ہو جاتے ہیں۔ گھروں میں آنا جانا دشوار ہو جاتا ہے۔ راہ گیروں کا مال و اسباب لُٹ جاتا ہے۔ گھروں تک میں امن و امانیت سے بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے لیکن دنیا کے مصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بتاکید حکم دیا کہ رعایا کی تکلیف اور ایذا رسانی سے بچیں اور کسی کو تنگ نہ کریں۔

مروی ہے کہ جب پیغمبر علیہ السلام نے حکم دیا کہ فوج اِدھر اُدھر پھیل نہ جایا کرے تو اسلامی لشکر اس طرح سمٹ کر پڑاؤ ڈالنے لگا کہ اگر بالفرض ایک چادر تان دی جاتی تو سب اس کے نیچے

آجاتے (ابوداؤد)۔ حملہ آور سپاہ میدانِ جنگ کے گرد و نواح میں بڑی بڑی سفاکیاں کرتی ہے۔ دیہات کے غریب اور مفلوک الحال باشندوں کو لوٹ لینا تو معمولی بات ہے۔ عرب میں بھی یہی حالت تھی۔ خصوصاً جب رسد کم ہو جاتی تھی اور خوراک کا کوئی انتظام نہیں ہوتا تھا تو لوٹ مار بالکل جائز فعل یقین کیا جاتا تھا۔ لیکن آپ نے بڑی سختی سے اس کی ممانعت فرمائی (ابوداؤد)۔

فصل ۳۔ دشمنوں کے حق میں دعائے خیر

دشمنوں کے خلاف بددعا کرنا انسانی فطرت میں داخل ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ عام انسانی سطح سے بہت بلند تھا۔ اس لیے خدا کے فرستادہ انبیاء و رسل ان لوگوں کے حق میں بھی دعائے خیر کرتے تھے جو ان کے تشنۂ خون ہوتے تھے۔ ہمارے ہادی و پیشوا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو بُرائی کے بدلے میں بھلائی کرنے اور مخالفوں کی تقصیروں سے درگزر کرنے اور دشمنوں کے حق میں دعاگو رہنے کی تعلیم دی ہے اور خود آپ کا اسی پر عمل تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ بارگاہ نبوی میں التماس کی گئی کہ یا رسول اللہ! مشرکوں پر بددعا اور لعنت بھیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں لعنت کرنے والے کی حیثیت سے مبعوث نہیں ہوا بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)۔

ہاشمیوں اور مُطلبیوں کا مقاطعہ

راقم السطور کی کتاب "سیرت کبریٰ" میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ کفارِ قریش سرورِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب اعدا قتل کرنا چاہتے تھے اور بنو ہاشم اور بنو مطلب نے آپ کی حفاظت و صیانت کا عہد کر رکھا تھا۔ آخر قریش نے آپ کی جاں ستانی پر کسی طرح قدرت نہ پائی تو نبوت کے ساتویں سال انہوں نے ہاشم اور ان کے بھائی مُطلب کی اولاد کا عام مقاطعہ شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں میل ملاقات سلام پیام بالکل منقطع ہوا۔ دوکانداروں نے قسمیں کھائیں کہ ہاشمیوں اور مطلبیوں کے ہاتھ سودا نہیں بیچیں گے۔ قریش وہ تمام اناج اور دوسری اشیاء خوردنی جن کی نسبت کوئی ادنیٰ احتمال بھی ہوتا تھا کہ ہاشمیوں کے ہاتھ پڑ جائیں گی ہر قیمت

پر خرید لیتے تھے جب ان کو اطلاع ملتی کہ کہیں سے سوداگر غلہ لا رہے ہیں تو شہر سے دُور نکل کر ان سے جا ملتے اور تمام اناج جس قیمت پر بھی ملتا خرید لیتے۔

ان حالات سے مجبور ہو کر ابو طالب تمام ہاشمیوں اور مُطّلبیوں کو ساتھ لے کر پہاڑ کے ایک درّے میں جو ہاشمیوں کا موروثی تھا جا پناہ گزیں ہوئے اور ان کے سکونتی مکان مقفل ہو گئے۔ لیکن درہ میں بھی کوئی چیز میسّر نہ تھی کیونکہ دشمنوں نے درّے کو ہر طرف سے محصور کر رکھا تھا اور کھانے پینے کی کوئی چیز نہ پہنچنے دیتے تھے (تاریخ ابن جریر طبری)

قحط میں اہلِ مکّہ کی بدحالی

اور صرف یہی نہیں بلکہ ہجرت سے پہلے کفار مکہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے جاں نثاروں پر وہ وہ ظلم ڈھاتے رہے تھے کہ جس کی داستان نہایت دردناک ہے۔ تاہم آپ نے اعداء سے ان تعدّیوں کا کوئی انتقام نہ لیا بلکہ ان کے حق میں دُعاے خیر کر کے ان کے رفع مصائب کی کوشش فرمائی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہجرت کے بعد خداے شدید العقاب نے ان شرارتوں کی پاداش میں قریش پر ایسا قحط مسلّط کیا جیسا یوسف علیہ السّلام کے زمانے میں ہفت سالہ قحط مصر میں پڑا تھا۔ بارش بالکل بند رہی اور مضافات میں بھی ہرے کا نام ونشان نہ رہا۔ اس قحط نے حالت اتنی زبوں کر دی کہ قریش چمڑا، مُردے اور مُردار تک کھانے لگے۔ قاعدے کی بات ہے کہ گرسنگی اور خشکی کی شدت میں جو یعنی آسمان وزمین کی درمیانی فضا میں آنکھوں کے سامنے دُھواں سا دکھائی دیتا ہے۔ جب اہل مکہ اوپر کو نظر اُٹھاتے تو تمام فضا دھوئیں سے معمور دکھائی دیتی۔

کفارِ قریش کے حق میں رحمتِ عالم صلعم کی دُعا

جب اہلِ مکہ جانوں سے تنگ آ گئے تو ان کے سردار ابوسفیان بن حرب کو اس کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا کہ اسی بارگاہِ معلّٰی کی طرف رجوع کریں جہاں سے کوئی سائل کبھی محروم نہ ہوا تھا چنانچہ ابوسفیان مدینۃ الرسول میں پہنچے اور منتیں کرتے ہوئے آپ سے ملتجی ہوئے کہ محمد!

آپ کی قوم قحط اور امساکِ باراں سے ہلاک ہو رہی ہے۔ آپ ان کی رفعِ مشکلات کے لیے دعا فرمایئے۔ چنانچہ آپ نے ان کی درخواست کو شرفِ قبول بخش کر فی الفور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور خدا نے اہلِ مکہ کو اس مصیبت سے نجات بخشی (صحیح بخاری وغیرہ)

بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے (بطور دفع الوقتی) قریش کے قبولِ اسلام کا بھی وعدہ کیا تو حاملِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ اگر ہم ان سے عذاب اُٹھا لیں گے تو یہ پھر حالتِ سابقہ پر عود کر آئیں گے۔ الغرض آپ نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی اور وہ عذابِ قحط دُور ہو گیا لیکن قریش کی شقاوت پھر عود کر آئی۔ اس لیے خدائے شدید العقاب نے ان کو غزوۂ بدر میں اس سرتابی کی سزا دی۔

مغفرتِ قریش کی دعا

غزوۂ اُحد میں سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے چار دانت شہید ہوئے تھے اور سرِ مبارک اور چہرۂ انور زخمی ہو گیا تھا۔ یہ دیکھ کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عالمِ اضطراب میں عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! کاش آپ ان دشمنانِ دین (قریش) پر بددعا کرتے تاکہ دنیا ان کے خار وجود سے پاک ہو جاتی اور ان کی جفاکاریوں کا سلسلہ ختم ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ میں لعنت اور بددعا کے لیے مبعوث نہیں ہوا ہوں بلکہ لوگوں کو راہِ حق کی طرف بلانے کو بھیجا گیا ہوں۔ آخر جب بار بار کہا گیا کہ قریش کی تعدیاں اب حد سے بڑھ گئی ہیں تو آپ نے ان کے حق میں یہ دعا کی الٰہی! میری قوم کو بخش دے کہ یہ لوگ بے خبر ہیں۔

جنگِ اُحد میں آپ کے رخسارِ مبارک میں خود کے دونوں حلقے پیوست ہو گئے تھے اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دانتوں سے ان کو نکالا تھا۔ جب ایک حلقے پر دانتوں کو جما کر اوپر کو کھینچا تو زیادہ زور لگانے کی وجہ سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا ایک دانت ٹوٹ گیا اور جب دوسرا حلقہ نکالنے کے لیے زور لگایا تو ایک اور دانت نکل آیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے التماس کی یا رسول اللہ! دشمنوں کے حق میں بددعا کیجیے تو آپ نے پھر بھی یہی دعا کی الٰہی! میری قوم کو بخش دے کہ یہ لوگ ناواقف ہیں (بیہقی فی الشعب) یعنی جو کچھ کر رہے

ہیں ناواقفیت کی بنا پر کر رہے ہیں۔

سیدالمرسلین پر اوباشوں کی سنگ باری

جب دعوتِ الٰہی کے منادِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفاتِ ابوطالب کے بعد دیکھا کہ قریش کو قبولِ حق سے اعراض ہے اور دعوتِ توحید کا جواب نہ صرف اینٹ پتھر سے دیا جاتا ہے بلکہ از سرِ نو آپ کی جان لینے کے منصوبے ہو رہے ہیں تو ارادہ کیا کہ سردست قرب و جوار میں جا کر لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں چنانچہ آپ نبوت کے دسویں سال اپنے متبنّیٰ زیدؓ بن حارثہ کو ساتھ لے کر شہر طائف تشریف لے گئے جو قبیلہ ثقیف کا مسکن تھا۔ طائف مکہ معظمہ سے تیس چالیس میل کے فاصلہ پر جنوب مشرق کی طرف ایک زرخیز، سبزہ زار اور خوش سواد مقام ہے۔ آپ نے جا کر وہاں کے رؤساء کو توحید کی دعوت دی لیکن وہ سخت بداخلاقی سے پیش آئے۔ اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ بازاری لفنگوں اور اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ یہ ابلیسی لشکر ہر طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑا اور ذاتِ اقدس پر بے پناہ سنگ باری شروع کر دی۔

جسمِ اطہر سے خون کے فوارے

آپ جدھر کا رُخ کرتے یہ اشقیاء برابر آپ کا تعاقب کر کے پتھراؤ اور دریدہ دہنی کرتے۔ حضرت زیدؓ نے اپنے جسم کو آپ کی ڈھال بنا رکھا تھا لیکن جب چاروں طرف سے پتھر برس رہے تھے تو زیدؓ آپ کو کہاں تک محفوظ رکھ سکتے تھے۔ آپ پر اتنی سنگ باری ہوئی کہ جسم مبارک لہولہان ہو گیا اور نعلین مبارک خون میں چھپ گئی اور آپ کے جسدِ اطہر کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو مجروح و ماؤف نہ ہوا اور اس سے خون کے فوارے نہ چھوٹ رہے ہوں۔ آخر آپ نے ایک باغ کے اندر انگور کی ٹٹیوں میں پناہ لی اور اوباشوں سے پیچھا چھوڑایا (تاریخ ابن جریر طبری و سیرت ابن ہشام)

باغ میں اطمینان کی سانس لینی نصیب ہوئی تو حضرت زیدؓ نے پہلے آپ کے جسمِ اطہر کا خون پونچھا اور پھر اپنے زخم صاف کرنے لگے۔ چونکہ آپ کی نعلین مبارک میں بہت خون جم گیا تھا آپ وضو کرتے وقت بمشکل اپنے پیر نکال سکے (تاریخ ابن جریر و مدارج)

جنگ اُحُد سے بھی زیادہ سخت دن

بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں عرض کیا ہوئیں یارسُول اللہ! کیا آپ پر یومِ اُحُد سے بھی کوئی زیادہ سخت دن گزرا ہے؟ فرمایا وہ دن سب سے سخت تھا جب میں نے طائف سے مراجعت کی تھی میں باغ سے نکل کر غم زدہ آرہا تھا۔ جب قرن ثعالب کے مقام پر پہنچا تو اچانک بادل کے ایک ٹکڑے نے آکر میرے اوپر سایہ کرلیا۔ میں نے جو نظر اُٹھاکر دیکھا تو جبریلؑ دکھائی دیے۔ انہوں نے مجھے آواز دی کہ ان لوگوں کے عمائد واعیان نے آپ سے جو کچھ کہا وہ رب العالمین نے سُنا اور اس سلوک کو بھی دیکھا جو آپ سے کیا گیا۔ حق تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتہ کو آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ جو چاہیں ان لوگوں کے بارہ میں ان کو حکم دیں۔"

اہلِ طائف کے تہس نہس کرنے سے انکار

اتنے میں پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے آواز دی کہ اے محمدؐ! مجھے آپ کے رب نے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں۔ اگر آپ کی مرضیٔ مبارک ہو تو میں طائف کے دونوں پہاڑوں کو باہم ملاکر وہاں کی جملہ آبادی کو تہس نہس کردوں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں ان کی ہلاکت و بربادی نہیں چاہتا۔ بلکہ مجھے خدا کے فضل سے اُمید ہے کہ حق تعالیٰ ان کے اصلاب میں سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے ؎

دکھ پاکے بھلا بُروں کا تو نے چاہا — تعریف کے قابل ہے یہ ہمت تیری
ایذا اعداء سے اور تیرے منہ سے دُعا — اللہ رے کیا ہے شانِ رحمت تیری

قلعۂ طائف کا محاصرہ

سفرِ طائف کے قریباً گیارہ سال بعد آخر وہ ساعتِ سعید آپہنچی جب اہلِ طائف محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت سے دست بردار ہو کر آپ کے قدموں پر آگریں اور اسلام کے آغوشِ عاطفت میں پناہ لیں۔ اس کی

صورت یہ ہوئی کہ تسخیر مکہ کے بعد سرورِ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبیلہ بنو ثقیف کی شرانگیزیوں سے تنگ آکر قلعۂ طائف کا محاصرہ کیا۔ قلعہ نہایت مستحکم تھا۔ بنو ثقیف نے محصور ہونے سے پہلے اسلحہ کی فراوانی کے علاوہ اس میں ایک سال کی رسد بھی جمع کر لی تھی۔ جب محاصرے کو پندرہ دن گزر گئے اور آپ نے محسوس فرمایا کہ قلعہ قلیل مدت میں مسخر نہیں ہو سکتا تو محاصرہ اُٹھا کر وہاں سے مراجعت فرمائی (ابوداؤد)

اہل طائف کی ہدایت یابی کی دُعا

روانگی کے وقت بعض صحابہؓ نے التماس کی: یارسول اللہ! آپ قبیلہ ثقیف (اہل طائف) پر بددُعا فرمائیں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اُٹھائے۔ رفقاء سمجھے کہ آپ ان پر بددُعا کریں گے۔ لیکن بددُعا کی جگہ یہ الفاظ زبانِ مبارک سے نکلے

اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَ ائْتِ بِھِمْ۔

خدایا! ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس بھیج۔

چنانچہ رؤسائے طائف نے اس کے بعد قبولِ اسلام کے لیے مدینہ منورہ کی حاضری کا قصد کیا اور وہ ثقیف جو محاصرے میں زیر نہ ہوئے تھے ان کا وفد مدینہ منورہ پہنچا اور صداقت کے جلال نے آستانۂ نبوت میں اس کی گردن جھکا دی۔

قبیلۂ دوس کے حق میں دُعا

حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ نے مشرف باسلام ہونے کے بعد اپنے قبیلہ میں جا کر اسلام کی دعوت دی تھی اور دوس نے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ وہ یمن سے مدینہ منورہ پہنچ کر آستانِ نبوت میں حاضر ہوئے اور التماس کی یارسول اللہ! قبیلۂ دوس کی شہوت پرستی میری تبلیغی جدوجہد پر غالب آگئی ہے۔ آپ ان کے لیے بددُعا کیجیے۔ آپ نے بددُعا کی جگہ یہ دعا کی: اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا (یا اللہ دوس کو سیدھی راہ پر لگا)۔ اس کے بعد فرمایا کہ اپنی قوم میں واپس جاؤ اور انہیں اسلام کی طرف بلاتے رہو اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔ چنانچہ انہوں نے جا کر

دوبارہ تبلیغ کا سلسلہ شروع اور اپنے مساعی میں کامیاب ہوئے (سیرت ابنِ ہشام)

مادرِ ابوہریرہؓ کی سعادتِ ایمانی

اعداء کے حق میں دُعائے خیر کا ایک واقعہ مادرِ ابوہریرہ رض کا قبول اسلام سے تعلق ہے حضرت ابوہریرہ رض کا بیان ہے کہ میری والدہ مشرکہ تھیں اور میں ان کو اسلام کی طرف بلایا کرتا تھا لیکن انہیں قبولِ اسلام سے سخت انکار تھا۔ ایک دن جب میں نے ان کو قبولِ اسلام کی ترغیب دی تو انہوں نے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بُرا بھلا کہا اور آپ کی سخت توہین کی مجھے اس توہین کا اتنا صدمہ ہوا کہ میں بدحواس ہو گیا اور ایسی حالت میں آستانِ نبوت میں حاضر ہوا کہ میری آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا۔ میں نے استدعا کی یا رسُولُ اللہ! حق تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ ہادئ برحق مادرِ ابوہریرہؓ کو ہدایت کرے۔ آپ نے دُعا کی الٰہی! مادرِ ابوہریرہ رض کو ہدایت کر۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں اس دُعائے ہدایت پر نہایت فرحاں وشاداں اپنے گھر کو لوٹا۔ میں گھر پہنچا تو دروازہ بند پایا۔ میری ماں نے میرے پاؤں کی آہٹ سُن کر اندر سے کہا کہ ابھی ذرا باہر ہی ٹھیرے رہو۔ میں نے پانی گرنے کی آواز سُنی۔ میری والدہ غسل کر رہی تھیں غسل کر کے والدہ نے جلدی سے کپڑے پہنے اور دروازہ کھول کر کہنے لگیں ابوہریرہ! میں اس بات کا اقرار کرتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی سچّا معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اس کے بندہ اور رسُول ہیں۔ والدہ کی زبان سے کلمہ شہادت سُن کر میں رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایسی حالت میں حاضر ہوا کہ میں خوشی کے مارے رو رہا تھا۔ میں نے آپ کو اپنی والدہ کے قبولِ اسلام کا مژدہ سنایا۔ آپ نے الحمد للہ کہا اور بہت خوش ہوئے (مسلم)۔

بابُ سوّم

رئیسُ المنافقین کی عنادپسندیاں اور رحمتِ عالم کا کریمانہ برتاؤ

ابن اُبیّ کو بادشاہ بنانے کا فیصلہ

جب سرورِ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کو الوداع کہہ کر مدینہ کو اپنے نورِ قدوم سے منوّر فرمایا تو اس وقت وہاں کا سب سے بڑا سردار عبداللہ بن اُبَیّ بن سلول تھا۔ انصار کے دونوں قبیلے اَوس اور خزرج اس کے مطیع تھے۔ اس سے پہلے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا کہ دونوں قبیلوں نے ایک شخص پر اتفاق کیا ہو۔

اس اتفاقِ رائے کی وجہ یہ تھی کہ اَوس اور خزرج اپنی طویل خانہ جنگیوں سے تنگ آکر اس پر آمادہ ہو گئے کہ ایک ہاتھ پر جمع ہو جائیں اور آئندہ اپنے تمام معاملات میں اسی کے زیرِ ہدایت کام کریں اور ہر نزاع و اختلاف میں اس کے فیصلوں کے پابند رہیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے قبیلۂ خزرج کے ایک رئیس عبداللہ بن اُبَیّ بن سلول کو منتخب کیا اور اس کی تاج پوشی کی تیاریاں ہونے لگیں۔

اہلِ مدینہ نے ابن اُبیّ کے لیے ایک تاج تیار کیا تھا جس میں موتی اور رنگ برنگ کی کوڑیاں لگائی تھیں تاکہ اس کو اپنا بادشاہ بنائیں کہ اس اثناء میں اسلام ظاہر ہوا اور مدینہ کے دونوں قبیلے اسلام کی طرف رجوع ہو گئے۔ اور اس طرح تاجپوشی کی حسرت دل ہی میں

رہ گئی ۔

ابنِ اُبَیّ پر حضرت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ تشریف لانا بہت شاق گزرا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ آپ ہی کی ذات اس کی سلطنت کے قیام میں مخل ہوئی۔ وہ آپ کا دشمن ہوگیا۔ لیکن جب دیکھا کہ اس کی ساری قوم اسی رنگ میں رنگی گئی ہے تو وہ بھی ظاہرداری کے طور پہ اسلام لے آیا (سیرت ابن ہشام)

لیکن اس کے ساتھ ہی اعداے دین کی ایک جماعت بھی تیار کرلی جو منافقوں کے گروہ نام سے مشہور ہیں اور چونکہ ابنِ اُبَیّ اہلِ نفاق کا سردار تھا اس لیے اس نے رئیس المنافقین کے نکوہیدہ لقب سے شہرت پائی۔

فصل ۱۔ بادشاہت چھن جانے کا صدمہ

عبداللہ بن اُبَیّ فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہر وقت دانت پیستا رہتا تھا۔ ظاہری طور پر جو وہ حلقۂ اسلام میں داخل ہوا تو وہ بھی شروع ہی نہیں بلکہ بہت دن تک منتظر رہا کہ دیکھیے اُونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ ان ایام میں اس کا رویہ نہ صرف صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم بلکہ خود پیشوائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی سخت گستاخانہ رہا۔

تبلیغ نبوی کا گستاخانہ جواب

ایک دن آپ قبیلۂ خزرج کے رئیس اعظم حضرت سعد بن عُبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ سوار اور حضرت اُسامہ بن زید رضؓ آپ کے ردیف تھے۔ راہ میں ایک جگہ آپ نے دیکھا کہ مسلمان، بُت پرست اور یہود ایک جگہ بیٹھے ہیں۔ اسی مجلس میں عبداللہ بن اُبَیّ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ صحابی رضؓ بھی نظر پڑے۔ ابن اُبَیّ ہنوز ظاہر میں بھی مسلمان نہیں ہوا تھا سواری کے پاؤں سے خفیف سی گرد جو اُٹھی تو ابن اُبَیّ اپنی ناک چادر سے ڈھانک کر رسولِ خدا کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ ہم پہ گرد مت اُڑاؤ۔ آپ نے مناسب خیال نہ فرمایا کہ چپ چاپ پاس سے گزر جائیں۔

اس لیے آپ سواری سے اُترے اور السلام علیکم کہہ کر پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے مجمع کو دینِ حق کی طرف بُلایا۔ قرآن پڑھا اور کچھ پند و موعظت کی باتیں کہیں۔ ابنِ اُبَیّ کہنے لگا اے شخص! جو کچھ تم نے کہا اگر یہ سچ ہے تو اس سے بہتر کوئی بات نہیں لیکن ہماری مجلسوں میں آ کر ہماری سمع خراشی کرنا تمہارے لیے ہرگز مناسب نہیں۔ یہاں سے اپنے گھر کی راہ لو۔ وہاں کوئی شخص تمہارے پاس جائے تو ان کو یہ قصّے سُناؤ۔

مسلمانوں اور غیر مسلموں میں تلخ کلامی

اس مجلس میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور چند دوسرے اہلِ ایمان بھی موجود تھے۔ ابن رواحہؓ عرض پیرا ہوئے یا رسُولؐ اللہ! آپ ہمیں ان مواعظ سے ضرور سرفراز فرماتے رہیے اور ہماری مجلسوں میں اور ہمارے محلّوں اور گھروں میں قدم رنجہ فرمائیے۔ خدا کی قسم! یہ باتیں ہمیں جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ یہ تو وہ سعادت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں نوازا ہے اور ہدایت کا راستہ دکھایا ہے۔ اب مسلمانوں میں اور غیر مسلموں میں باہم تلخ کلامی شروع ہو گئی جو بڑھتے بڑھتے گالی گلوچ تک پہنچ گئی۔ قریب تھا کہ لوگ ایک دوسرے پر حلہ بول دیں۔ آپ نے مسلمانوں کو خاموش کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے بھی ٹھنڈے ہو گئے اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

سعدؓ کا بیان

جب آپ سعد بن عُبادہؓ کے ہاں پہنچے تو انہوں نے آپ کے رُخِ انور پر آثارِ ملال دیکھ کر آپ سے اس کا سبب دریافت کیا جس پر آپ نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ سعدؓ کہنے لگے یا رسُولؐ اللہ! آپ اس شخص سے نرمی ہی کا سلوک کیجیے۔ کیونکہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے ہم اس کی تاج پوشی کرنے والے تھے۔ وہ آپ سے اس لیے ناخوش ہے کہ اس کے زعم میں آپ نے اس کی بادشاہت چھین لی ہے (سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۳۷-۲۳۸)۔

افسوس کہ اس حرماں نصیب کے دل کی یہ گرہ کبھی نہ کھلی کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قدم فرما نہ ہوتے تو میں قوم کا فرماں روا ہوتا۔ حالانکہ اگر وہ سچّے دل سے ایمان لاتا تو یہ اس کے لیے

بلحاظِ مآل و انجام ہفت اقلیم کی بادشاہت سے زیادہ اہم تھا۔

فصل ۲۔ لشکرِ اسلام سے تین سَو منافقوں کی علیحدگی

جنگِ اُحد میں کفّارِ مکہ غزوہ بدر کی ہزیمت کا انتقام لینے کے لیے بڑے ساز و سامان سے آئے تھے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ باہر نکلنے کے بجائے شہر بند ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ عبداللہ بن اُبیّ نے بھی یہی صلاح دی تھی۔ لیکن بعض جوشیلے انصاری جوانوں نے جنہیں جنگِ بدر میں شریک ہو کر اپنی تلوار کے جوہر دکھانے کا موقع نہ ملا تھا اس پر اصرار کیا کہ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ عبداللہ بن اُبیّ نے کہا یا رسولؐ اللہ! مدینہ ہی میں ٹھیرے رہیے اور دشمن کی طرف چل کر نہ جائیے۔ واللہ! ہم لوگ جب کبھی شہر سے نکلے ہیں ہمیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا ہے، لیکن جو کوئی ہم پر چڑھ کر آیا اس نے زک اُٹھائی۔ آپ قریش کو ذرا آنے تو دیجیے، مرد اُن کا سامنے سے مقابلہ کریں گے اور عورتیں اور بچے ان پر چھتوں پر سے سنگ باری کریں گے"۔

لیکن انصاری جوان برابر اس پر مصر رہے کہ شہر سے . . . باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ سے فارغ ہو کر اپنے گھر میں گئے اور زرہ پہن کر لوگوں میں آئے۔ یہ دیکھ کر شہر سے نکل کر مقابلے پر اصرار کرنے والے سخت نادم ہوئے کہ ہم نے ناحق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مجبور کیا۔ اب وہ اظہارِ ندامت کرتے ہوئے عرض پیرا ہوئے کہ یا رسولؐ اللہ! ہم نے آپ کو آپ کی مرضی مبارک کے خلاف باہر نکلنے پر مجبور کیا۔ واقعی یہی مناسب ہے کہ ہم لوگ شہر ہی میں رہ کر مدافعت کریں۔ آپ نے فرمایا کہ کسی نبی کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ زرہ پہن کر اس کو رزم و قتال کیے بغیر اتار دے۔ چنانچہ آپ ہزار آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ نکل پڑے۔

جب آپ شوط کے مقام پر پہنچے جو مدینہ اور اُحد کے درمیان ہے تو عبداللہ بن اُبی اپنے

تین سو ساتھیوں کے ساتھ یہ کہہ کر واپس چلا آیا کہ جب ہمارے مشورے پر عمل نہیں کیا گیا تو ہمیں کیا پڑی ہے کہ دیدہ دانستہ نہنگِ اجل کے منہ میں جائیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام خزرجی رضی اللہ عنہ جو حضرت جابر انصاری رضؓ کے والدِ محترم تھے اہلِ نفاق وریب کے پیچھے آئے اور ان کو سمجھایا کہ دیکھو، اس نازک وقت میں اپنی قوم اور رسول اللہؐ کا ساتھ نہ چھوڑو اور مسلمانوں کی قوت کو صدمہ نہ پہنچاؤ۔ دشمن سامنے کھڑا ہے اور موقع بہت خطرناک ہے۔ لیکن رئیس المنافقین نے ایک نہ سُنی اور اپنے لوگوں کو لے کر چلا آیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضؓ نے فرمایا اللہ کے دشمنو! اچھا ہوا کہ اللہ نے تم لوگوں کو دفع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تم سے مستغنی کر دے گا۔ باوجودیکہ ثلث آدمیوں کے علیحدہ ہو جانے سے اسلامی جمعیت کو بہت صدمہ پہنچا تاہم شفیقِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر بھی ابن اُبی سے درگزر فرمایا (سیرت ابن ہشام)

فصل ۳۔ سات سَو واجب القتل عہد شکنوں سے درگذر

ظاہر ہے کہ رئیس المنافقین کی تمام معاندانہ کارستانیاں اس کی گم شدہ بادشاہت کے محور پر گردش کرتی تھیں۔ اس لیے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسے ہر عناد پرستی پر معذور رکھ کر اس سے کوئی باز پرس نہ فرماتے اور ہر موقع پر اس کی دلجوئی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے۔ آپ نے اس کی کوئی درخواست کبھی بھی مسترد نہ فرمائی یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ نے اس کی خاطر ایسے سات سو واجب القتل یہودیوں کی جاں بخشی فرما دی جو غداری، بدعہدی اور دوسری چیرہ دستیوں کی پاداش میں گردن زدنی تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

بنو قینقاع کی عہد شکنی

یہود کا قبیلہ بنو قینقاع مدینہ منورہ کے وسطی حصے میں آباد تھا۔ ان کے پاس اپنی دو گڑھیاں تھیں اور ان کا اپنا خاص بازار تھا۔ شہر کی تجارت بڑی حد تک ان کے ہاتھ میں تھی۔ یہود کے تینوں قبیلوں میں سے یہ

زیادہ طاقتور تھے اور انہیں اپنی طاقت کا بڑا گھمنڈ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچ کر تینوں یہودی قبیلوں سے معاہدے کر لیے تھے۔ ان تینوں میں سب سے پہلے بنو قینقاع نے نقضِ عہد کیا تھا۔

غزوۂ بدر کے بعد ان کی شرانگیزیاں مشاہدہ کر کے ایک دن سردارِ دو جہان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بذاتِ خود معاہدے پر قائم رہنے کی تلقین کی۔ اس پر وہ سخت گستاخی اور شوخ چشمی سے پیش آئے۔ آپؐ نے فرمایا خدا سے ڈرو، ورنہ کہیں تمہارا بھی وہی حشر نہ ہو جو بدر کے میدان میں قریش کا ہوا۔ انہوں نے نہایت شوخ چشمی سے جواب دیا کہ محمدؐ! کسی دھوکے میں نہ رہنا اور قریش کو منہزم کر کے اترانہ جانا۔ وہ فنِ حرب سے بے خبر تھے۔ ان کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ رزم و پیکار کس جانور کا نام ہے۔ خدا کی قسم! اگر تم نے کبھی ہم سے مقابلے کی جرأت کی تو ہم تمہیں بتادیں گے کہ بہادر اور مردِ میدان کیسے ہوتے ہیں۔ آپؐ نے ان خرافات پر صبر کیا اور وحیِ الٰہی کے منتظر رہے۔

یہودی سنار کی شرارت

کچھ دنوں کے بعد ایک نقاب پوش مسلمان عورت کچھ بیچنے کو قینقاع کے بازارِ صرافہ میں گئی۔ اسے فروخت کرنے کے بعد ایک یہودی سنار کی دوکان پر پہنچی۔ سنار اور دوسرے یہودی جو وہاں موجود تھے اس کے سر ہوئے کہ نقاب اٹھادے لیکن اس عفیفہ نے اس سے انکار کیا۔ اس پر سنار نے چپکے سے اس کے تہبند کا کونا اس کی پشت کی جانب اس طرح باندھ دیا کہ جب وہ کھڑی ہوئی تو اس کا ستر کھل گیا۔ عورت کو بے پردہ دیکھ کر یہودی کھل کھلا کر ہنس پڑے اور اس کا بُری طرح مذاق اُڑایا اور ہر یہودی اس کو چھیڑنے لگا۔ عورت نے دُہائی مچائی۔ اس پر قریب سے ایک انصاری مسلمان جھپٹا اور عالمِ غیظ میں سنار کو قتل کر دیا۔ بازار یہودیوں کا تھا۔ انہوں نے ہلّہ کر کے اس اکیلے مسلمان کو گھیر لیا اور اسے مار مار کر وہیں ڈھیر کر دیا۔ یہ دیکھ کر مسلمان بھی جمع ہونے شروع ہو گئے اور ہنگامۂ کارزار گرم ہو گیا۔

بنو قینقاع کا محاصرہ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے حضرت ابو لبابہ بشیر بن عبدالمنذر انصاری اوسیؓ کو اپنا جانشین مقرر فرما کر بنو قینقاع کا رُخ کیا اور وہاں پہنچ کر ان کا محاصرہ کر لیا۔ جب محاصرے کو کئی راتیں گزر گئیں تو یہودیوں نے تنگ آ کر ہتھیار ڈال دیے اور لشکر اسلام نے تمام محصورین کو گرفتار کر لیا۔ اب رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبیّ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! بنو قینقاع پر رحم کیجیے۔ ابن اُبیّ منافق خزرجی تھا اور یہود بنو قینقاع قبیلۂ خزرج کے حلیف تھے۔

آپؐ نے رئیس المنافقین کو کچھ جواب نہ دیا۔ اس نے مکرر یہی درخواست کی۔ آپؐ نے غضب آلود ہو کر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ ابن اُبیّ نے آپؐ کی زرہ کا دامن پکڑ لیا۔ آپؐ نے فرمایا چھوڑ دے۔ بولا، جب تک آپ میرے حُلفاء کی جان بخشی نہ فرمائیں گے میں ہرگز نہ چھوڑونگا اور کہنے لگا یہ سات سو آدمی ایسے شجاع و جانباز ہیں کہ کسی کے مقابلہ میں جی نہیں چراتے۔ کیا آپ ان کے تہور و شجاعت کو نظر انداز کر کے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے؟ اس پر آپؐ کا بحرِ کرم متلاطم ہوا۔ فرمایا جا تجھے بخش دیے۔ چنانچہ فی الفور سب رہا کر دیے گئے۔ عبداللہ بن اُبیّ اس عفو و کرم پر بہت خوش ہوا (سیرت ابن ہشام)

فصل ۴

رئیسُ المنافقین کا قبیلۂ بنو نضیر کو اطاعت پذیری سے منع کرنا

بعثت نبویؐ سے چند صدیاں پہلے جب یہودی قوم مصائب و آلام کا بُری طرح شکار ہوئی تھی تو ان ایام میں ان کی ایک بڑی تعداد یثرب کے آس پاس اس خیال سے آبسی تھی کہ نبی آخر الزمان جس کی موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی تھی وہ یہیں آ کر رہے گا۔ انہیں توقع تھی کہ

یہی شہر آفتاب رسالت کا تجلّی گاہ بنے گا اور وہ اس پیغمبر آخر الزمان کی عون و نصرت سے اپنا گزشتہ جاہ و جلال بحال کر سکیں گے۔ منجملہ ان آبادکاروں کے مدینہ منورہ سے دو دو میل کے فاصلہ پر بنو نَضِیر اور بنو قُرَیظہ یہود کے دو قبیلے آباد تھے۔

یہود کی حرماں نصیبی

آخر وہ ساعت سعید آ پہنچی جس کا یہودی آبادکاروں کو صدیوں سے انتظار تھا۔ نیّر رسالت اُفق مکہ سے طلوع ہو کر یثرب کی وادیوں پر ضیاء افگن ہوا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ یہودی سب سے پہلے اس پیغمبر موعود کی برکت قدوم سے سعادت اندوز ہوتے لیکن حرماں نصیبی کا کمال دیکھو کہ آپ کی دعوت پر لبیک کہنے کی بجائے یہی یہودی اہل مدینہ میں سب سے پہلے آپؐ کی رسالت کے منکر ہوئے اور یہ کہنا شروع کیا کہ جس پیغمبر آخر الزمان کے ظہور کی موسیٰ علیہ السلام نے اطلاع دی تھی، یہ قُرَشی مدّعی وہ نبی موعود نہیں ہیں۔

یہود سے معاہدۂ صلح

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد ازخود یہود کے متذکرہ صدر دونوں قبیلوں کی طرف محبت اور دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور یہ دونوں معاہدۂ صلح کر کے آپؐ کے حلیف ہو گئے۔ اس عہد و پیمان کے باوجود بنو نَضِیر کے سردار سلام بن مشکم نے کفار مکہ کے قائد ابوسفیان بن حرب کو جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر شبخون مارنے کی کوشش میں مدینہ آئے تھے، اپنے ہاں مہمان رکھا اور ہر طرح سے امداد و نصرت کا وعدہ کیا۔ چنانچہ ابوسفیان نے اس کی مدد سے بعض انصار مدینہ پر جو اپنے کھیتوں میں مصروف کار تھے رات کو حملہ کیا اور صحابۂ کرامؓ نے خبر پا کر ان کا تعاقب کیا۔ اس کے بعد بنو نضیر کھلم کھلا قریش مکہ سے نامہ و پیام کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ان کے رئیس اعظم کعب بن اشرف نے چالیس سواروں کے ساتھ مکہ جا کر مسلمانوں کے خلاف قریش سے عہد و پیمان کیا۔

اب بنو نضیر معاہدے کو بالائے طاق رکھ کر اسلام کے خلاف سازشوں اور طرح طرح کے

منصوبوں میں منہمک تھے کہ استنے میں اُحد کی جنگ میں مسلمانوں کو اپنی ہی ایک غلطی کی بنا پر قریش سے ہزیمت پہنچی۔ یہ دیکھ کر وہ علانیہ مخالفت اور سرکشی پر اتر آئے اور صرف انہی غداریوں پر اکتفا نہ کیا بلکہ آپؐ کی جان لینے کی بھی خفیہ تدبیریں کرتے رہے۔

سیّد الانبیاءؐ پر چکی کا پاٹ گرانے کا منصوبہ

اتفاق سے آپؐ ۴ھ میں ایک مرتبہ چند صحابہؓ کے ہمراہ ایک مقدمہ خونبہا کے سلسلہ میں بنو نضیر کی گڑھی میں تشریف لے گئے۔ ان کے رؤسا و عمائد آپ کو گڑھی کی دیوار کے ساتھ بٹھا کر کہنے لگے: ابوالقاسمؐ! آپ ایک لحظہ تشریف رکھیے۔ ہم ذرا آپ حضرات کی ضیافت کا انتظام کر لیں۔ فراغت کے بعد آپ سے گفتگو کریں گے۔ یہودی آپؐ کو محمدؐ یا احمدؐ کی بجائے ہمیشہ کنیت سے پکارا کرتے تھے تاکہ اپنی کتابوں اور صحیفوں کے رُو سے جن میں آپ کا اسم گرامی محمدؐ اور احمدؐ لکھا تھا ملزم نہ ٹھیریں۔

وحیٔ الٰہی کا مطلع کرنا

آپ پشت بدیوار بیٹھ گئے۔ اب ان میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف رازدارانہ صلاح مشورہ ہونے لگا۔ ان کا ایک رئیس یحیٰی بن اخطب بولا "اے گروہِ یہود! محمدؐ سے خلوت کا ایسا سنہری موقع تمہیں پھر کبھی ہاتھ نہ آئے گا۔ اس موقع کو غنیمت جانو اور ان کے اوپر چھت پر سے چکی کا پاٹ گرا کر ان کا کام تمام کر دو"۔ ایک یہودی عمرو بن جُحاش (بضم جیم و تخفیف حاء حطّی) بولا اس خدمت کو میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ چنانچہ اس نے گڑھی کی پچھلی جانب سے چکی کا پاٹ چھت پر چڑھا دیا لیکن اس سے پیشتر کہ وہ اپنے ناپاک منصوبہ کی تکمیل کر سکتا، جبریل علیہ السلام نے نازل ہو کر آپ کو یہودی بدسگالی کی اطلاع دے دی۔

آپؐ کی اچانک روانگی

آپ فی الفور چپکے سے تنہا ایسی ہیئت پر کہ گویا کوئی قضائے حاجت کے لیے جانا ہے اُٹھ کر شہر کو چل دیے۔ چلتے وقت آپ نے اپنے ساتھیوں سے اس کا اظہار نہ فرمایا کیونکہ اندیشہ تھا کہ اگر بنونضیر نے بھانپ لیا کہ ان کا راز فاش ہو گیا ہے تو وہ یکبارگی سب پر ٹوٹ پڑیں گے۔ کیونکہ آپؐ اور آپ کے جان نثار نہتے

تھے اور آپ گویا شیر کے بھٹ میں جا داخل ہوئے تھے۔ آپ کے رفقاء کچھ دیر آپ کے منتظر رہے۔ جب آپ لوٹ کر نہ آئے تو وہ بھی اٹھ کر آپ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ آپ نے ان کو حقیقتِ حال سے خبردار کیا۔ تمام حضرات یہودیوں کی شقاوت اور سیاہ باطنی پر محوِ حیرت رہ گئے۔

ایک یہودی عالم کی طرف سے قبولِ اسلام کی تحریک

جب بنو نضیر نے دیکھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لوٹ کر نہیں آئے تو وہ اپنے نامراد اقدام پر کفِ افسوس ملنے لگے۔ ان کا ایک عالم جو کنانہ کے نام سے مشہور تھا کہنے لگا اے میری قوم! مجھے یقین ہے کہ خدائے خبیر نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمہارے غدر سے آگاہ کر دیا ہے۔ بھائیو! اپنے آپ کو فریب میں نہ ڈالو اور غلط فہمی چھوڑ دو۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی رسول خدا اور خاتم انبیاء ہیں۔ ہمیں امید تھی کہ خاتم انبیاء ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہوں گے لیکن حق تعالیٰ نے جس کو چاہا اس شرف سے نوازا اور جس پر چاہا اس سعادت کے دروازے کھول دیے۔

اس کے بعد کنانہ کہنے لگا کہ ہم نے تورات میں پیغمبرِ آخر الزمان کے جو صفات پڑھے ہیں وہ سب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذاتِ گرامی پر منطبق ہوتے ہیں۔ اس وقت رہ رہ کر مجھے یقین ہوتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس غداری پر لازماً تمہیں اجلاء و اخراج کی سزا دیں گے پس مصلحتِ وقت یہ ہے کہ دو میں سے ایک کام کرو۔ صواب اور اولیٰ تو یہ ہے کہ ان پر ایمان لے آؤ کہ دنیا اور آخرت کی فلاح اسی میں ہے۔ اس صورت میں تمہیں جلاوطنی کی مصیبت سے بھی نجات مل جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جزیہ دے کر رہنا قبول کرو تاکہ تمہارے اموال محفوظ رہیں۔ یہود نے کہا کہ ہم اجلاء گوارا کر لیں گے لیکن نہ تو اسلام قبول کریں گے اور نہ ہمیں جزیہ دے کر اغیار کی ماتحتی میں رہنا گوارا ہے۔

دربارِ رسالت سے جلاوطنی کا فرمان

یہودی عالم کنانہ کا گمان جو قرائنِ حالیہ نے اس کے مخیلۂ دماغ میں پیدا کیا بالکل صحیح تھا۔ حاملِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بنو نضیر کو پیغام بھیجا کہ تم لوگ برابر نقضِ عہد اور

غداریوں کے مرتکب ہو رہے ہو اور اب تمہارا تازہ غدر یہ تھا کہ تم میرے درپئے جاں ستانی ہوئے اس لیے تم لوگ دس دن کے اندر یہاں سے چلے جاؤ۔ اگر اس مدت کے بعد تمہارا کوئی آدمی یہاں پایا گیا تو اس کی گردن ماردی جائے گی۔

اس فرمان کے بعد یہودانِ بنی نضیر کے لیے بجز اس کے کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ بطیبِ خاطر مدینۃ الرسول کو الوداع کہہ دیں۔ چنانچہ سب نے اپنا اپنا مال واسباب سمیٹنا اور باندھنا شروع کر دیا۔ اپنے اونٹوں کو صحرا سے لے آئے اور کرایہ کے اونٹ حاصل کرنے کا بھی انتظام کرنے لگے۔ تاکہ مدت معہود سے پہلے اپنی آبادی خالی کر دیں۔

ابنِ اُبَیّ کا گمراہ کُن پیغام

عبداللہ بن اُبَیّ رئیس المنافقین کو بنی نضیر سے کوئی ہمدردی نہیں تھی تاہم اس نے اس اثنا میں محض رسُولِ خدا کی عداوت کی بنا پر نضیریوں کے پاس پیغام بھیج دیا کہ اپنے وطن سے مت نکلو اور اپنے قلعوں میں متمکن ہو کر فراغ بالی اور مرفہ الحالی سے بیٹھے رہو۔ میرے پاس تمہاری امداد کے لیے دو ہزار نہایت کار آزمودہ جانبازوں کی جمعیت موجود ہے۔ یہ لوگ جانیں لڑا دیں گے مگر تم پر آنچ نہ آنے دیں گے۔ علاوہ ازیں یہودان بنو قریظہ اور ان کے حلیف بنو غطفان بھی ہر طرح سے تمہارے مددگار ہیں۔ ان ہمدردوں اور ہواخواہوں کی موجودگی میں مسلمان تمہارا بال تک بیکا نہیں کر سکتے۔

اہل نفاق اپنا کفر وعناد ہمیشہ مخفی رکھتے تھے لیکن اس وقت ابن اُبَیّ نے اپنی عداوتِ رسُولؐ کا کھلم کھلا مظاہرہ کر کے اپنے نفاق کا پردہ بھی چاک کر دیا۔ یہودی اس کے پیغام سے قوی پُشت اور مغرور و مسرور ہو گئے لیکن نہیں جانتے تھے کہ امداد کا یہ وعدہ محض سراب اور سراسر مغالطہ اور فریب کاری ہے۔ غرض بنو نضیر نے سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیج دیا کہ ہم اپنی آبادی سے باہر نہیں نکلتے۔ تم سے جو کچھ ہو سکے کر لو۔

بنو نضیر کا محاصرہ

جب یہ پیغام سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک میں پہنچا تو آپؐ نے عبداللہ بن اُمّ مکتوم صحابیؓ کو شہر میں اپنا خلیفہ مقرر کیا اور

صحابہ کو لے کر ان کے سر پر جا پہنچے ۔ یہودی قلعہ بند ہو گئے اور سپاہ اسلام نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ یہودیوں نے مجاہدین پر سنگ باری اور تیر اندازی شروع کر دی اور عشار تک مصروف پیکار رہے ۔ نماز عشار سے فراغت پا کر پیشوائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم آستان مبارک کو مراجعت فرما ہوئے اور صحابۂ کرام برابر محاصرے میں مشغول رہے ۔ یہ محاصرہ پندرہ شب تک جاری رہا ۔ اس مدت میں ابن اُبی اور دوسرے منافق منہ چھپائے بیٹھے رہے ۔ ان میں کوئی ادنیٰ جنبش پیدا نہ ہوئی اور نہ بنو قُریظہ یا بنو غطفان ہی میں سے کوئی محصورین کی مدد کو پہنچا ۔

جلا وطنی پر آمادگی جب قلعوں میں چھپے ہوئے یہودیوں کے باہر نکلنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو مقتدائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ نضیریوں کے باغ کاٹ دو اور کھجور کے درخت جلا دو تاکہ باہر نکلنے پر مجبور رہوں"۔ جب یہ اقدام شروع ہوا تو خدائے عزیز نے محصورین کے دلوں میں رُعب ڈال دیا ۔ انہوں نے حضرت مقدسۂ نبویہ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمیں چھوڑ دو ہم کہیں چلے جاتے ہیں ۔ آپ نے جواب دیا کہ اب تمہاری درخواست اس شرط پر منظور ہے کہ اپنے تمام اسلحہ یہیں چھوڑ جاؤ اور اسی قدر مال و متاع لے جاؤ جس قدر تمہارے چارپائے اُٹھا لے جا سکیں ۔ وہ اس شرط پر آمادہ ہو گئے ۔

اب انہوں نے اپنا اسباب سمیٹنا اور اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے خراب کرنا شروع کیا ۔ آخر چھ سو اونٹوں پر اپنا اثاث البیت لاد کر بعض شام کی طرف اور بعض خیبر کو اور کچھ دوسرے اطراف کی طرف کوچ کر گئے اور اس طرح مدینہ منورہ کی مذہبی فضا نضیری شر و فساد سے پاک ہو گئی ۔ بنو نضیر جاتے وقت حسد اور حرص کے مارے اپنے گھروں کی چھتیں، بازو، کڑیاں، تختے تک لا دے گئے ۔ یہ واقعہ ربیع الاوّل ۴ھ کا ہے ۔ اسلحہ جو چھوڑ کر گئے یہ تھے ۔ پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں ۔ آپ نے یہ اسلحہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیا ۔

جائداد متروکہ کا مہاجروں میں تقسیم کیا جانا اس وقت تک حضرات مہاجرین کرام انصار

کے گھروں میں اقامت گزیں رہتے۔ انصار نے انہیں اپنے اموال، باغات، اور دوسری اشیاء میں برابر شریک کر رکھا تھا۔ نضیریوں کے کوچ کے بعد آپؐ نے انصار کو ایک جگہ جمع کر کے ان کی اُس امداد کا شکریہ ادا کیا جو ان کی طرف سے اب تک مہاجروں کو دی جارہی تھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر آپ حضرات کی خواہش ہو تو میں بنو نضیر کے اموال تم لوگوں میں تقسیم کر دوں اور مہاجر بدستور سابق تمہارے مساکن میں بود و باش رکھیں، اور اگر چاہو تو دوسری صورت یہ ہے کہ نضیریوں کے متروکات مہاجروں میں تقسیم کر دیے جائیں اور وہ تمہارے منازل سے علیحدہ ہو جائیں تاکہ یہ اموال ان کے اُمورِ معاش کے لیے کفالت کریں اور آئندہ کے لیے ان کی امداد کا بوجھ بھی تمہارے سروں سے اُتر جائے۔

انصار کے دونوں بڑے سردار سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! ہماری خواہش یہ ہے کہ آپ بنو نضیر کے متروکات مہاجروں میں تقسیم فرما دیں۔ کیونکہ انہوں نے محض اللہ کی خاطر اور دین کی محبت میں اپنے گھر بار اور مال و اسباب چھوڑ کر غربت اختیار کی تھی اور وہ حسب سابق ہمارے گھروں میں بھی متمکن و مستقر رہیں کیونکہ ہمارے گھروں میں جس قدر خیر و برکت ہے وہ انہی کے قدوم مبارک سے ہے۔ آپؐ نے دوسرے انصار سے بھی ان کی مرضی دریافت کی۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو اُن کے سردار دے چکے تھے۔ آپ انصار کی اس فیّاضی اور فراخ دلی پر بہت محظوظ ہوئے اور ان کے حق میں دُعائے خیر کر کے بنو نضیر کے متروکات مہاجرین کرام رضؓ میں تقسیم فرما دیے (سیرت ابن ہشام، تاریخ طبری، مدارج)

اہل ایمان کا نادان دشمن اور یہود کا نادان دوست

گو نضیریوں کا انجام و مآل وہی ہوا جس کا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قصد فرمایا تھا لیکن رئیس المنافقین نے اشتعال انگیزی کر کے نہ صرف داعیٔ اسلام اور پیروانِ اسلام کے کام میں مزاحمت اور طوالت پیدا کر دی بلکہ اس نے یہودیوں کو بھی اپنی حماقت سے

مزید مدت کے لیے مصائب کا آماج گاہ بنائے رکھا۔ نفیری اپنے انکار و تمرد سے پہلے اسلحہ وغیرہ ہر چیز لے جا سکتے تھے، اب وہ اسلحہ سے محروم کر دیے گئے۔ غرض ابن اُبَیّ کی شرانگیزی بجز غیر ضروری تعویق و تاخیر کے اہل ایمان کو تو کوئی نقصان نہ پہنچا سکی۔ البتہ یہودیوں کو بیش از بیش نقصان پہنچا گئی۔ پس وہ اہل ایمان کا نادان دشمن اور یہود کا نادان دوست ثابت ہوا۔ نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتنہ انگیزی کی کبھی اسے کوئی سزا نہ دی بلکہ زبانی بھی اس اقدام پر اس کو کبھی ملامت و سرزنش نہ فرمائی۔

فصل ۵۔ اُمّ المومنین صدیقہ طاہرہؓ پر بہتان تراشی

ابنِ اُبَیّ کا قلبِ مبارک کو ٹھیس لگانا

عبداللہ بن اُبَیّ منافق انواع و اقسام کی نوازشوں اور کرم فرمائیوں کے باوجود تا دمِ مرگ شفیقِ انام علیہ التحیۃ والسلام کی ایذا رسانیوں میں منہمک رہ کر جلے دل کے پھپھولے پھوڑتا رہا۔ اس احسان فراموش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو جو صدمے پہنچائے ان میں سب سے بڑا صدمہ وہ تھا جو اس نے آپ کی حرم محترم اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگا کر پہنچایا۔ انسان ہر چیز کا متحمل ہو سکتا ہے لیکن اُس داغ کو برداشت نہیں کر سکتا جو اس کی عزت و ناموس پر لگایا گیا ہو۔ اور پھر اس قسم کا ناپاک الزام اس حریمِ عصمت پر عائد کرنا جس کی بدولت خود طہارت و پاکیزگی کو شرف حاصل ہوا، انتہا درجہ کی شرمناک حرکت تھی۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ آپؐ کے رفیقِ غار و دستِ راست امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دختر اور آپؐ کی محبوب ترین حرم تھیں۔ اس لیے اس بہتان تراشی نے آپ کے قلب مبارک کو جس درجہ ٹھیس لگائی ہو گی محتاج تشریح نہیں۔

ان ایام میں مدینہ طیبہ اور اس کے مضافات میں آپ ہی کی حکومت تھی اس لیے آپؐ رئیس المنافقین اور اس کے منافق پیروؤں کو اس جرم کی ہر بڑی سے بڑی سزا دے سکتے تھے۔

اور اگر سزا دیتے تو عین انصاف تھا۔ لیکن آپؐ نے ان سے درگزر فرمایا، کیونکہ حد گناہ سے پاک کرنے کے لیے ہوتی ہے، اور منافق جو ابدالآباد جہنم میں رہیں گے حد سے پاک نہیں ہو سکتے تھے۔

یہ انتہائی دل فگار و اندوہناک داستان زبان قلم پر نہ لائی جاتی لیکن اس داستان غم کے پہلو میں صبر و تحمل اور عفو و درگزر کا بحر بیکراں موج زن ہے، لاجرم اس کو حوالۂ قرطاس کیا جاتا ہے۔

ہار کی گمشدگی

حضرت فخر الاولین والآخرین کا معمول تھا کہ جب آپ عازم سفر ہوتے تو ازواج طاہرات میں قرعہ ڈالتے۔ جن حرم محترم کے نام پر قرعہ نکلتا آپ ان کو ساتھ لے جاتے۔ ہجرت کے پانچویں سال غزوۂ مریسیع کے سفر میں امّ المومنین حضرت عائشہ رضؓ کے نام کا قرعہ نکلا۔ چنانچہ وہ آپ کے ساتھ گئیں۔ یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب پردے کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ سفر میں معمول یہ تھا کہ جب اُمّ المومنین اپنے ہودے میں بیٹھ جاتیں تو صحابۂ کرام رضؓ ہودے کو اٹھا کر اُونٹ پر رکھ دیتے تھے اور جب قیام ہوتا تو ہودے کو اونٹ سے اتار کر زمین پر رکھ دیتے۔

واپسی پر جب مدینہ تھوڑے فاصلے پر رہ گیا تو ایک جگہ مقام ہوا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و السلام نے رات ہی کے وقت کوچ کا حکم دیدیا۔ اُمّ المومنین ہودے سے اُتر کر قضائے حاجت کے لیے لشکر سے دُور چلی گئیں اور فارغ ہو کر اپنی سواری کے پاس واپس آئیں۔ جونہی سینے کو ہاتھ لگایا انہیں محسوس ہوا کہ گلے کا ہار جو چلتے وقت اپنی ہمشیر حضرت اسماء رضؓ سے مستعار لائی تھیں کہیں ٹوٹ کر گر گیا ہے۔ اس کی تلاش میں واپس گئیں، لیکن یہ غلطی تھی۔ ہار کے گم ہونے کا واقعہ آنحضرتؐ کے گوش گزار کر دینا چاہیئے تھا۔ مگر نوشتۂ تقدیر کو کون ٹال سکتا ہے۔

لشکر کا کوچ اور اُمّ المومنینؓ کا تنہا پیچھے رہ جانا

اُمّ المومنین رضؓ کو وہاں ہار کی تلاش میں کچھ دیر لگ گئی۔ اتنے میں

جو لوگ اُمّ المومنین کے ہودے کو اٹھا کر اونٹ پر رکھتے تھے وہ آئے اور حسبِ معمول ہودے کو اُونٹ پر کس دیا۔ انہوں نے اٹھاتے وقت یہی گمان کیا کہ اُمّ المومنین ہودہ میں موجود ہیں۔ ہودے کا بوجھ معمول سے کم اس لیے محسوس نہ کیا کہ ان ایام میں اُمّہات المومنین کو سدِ رمق سے زیادہ غذا نہیں ملتی تھی۔ علاوہ ازیں خواتینِ اسلام ایک دو لقموں پر بھی اکتفا کر لیتی تھیں اس لیے نہایت ہلکی پھلکی ہوتی تھیں۔ مزید براں اُمّ المومنین کی عمر بھی ابھی بہت کم تھی۔ الغرض ہودہ کس کر اُونٹ کو چلتا کر دیا گیا۔

لشکر کے کوچ کر جانے کے بعد اُمّ المومنین ہار لے کر اس مقام پر پہنچیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ ہو کا عالم ہے۔ نہ کوئی آدمی ہے نہ آدم زاد، اور نہ کسی طرف سے کوئی انسانی آواز سنائی دیتی ہے۔ سخت حیران و پریشان ہوئیں۔ آخر مجبور ہو کر اس خیال سے کہ ان کی تلاش میں ضرور کوئی نہ کوئی آئے گا، اسی جگہ بیٹھ گئیں۔ اتنے میں ان کی آنکھ لگ گئی اور چادر اوڑھ کر وہیں سو گئیں۔

حضرت صفوانؓ کا اُمّ المومنینؓ کو سوار کرنا

لشکرِ اسلام کے پیچھے ایک شتر سوار لشکر کی گری پڑی چیز اُٹھا لینے کی غرض سے ذرا فاصلے پر رہا کرتا تھا۔ اس سفر میں ایک ضعیف العمر صحابی حضرت صفوان بن معطل سلمی ذکوانی رضی اللہ عنہ پیچھے آرہے تھے۔ جب وہ اس مقام کے قریب پہنچے تو انہوں نے کسی قدر فاصلہ سے آدمی کی پرچھائیں دیکھی۔ چونکہ انہوں نے پردہ کا حکم ہونے سے پہلے ام المومنین کو دیکھا تھا، قریب آتے ہی معلوم کر لیا کہ اُمّ المومنین ہیں اور زور سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہا۔ اس آواز سے ان کی آنکھ کھل گئی۔ اُٹھ بیٹھیں اور اپنا چہرہ چادر سے چھپا لیا۔ حضرت صفوان معًا اپنے اونٹ سے اُترے اور اُمّ المومنین کو سوار کر کے مہار پکڑی اور شہر کی طرف لے چلے۔ لشکر ان سے پہلے پہنچ چکا تھا۔ ام المومنین بھی سخت دوپہر کی گرمی میں مدینہ منورہ پہنچیں۔

اہلِ نفاق کی افترا پردازی

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَی اپنی طرف سے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عیب گیری اور ایذا رسانی کا کوئی موقع

ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ اس نے ازراہِ شقاوت اُمّ المومنینؓ پر عیب لگانا شروع کر دیا۔ اور تمام منافق بھی اس کے ہمنوا ہو گئے۔ سیّد موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو اس افترا پردازی کا علم ہوا تو آپ سخت رنجیدہ ہوئے اور اُمّ المومنین سے کشیدگی اختیار کی۔ منافقوں نے شہر میں اودھم مچا دیا اور ہر طرف چرچا کرنے لگے۔ اُمّ المومنینؓ مراجعت فرماتے ہی علیل ہو گئی تھیں۔ لیکن انہیں اس افترا پردازی کا ہنوز کوئی علم نہ تھا۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے دَورانِ علالت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شفقت نہ دیکھی جو اس سے پیشتر میرے حال پر معطوف تھی۔ میری بیماری کے دَوران میں جب آپ گھر میں تشریف لاتے تو سلام کرتے۔ پھر فرماتے کہ یہ عورت کیسی ہے؟ میں سخت حیرت زدہ تھی کہ آخر اس تغیر اور بے رُخی کی وجہ کیا ہے؟ ایک تو علیل تھی، دوسرے حضورؐ کی بے التفاتی کا غم تھا میری حالت دم بدم ردّی ہوتی گئی۔

اُمّ المومنینؓ کا طوفانِ افتراء پر مطلع ہونا

اُمّ المومنینؓ کا بیان ہے کہ ایک دن میں شہر سے باہر مناصع کی طرف ام مسطح ابنت ابی رہم بن مطلب بن عبد مناف) کے ساتھ بیت الخلاء کے لیے نکلی۔ اس وقت تک ہمارے گھروں کے ساتھ پاخانے نہیں بنے تھے اور ہم اگلے عربوں کی طرح بیت الخلاء کے لیے جنگل جایا کرتے تھے۔ ہم لوگ رات کو نکلا کرتے اور رات ہی کو چلے آتے اور یہ اُمّ مسطح میرے والد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خالہ کی نواسی تھیں۔ جب میں اور اُمّ مسطح جنگل سے گھر کو واپس آ رہی تھیں تو مسطح کی ماں کا پاؤں ان کی چادر میں اُلجھ گیا۔ بولیں مسطح ہلاک ہوا۔ میں نے کہا مسطح کی ماں! تم نے بُری بات منہ سے نکالی۔ تم اپنے اس بیٹے کو بُرا کہتی ہو جو مہاجر اور بدری صحابی ہے؟

مسطح کی ماں کہنے لگی تم کو معلوم نہیں مسطح نے مجھے کیسی اندوہناک بات آشنائی ہے؟ میں نے پوچھا وہ کیا بات ہے؟ اُمّ مسطح نے مجھے افتراء کی اطلاع دی جو ابن اُبَیّ اور اس کے

منافق ساتھیوں نے باندھ رکھا تھا۔ یہ سن کر میرے ہوش اُڑ گئے۔ میری بیماری ترقی کر گئی اور میرا حال پہلے سے زیادہ زبون ہوگیا۔"

اُمّ المومنین کا اپنے میکے جانا

اُمّ المومنین فرماتی ہیں کہ "جب میں گھر پہنچی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حسب معمول سلام کر کے فرمایا اب اس عورت کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے اپنے والدین کے ہاں جانے کی اجازت دیتے ہیں؟ اس سے میری یہ غرض تھی کہ وہاں جا کر اس طوفان کی تحقیق کروں۔ آپ نے مجھے اجازت دی۔ میں بیمار تو پہلے سے تھی، اس صدمۂ جانکاہ نے اور بھی بدحال کر دیا۔ میں نے میکے میں جا کر والدہ سے کہا اماں! آپ کو معلوم ہے کہ میرے ذمے ایسی تہمت لگی ہے؟ والدہ نے کہا بیٹی! اس کا کچھ خیال نہ کرو اور اس کو کچھ اہمیت نہ دو۔ کیونکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کو چاہتا ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں اور پھر اس کے سر عیب نہ تھوپے جائیں۔"

اُمّ المومنین کی والدہ محترمہ حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا کے الفاظ سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ ان کے زعم میں اس افترا کی بانی بعض اُمّہات المومنین تھیں۔ لیکن حاشا وکلا ایسا نہیں تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شبانہ روز کی تعلیم و تربیت نے اُمّہات المومنین کے نفوس کو اس درجہ مزکّٰی و مجلّٰی کر دیا تھا کہ ان میں سے کسی سے قذف و بہتان جیسی شناعت کا ارتکاب بعید از فہم اور محال تھا۔ افترا کے بانی تو اعدائے حق ابن اُبَیّ اور اس کے نفاق پیشہ پیرو تھے۔ اُمّ المومنینؓ فرماتی ہیں کہ نیند کا تو کیا ذکر ہے میں رات بھر روتی رہی اور اسی طرح صبح کے وقت بھی مصروف بکا تھی۔

حضرت اُسامہؓ اور حضرت علیؓ سے مشورہ

انبیاء علیہم السلام غیب داں نہیں تھے انہیں صرف ان غیبی امور سے مطلع فرمایا جاتا تھا جن کا علم ان کے منصب رسالت کے لیے ضروری تھا۔ عالم الغیب خدائے احد

کی ذات ہے جس کو ہر وقت ہر چیز کا بغیر کسی ذریعہ کے علم ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا ذریعۂ غیب دانی وحی تھا۔ جب تک وحیٔ الٰہی کسی معاملہ میں ان کی رہنمائی نہیں کرتی تھی وہ برابر حقیقتِ حال سے بے خبر رہتے تھے۔ طوفانِ افتراء کے بارہ میں چونکہ منجانب اللہ بہت دن تک کوئی اطلاع نہ آئی اس لیے حاملِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم متذبذب اور پریشان رہے۔

اُمّ المومنین حضرت صدیقہ رضؓ کا بیان ہے کہ آپ نے اُسامہ بن زید اور علی بن ابو طالب (رضی اللہ عنہما) کو بلا کر ان سے میرے جدا کرنے (طلاق دینے) کے متعلق مشورہ کیا۔ اسامہ رضؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! جناب عائشہ رضؓ آپ کی عصمت شعار بی بی ہیں اور ہم تو نیکی اور پاک دامنی کے سوا ان کی کوئی بات نہیں جانتے"۔ جب علی مرتضیٰ رضؓ کی رائے دریافت کی گئی، تو انہوں نے (یہ دیکھ کر کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اس افتراء پردازی پر سخت ملول اور افسردہ خاطر ہیں، آپ کے رفع اندوہ اور تسکین خاطر کے خیال سے) کہا یا رسول اللہ! ازواج کے متعلق آپ پر منجانب اللہ کوئی پابندی عائد نہیں ہے۔ (حضرت عائشہ رضؓ پر کیا موقوف ہے) آپ کو بیویوں کی کچھ کمی نہیں ہے۔

بریرہ سے دریافت حال

(لیکن جب حضرت علی رضؓ نے دیکھا کہ اس جواب سے حضورؐ کی تسکین خاطر نہیں ہوئی تو پھر کہنے لگے) یا رسول اللہ! جناب عائشہ رضؓ کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے ہوں تو ان کی لونڈی بریرہ کو بلا کر دریافت فرمائیے۔ چنانچہ آپ نے بریرہ کو بلایا اور فرمایا اے بریرہ! کیا تو نے کبھی عائشہ رضؓ کی کوئی ایسی بات دیکھی ہے جس سے تمہارے نزدیک ان کی پاک دامنی مشتبہ ٹھیری ہو؟

بریرہ نے کہا یا رسول اللہ! مجھے اسی ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو برگزیدہ نبی بنا کر بھیجا، اگر میں ان میں کوئی عیب دیکھتی تو آپ سے کبھی مخفی نہ رکھتی۔ جناب عائشہ رضؓ کی ذات میں اس سے زیادہ کوئی عیب نہیں ہے کہ وہ بھولی بھالی لڑکی ہیں۔ کبھی سو جاتی ہیں تو ہمسایہ کی بکری آ کر ان کا خمیر کھا جاتی ہے"۔ مجلس میں بعض اہل صحابہ بھی موجود تھے۔ وہ بریرہ کو ڈانٹ کر کہنے لگے کہ

پیغمبرِ خدا سے سب کچھ بے کم و کاست کہہ دے۔ بریرہ نے کہا خدا کی قسم! میں تو حضرت عائشہؓ کو ایسا جانتی ہوں جیسے سنار خالص سُرخ سونے کی ڈلی کو دیکھ کر یقین کرتا ہے کہ یہ بے عیب ہے (بخاری و مسلم)

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا اظہارِ خیال

طوفانِ افتراء کے ایام میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی رفیقۂ حیات ان سے کہنے لگیں کہ لوگ سیدہ عائشہؓ کی نسبت ایسا کہتے ہیں۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کہنے والے کذاب اور مفتری ہیں۔ پھر اپنی بیوی سے پوچھا کیا تم اس فعل کا ارتکاب کر سکتی ہو؟ بولیں ہرگز نہیں۔ فرمایا کہ صدیق اکبرؓ کی بیٹی اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی عائشہؓ تو تم سے کہیں بڑھ کر پاک و صاف اور طاہر و مطہر ہیں۔ ان کی نسبت بھلا اس قسم کا امکان و احتمال کہاں ہو سکتا ہے؟

اس چرچے میں ایک دن حضرت عمر فاروقؓ نے گزارش کی یا رسول اللہ! یہ منافقوں کا صریح بہتان ہے۔ کیونکہ خدائے جلیل نے آپ کی ذات گرامی کو اس درجہ پاک بنایا ہے کہ جسم اطہر پر مکھی تک نہیں بیٹھنے پاتی (کیونکہ مکھی عموماً نجاست پر بیٹھا کرتی ہے، پاک جسم پر ناپاک کا کیا کام)۔ جب اللہ تعالیٰ نے اتنی نجاست سے بھی آپ کا جسم مبارک پاک رکھا تو آپ کو ایسی بی بی کی مضاجعت سے کیوں کر محفوظ نہ رکھتا جو بدکاری کی نجاست سے آلودہ ہو۔

اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! بالفرض محال منافقوں کا یہ بیان سچا ہوتا تو جس خدائے غیور نے آپ کے جوتے تک میں نجاست نہ رہنے دی بلکہ فوراً حضرت جبریلؑ کی وساطت سے آپ کو مطلع کر دیا وہ معبودِ برحق آپ کو لازماً ایسی بی بی کے فوراً الگ کر دینے کا حکم صادر فرما دیتا (تفسیر مدارک)

منبر پر خطبہ دینا

جب پیشوائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرف سے پوری طرح اطمینان دلایا گیا تو آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر حق تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: لوگو! میرے

اہل بیت کے متعلق عبداللہ بن اُبی کا زوجہ فرسا بیان تم لوگوں نے سنا لیکن میں تو اپنی بیوی کو نیک کردار ہی سمجھتا ہوں اور جس (ضعیف العمر) شخص سے تہمت لگائی گئی ہے اس کو بھی نیک ہی گمان کرتا ہوں۔ صفوان میری معیت کے بغیر میرے گھر میں کبھی داخل نہیں ہوئے اور جب میں کبھی سفر کو گیا تو وہ بھی میرے ساتھ گئے۔

منافقوں کی ہمنوائی کرنے والے

جب حضرت صفوان رض کو اس افتراء کا علم ہوا تو وہ قسمیں کھانے لگے کہ میں مدت العمر ایسے جرم کا کبھی مرتکب نہیں ہوا۔

ان لوگوں پر خدا کا غضب نازل ہو جنہوں نے حرم رسول ص کے احترام کو نظر انداز کر کے ایسے افترار کی جسارت کی تہمت کا اصل بانی و مخترع رئیس المنافقین تھا۔ اس کے منافق پیرو اس آتش فتنہ پر تیل ڈال رہے تھے۔ دو مومنوں اور ایک مومنہ نے بھی ان چرچوں سے متاثر ہو کر منافقوں کی ہمنوائی اختیار کر لی تھی۔ یعنی حسان رض بن ثابت (سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص شاعر)۔ اور مسطح بن اثاثہ رض اور ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ بنت جحش جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔

حسان رض پر قاتلانہ حملہ

ان تینوں میں سے حسان رض کا رویہ سب سے زیادہ غیر آل اندیشانہ تھا۔ انہوں نے اس افترار پردازی میں نہ صرف منافقوں کی تصدیق کی بلکہ اس پر یہاں تک وثوق کیا کہ اپنی ایک نظم میں حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کو اس باب میں سہام ملامت بھی بنایا۔ جب حضرت صفوان رض کو معلوم ہوا کہ حسان رض نے ان کی ہجو میں شعر کہے ہیں تو تلوار لے کر حسان رض کے پاس پہنچے اور ان پر تلوار کا ایک وار کیا۔ حضرت ثابت بن قیس رض نے کہا کہ حسان رض پر تلوار کا ایسا وار ہوا ہے کہ شاید جانبر نہ ہو سکیں۔ مگر زخم خطرناک نہیں تھا۔

جب یہ مقدمہ بارگاہ نبوت میں پیش ہوا تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے اس اقدام کی وجہ دریافت کی۔ وہ عرض پیرا ہوئے یا رسول ص اللہ! حسان نے میری ہجو میں شعر کہے ہیں۔ میں اس صدمے کو برداشت نہ کر سکا اور ان پر حملہ کر دیا۔ آپ ص نے حسان رض سے فرمایا۔

تمہیں ایسی باتیں نہیں کرنی چاہییں خدا نے صفوان رضؓ کو اور ان کی قوم کو راہ ہدایت دکھائی ہے۔ اس کے بعد حضرت حسان رضؓ سے فرمایا کہ یہ زخم جو تم کو لگا ہے معاف کر دو۔ حسان رضؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ کو ہر طرح سے اختیار ہے۔ آپ نے اس زخم کے عوض میں اپنی طرف سے حسان رضؓ کو (ایک کنواں) بیر حا عنایت فرمایا اور سیرین نام ایک لونڈی عطا کی (سیرت ابن ہشام)

اُمّ المومنینؓ اور ایک انصاری خاتون کی گریہ و زاری

اُمّ المومنین فرماتی ہیں کہ ان ایّام میں گریہ وزاری کے سوا میرا کوئی کام نہ تھا۔ آنسوؤں کا ایک سیل تھا جو میری آنکھوں سے رواں تھا۔ میرے والدین نے گمان کیا کہ روتے روتے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ میرے ماں باپ میرے پاس بیٹھے تھے اور میں رو رہی تھی۔ اتنے میں ایک انصاریہ خاتون نے اندر آنے کی اجازت مانگی میں نے اس کو اجازت دی۔ مجھے روتے دیکھ کر وہ بھی رونے لگی۔

اس انصاریہ کے رونے کی وجہ یہ تھی کہ انصار کے دل میں اسلام کی سچی محبت اور تڑپ تھی اور اس قسم کا الزام صرف ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ کے دامن عصمت کا داغ نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کے دامن عزت کا بدنما دھبہ تھا۔

جب ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ اور انصاریہ خاتون بیٹھی رو رہی تھیں تو سید کائنات علیہ التحیہ والسلام حضرت ابو بکر صدیق کے مکان پر تشریف لائے اور سلام کیا۔ جس روز سے افتراء باندھا گیا تھا آپ اس دن سے آج تک ام المومنین سے کشیدہ خاطر تھے اور ان کے پاس ایک دفعہ بھی نہیں بیٹھے تھے۔ ایک مہینہ کی مدت اسی رنج و عنا میں گزر گئی۔ اس مدت میں وحی الٰہی بالکل خاموش تھی۔

رسول خدا کے سامنے بیٹی کی صفائی پیش کرنے سے معذوری

گو حسن ظن اور اہل ایمان کی تائیدی شہادتوں کی بنا پر پیغمبر علیہ السلام کو اپنی حرم محترم کی عصمتِ کاملہ پر پورا وثوق تھا تاہم آپ نے ازراہ حزم و احتیاط اُمّ المومنین سے فرمایا اے عائشہ! اگر تم پاک دامن ہو تو حق تعالیٰ جلد تمہاری عصمت کا اظہار فرمائے گا اور اگر تم سے

گناہ سرزد ہو گیا ہے تو توبہ واستغفار کرو۔ کیونکہ جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کر کے خدا کے حضور میں توبہ کرتا ہے تو غافر الذنب اس کا گناہ معاف کر دیتا ہے۔ جب آپ تقریر ختم کر چکے تو ام المومنین نے اپنے والد محترم حضرت ابو بکر صدیق رضؓ سے درخواست کی کہ اس بارہ میں میری طرف سے رسول اللہ کو جواب دیجیے۔ حضرت صدیق رضؓ تو عاشق رسول تھے وہ بھلا اپنی صاحبزادی کی تائید میں حضورؐ کے سامنے کس طرح لب کشائی کر سکتے تھے؟ ع

باوجودت زمن آواز نیاید کہ منم

حضرت صدیق اکبر رضؓ نے اُم المومنین رضؓ کی درخواست کے جواب میں فرمایا خدا کی قسم! میں کچھ نہیں جانتا کہ رسولِ خدا کے حضور میں اس کا کیا جواب دوں۔ ام المومنین والد مکرم کی طرف سے مایوس ہوئیں تو رد کر والدہ ماجدہ سے التماس کرنے لگیں اماں! تم ہی میری طرف سے رسول اللہ کے سامنے کچھ صفائی پیش کر دو" حضرتِ اُم رُومان رضؓ نے اشکبار ہو کر فرمایا بیٹی! میں اس بارہ میں رسول اللہ سے کچھ عرض نہیں کر سکتی۔

والدین کی طرف سے مایوسی

یہ دیکھ کر اُم المومنین کو اپنی صفائی میں خود ہی بولنا پڑا۔ انہوں نے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگوں نے اس الزام کو اتنے دن سنتے سنتے آخر کار صحیح سمجھ لیا ہے۔

لیکن صحیح کسی نے نہیں سمجھا تھا بلکہ اس بنا پر کہ وحیٔ الٰہی نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی خود حاملِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اہلِ ایمان حالتِ تذبذب میں تھے۔ اس کے بعد اُم المومنین پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والدین سے کہنے لگیں کہ اگر میں تم لوگوں سے کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور علّام الغیوب جانتا ہے کہ میں اس الزام سے بالکل پاک ہوں تو تم لوگ میری تصدیق نہیں کرو گے۔ لیکن اگر میں ایک ایسے گناہ کا اقرار کر لوں جس کا میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تو تم لوگ میری تصدیق کر دو گے۔ ایسی حالت میں میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتی ہوں جو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا:

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۔ میرا کام صبر جمیل ہے اور جو باتیں تم لوگ بناتے ہو اس میں اللہ تعالیٰ ہی کی مدد چاہتی ہوں۔

یہ کہہ کر اُم المومنینؓ وہاں سے اُٹھیں اور با دیدۂ نم و دلِ پرغم پلنگ پر جا لیٹیں۔ تاہم انہیں اس بات کا کامل وثوق تھا کہ حق تعالیٰ ان کی عصمت و طہارت کو عالم آشکار کر دے گا۔ اُم المومنینؓ فرماتی ہیں کہ مجھے اس بات کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ قیوم السمٰوات والارض قرآن میں جس کی قیامت تک تلاوت ہوتی رہے گی میری عصمت کی شہادت دے گا کیونکہ میں اپنے تئیں اس لائق نہیں سمجھتی تھی کہ خدائے عزّ و جلّ میرے متعلق کلام فرمائے گا۔ البتہ مجھے یہ امید تھی کہ خواجۂ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کوئی ایسا خواب دیکھیں گے جس میں ربِّ جلیل میری عفت و طہارت ظاہر کر دے گا۔

اُمّ المومنینؓ کی کامل براءت

جب اُمّ المومنینؓ روتے روتے پلنگ پر جا لیٹیں اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی وہیں تشریف فرما تھے تو آپ کو وحی کی شدت محسوس ہونے لگی یہاں تک کہ کلام الٰہی کی سختی سے جو آپ پر نازل ہو جسم اطہر سے موتیوں کی طرح پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے (بخاری و مسلم)۔

آپ کو چادر اُڑھا دی گئی۔ اُم المومنینؓ فرماتی ہیں کہ اس وقت میرے والدین کے چہروں پر ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شاید شدتِ اضطراب میں اُن کی رُوح اس خوف سے پرواز کر جائے گی کہ کہیں لوگوں کی تہمت کے موافق وحی نازل نہ ہو لیکن میں پوری طرح مطمئن تھی کیونکہ میں جانتی تھی کہ میں پاک صاف اور بے گناہ ہوں اور اس بات کا یقین تھا کہ خدائے عدیل مجھ پر ظلم نہیں کرے گا بلکہ میری براءۃ اور پاک دامنی ظاہر فرمائے گا۔ جب وحی تمام ہو چکی تو آپ جبین مبارک سے پسینہ صاف کرنے لگے (سیرت ابن ہشام)۔

اب آپ نے متبسم ہو کر فرمایا اے عائشہ! بشارت ہو کہ حق تعالیٰ نے تمہاری براءت کر دی اور تمہاری عفت کی شہادت دی۔ حضرت اُم رومانؓ کہنے لگیں بیٹی! اُٹھ کر حضرت کی تعظیم (یعنی آپ کو سلام) کرو اور آپ کا شکریہ ادا کرو۔ اُم المومنینؓ نے فرمایا واللہ! اس بارہ میں تو میں آپ کا شکریہ ادا نہ کرونگی

بلکہ اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کروں گی جس نے میری براءت فرما کر مجھے اس مصیبت سے نجات بخشی۔

اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ کا قربِ الٰہی اور ان کی طہارت و عظمتِ شان ملاحظہ ہو کہ ربِ جلیل نے سورۂ نور کے پورے دو رکوع ان کی براءۃ میں نازل فرمائے (بخاری و مسلم و غیرہما)۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحؒ رقم فرما ہیں کہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ میں اپنے خدا کے سوا کسی کی حمد نہیں کرتی۔ کیونکہ آپ نے تو مجھے آلودہ ہی سمجھ لیا تھا، خدائے عزیز نے مجھے بری کیا۔ اب مردوں کو سمجھنا چاہیے کہ حضرت عائشہ رضؓ کی یہ بات کس بنا پر تھی۔ اس کا منشأ وہی ناز تھا جو تعلق دوستی کی وجہ سے بی بی کو شوہر پر ہوتا ہے اور شریعت نے عورتوں کو اس قسم کی باتوں پر جو وہ ناز میں کہہ ڈالیں کوئی مواخذہ نہیں کیا۔ اگر بیوی کو ناز کا حق نہ ہوتا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضؓ کو اس بات پر ضرور تنبیہ فرماتے کیونکہ ظاہر میں یہ کلمہ نہایت سخت تھا۔

حضرت صدیقؓ کا مسطح کی مالی امداد بند کرنا

مسطح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک عزیز بہت غریب و نادار تھے اور حضرت صدیق قرابت داری کے باعث ہمیشہ روپے پیسے سے ان کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ چونکہ بہتان کے چرچے میں وہ بھی منافقوں کے دامِ تزویر میں پھنس گئے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے قسم کھائی کہ اب میں ایسے شخص کو جس نے میری بے گناہ بیٹی پر طوفان اُٹھایا کبھی کچھ نہیں دوں گا"۔ چونکہ مسطح بدری صحابی تھے اور خدائے غفور نے اہل بدر کے پہلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے تھے، خالق کائنات نے مسطح رضؓ کی سفارش میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ	اور جو لوگ تم میں دینی فضیلت اور دنیاوی وسعت
وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ	رکھتے ہیں وہ اہل قرابت کی اور مساکین کی اور اللہ کی
وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي	راہ میں ہجرت کرنے والوں کی امداد سے قسمیں نہ
سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا	کھا بیٹھیں (یعنی قسم توڑ دیں) اور چاہیے کہ ان کو
أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ	معاف کر دیں اور ان کے قصور سے درگزر کریں۔ کیا تم اس امر کے راغب نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کردے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (نور-۲۲)　　　　بلاریب اللہ غفور الرحیم ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا بخدا میری دلی آرزو ہے کہ غفور رحیم میری مغفرت فرمائے۔ پھر مسطحؓ کو جو کچھ دیا کرتے تھے وہ جاری کر دیا اور فرمایا میں آیندہ کبھی بند نہ کروں گا (صحیح مسلم)

آنحضرتؐ کا اُمّ المومنین حضرت زینبؓ کی رائے دریافت کرنا

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کی طرح (اُمّ المومنین حضرت) زینب بنت جحشؓ سے بھی میری نسبت دریافت فرمایا تھا۔ (باوجودیکہ ان سے ہمیشہ چشمک رہتی تھی اور باہم رقابت کے جذبات موجزن تھے تاہم حضرت) زینبؓ نے کہا: یارسول اللہ! میں اپنے کان اور آنکھ کی احتیاط رکھتی ہوں۔ بن سُنے اور بن دیکھے کوئی بات نہیں کہتی۔ میں تو عائشہؓ کو نیک کردار اور عفت شعار ہی گمان کرتی ہوں"۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت کی تمام بی بیوں میں زینبؓ ہی ایک ایسی خاتون تھیں جو میرے مدِمقابل تھیں۔ خدائے برتر نے انہیں ان کے تقویٰ کی بدولت اس تہمت سے بالکل محفوظ رکھا حالانکہ ان کی بہن حمنہ بنت جحشؓ نے اس طوفان میں حصہ لیا تھا (بخاری و مسلم ملتقطاً)۔

افتراپردازی کا مقصد

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حمنہ کے شریکِ تہمت ہونے کا سبب یہ بیان کیا کہ حمنہ کی بہن (اُمّ المومنین حضرت) زینبؓ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں اور آپ کو جو طبعی میلان والتفات میری جانب تھا وہ کسی دوسری بی بی کی طرف نہ تھا۔ زینبؓ کو تو خدا نے ان کی پرہیزگاری اور تقویٰ شعاری کی بدولت حسد وبغض سے محفوظ رکھا مگر حمنہ بہن کی خاطر مجھ سے کشیدہ رہتی تھیں۔ چنانچہ اسی جذبہ کے تحت وہ شریکِ تہمت ہوئیں (سیرت ابن ہشام)

گو حسان اور مسطحؓ سے غلطی ہو گئی مگر ان کی نیتوں میں کوئی فتور نہ تھا۔ البتہ حمنہ اپنی بہن حضرت

زینبؓ کی حریف کو شکست دے کر ہمن کے لیے اس غلط طریقہ سے راستہ صاف کرنا چاہتی تھیں۔

اس فتنہ انگیزی سے یہ ناپاک مقاصد منافقوں کے پیش نظر تھے:

(۱) توہین و تضحیک کر کے سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دل کی بھڑاس نکالنا۔

(۲) خاندان نبوت میں تفرقہ اور بد دلی پیدا کرنا۔

(۳) حضرت صدیق اکبرؓ کی توہین۔

(۴) اسلام کی اجتماعی قوت کو زیر و زبر کرنے کی کوشش۔

(۵) انصار کو یہ باور کرانے کی سعی ناشکور کہ جس مدعیٔ نبوت کے گھر کی اخلاقی حالت ایسی زبون ہو وہ سچا نبی نہیں ہو سکتا۔

لیکن عالم الغیب والشہادہ کی لسان وحی نے منافقوں کی ساری ناپاک کوششوں کا تار و پود بکھیر دیا۔

تین مجرموں کو کوڑوں کی سزا

اُم المومنینؓ کے خلاف جو افتراء پردازی کی گئی یہ محصنہ پر تہمت تھی اور قرآن پاک میں تہمت کی سزا کا یہ حکم ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ	اور جو لوگ پاک دامن خواتین کو (زنا کی)
لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ	تہمت لگائیں اور پھر اپنے دعوے پر چار گواہ
ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً ۔	نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو اسّی دُرّے لگاؤ۔

اس لیے حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش کو حدِ قذف لگانے کا حکم دیا کیونکہ یہی لوگ اس تہمت کی اشاعت کا باعث تھے۔ چنانچہ تینوں کو اسّی اسّی کوڑے لگائے گئے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبَیّ کو جو طوفان افتراء کا اصل بانی تھا کوئی سزا نہ دی اور نہ اہل ایمان کو اس سے مقاطعہ کرنے کا حکم دیا بلکہ اصحاب کرام نے آپ کی مرضی مبارک کے بموجب تا دم زیست اس سے ہر قسم کے روابط و تعلقات قائم رکھے۔ کیا دنیا میں اس رواداری او

درگذر کی کوئی مثال مل سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

ایک خلجان کا حل

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کلام الٰہی میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (آپ اخلاق حسنہ کے بلند مقام پر پہنچے ہوئے ہیں) فرمایا گیا ہے اور آپ نے مدت العمر کسی سے اپنا بدلہ نہ لیا یہاں تک کہ دشمنان جان تک کو بھی چھوڑ دیتے اور معاف کر دیتے تھے۔ ایسی حالت میں اگر آپ اپنی سالی صاحبہ حمنہ بنت جحش کو اور اپنے خاص شاعر و مدح خواں حضرت حسان رضؓ کو اور بدری صحابی مسطح رضؓ کو سزا دیے بغیر چھوڑ دیتے اور معاف فرما دیتے تو کیا مضائقہ تھا۔ بالخصوص حسان رضؓ کو جو آپ کی طرف سے کفار کو جواب دیا کرتے تھے اور جن کی فدویت اسلام پران کا یہ شعر گواہ ہے ؎

فَاِنَّ اَبِیْ وَ وَالِدَتِیْ وَ عِرْضِیْ

لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْكُمْ وِقَاءٌ

(یعنی حسان رضؓ کفار سے کہتے ہیں کہ میرے ماں باپ اور میری عزت سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کے لیے بچاؤ ہیں)۔

اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ جرائم کی جو سزائیں منجانب اللہ مقرر ہیں یعنی محصن زانی کو رجم، غیر شادی شدہ زانی کو سو کوڑے، محصنہ پر تہمت لگانے والے کو اسی کوڑے اور چور کا ہاتھ کاٹنا۔ ان سزاؤں کو حدود اللہ کہتے ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا بحیثیت خلیفۃ اللہ و حاکم وقت فرض منصبی تھا کہ ان حدوں کو نافذ کریں۔ اگر اجرائے حد آنحضرتؐ کا ذاتی معاملہ ہوتا تو آپ لازماً تینوں کو معاف فرما دیتے لیکن آپ حدود اللہ کو معاف کرنے کے کسی طرح مجاز نہ تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جب مکہ معظمہ میں ایک مخزومی عورت نے (جو شہر کے ایک بڑے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اور حضرت خالد بن ولید رضؓ کی رشتہ دار تھی) چوری کی تو اکابر قریش کو بڑی تشویش ہوئی اور اس کو حد شرعی سے بچانے کے لیے تگ و دو کرنے لگے۔ ان کی یہ کوشش تھی کہ رسول خدا کے پاس سفارش کرا کر اس کو بچایا جائے۔ چنانچہ اکابر صحابہ سے سفارش کی درخواست کی گئی۔

مگر کسی نے حامی نہ بھری اور کہا کہ (رسولِ خدا کے متبنیٰ کے خلف الصدق) اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہما) کے سوا جن کو آپ بہت محبوب رکھتے ہیں کسی کی مجال نہیں کہ سفارش کے لیے لب کشائی کر سکے۔ آخر اُسامہؓ کی منت سماجت کی گئی تو وہ سفارش پر آمادہ ہو گئے اور مخزومیہ کو معاف کر دینے کے لیے بارگاہِ نبوی میں عرض معروض کی آپ کو یہ سفارش سخت ناگوار ہوئی اور عالم غیظ میں فرمایا' اُسامہ! کیا تم اللہ کی مقرر کردہ حدوں میں سے ایک حد کے برطرف کیے جانے کے شفیع بنتے ہو؟

اس کے بعد آپ نے کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ تم سے پہلی قومیں اس لیے تباہ ہوئیں کہ وہ معمولی آدمی کو تو شرعی سزا دیتے لیکن جب کوئی معزز آدمی وہی کام کرتا تو اس کو نظر انداز کر جاتے اور مجھے خدائے برتر کی قسم ہے کہ اگر میری (پیاری) بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں (بخاری و مسلم)

فصل ۶

حضرات مہاجرین کے خلاف رئیس المنافقین کی زہرناک دریدہ دہنی

اوپر لکھا گیا تھا کہ حضور فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد مدینہ منورہ کے حالات نے بالکل نئی صورت اختیار کر لی تھی اور آپ کی مقبولیت و ہر دلعزیزی نے ابن اُبَی کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا' اس لیے وہ ایک جتھا بنا کر آپ کے اثر و اقتدار کو صدمہ پہنچانے کی کوششوں میں ہمہ وقت مصروف تھا۔ لیکن حق کو کون نیچا دکھائے اور صداقت کس طرح مغلوب ہو؟ اس بہن چشم نے منہ کی کھائی اور اپنی کوششوں میں ہمیشہ نامراد رہا۔ باوجود اس کے جہاں تک اس سے بن پڑا اس نے اپنی مخالفانہ حرکتوں اور معاندانہ کارستانیوں میں اپنی طرف سے کبھی کمی نہ کی۔

مہاجروں کو شہر بدر کرنے کا بلند بانگ دعوی غزوۂ مُریسیع میں جس کو غزوۂ بنو مصطلق

بھی کہتے ہیں منافقوں کا ٹولہ بھی لشکرِ اسلام کے ہمراہ تھا۔ اتفاق سے اس موقع پر ایک ایسا ناگوار واقعہ رونما ہوا جس نے سرگروہِ منافقین کو اپنا نفاق عالم آشکار کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ ایک مجلس میں اپنے ہم مشرب منافقوں سے کہنے لگا کہ مہاجروں کو جو قوت و اقتدار حاصل ہے وہ سب ہماری بدولت ہے۔ اگر اہل مدینہ مہاجروں کی امداد بالکل بند کر دیں تو یہ لوگ تنگ آ کر خود بخود شہر سے چلے جائیں گے۔ اچھا! اب ہم معززین مدینہ یہاں سے واپس جا کر (معاذ اللہ) ان ذلیل مہاجروں کو شہر بدر کر دیں گے۔

ابن اُبی اور دُوسرے منافقوں کا جھوٹی قسمیں کھانا

حضرت زید بن ارقم انصاری رضی اللہ عنہ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ انہوں نے اس پر سخت ناگواری محسوس کی لیکن چونکہ عبداللہ بن اُبی اُن کا ہم قبیلہ اور خزرج کا بڑا سردار تھا، اس سے تو کچھ نہ کہا البتہ اپنے چچا کے پاس جا کر اس کے شکوہ سنج ہوئے۔ چچا کی غیرت ایمانی اس کو برداشت نہ کر سکی۔ انہوں نے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر سب کچھ بے کم وکاست کہہ دیا۔ آپ نے زیدؓ کو بلا بھیجا۔ انہوں نے تمام ماجرا حرف بحرف عرض کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے ابن اُبی کو طلب فرمایا۔ وہ اپنی جماعت کے ساتھ آیا اور وہ اور اس کے منافق ساتھی جھوٹی قسمیں کھا گئے کہ کسی نے ہرگز ایسا نہیں کہا، اور یہ کہ زید بن ارقمؓ نے دروغ گوئی سے کام لیا ہے۔

زید بن ارقمؓ کی ہمہ گیر تکذیب

اس وقت حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور بعض دوسرے اکابر صحابہ علیہم الرضوان بھی مجلس نبوی میں حاضر تھے۔ آپ نے زید بن ارقمؓ سے فرمایا زید! شاید تم سے سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہے"۔ لیکن حضرت زیدؓ نے اپنے بیان کی سچائی پر آپ کے سامنے قسم کھائی (مدارج النبوت)

تب منافقوں نے واپس جا کر حضرت زیدؓ کے بیان کی تکذیب کی تو اس پر تمام انصار نے حضرت زیدؓ کو ملامت کی کہ تم نے رسول اللہ کے سامنے غلط بیانی کی۔ ان کے چچا بھی دوسرے انصار کے ہمنوا ہو گئے اور حضرت زیدؓ کو ملامت کرنے لگے کہ تم نے ناحق پیغمبرِ خدا کو ناخوش کیا۔ حضرت زیدؓ

نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں نے بلاشبہ ابن اُبَی کو ایسا کہتے ہوئے سنا تھا اور مجھے امید ہے کہ حق تعالیٰ میری تصدیق میں اپنے رسول پر کوئی آیت ضرور نازل فرمائے گا۔ لیکن کسی نے ان کی قسم پر یقین نہ کیا۔

زید رضی کی تائید میں آیاتِ قرآنی کا نزول

زید بیچارہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور انہیں اس تکذیب کا اتنا صدمہ ہوا کہ شرم کے مارے لوگوں سے میل ملاقات یک قلم موقوف کر دی۔ لیکن رب العزت نے حضرت زید رضی کی تصدیق اور منافقوں کی تکذیب میں سورۂ منافقون کی یہ آیتیں نازل کر کے ان کی اشک شوئی فرمادی۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا	یعنی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے پاس
عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى	والوں پر کچھ خرچ مت کرو تاکہ یہ لوگ (تنگ آ کر)
يَنْفَضُّوْا ۭ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ	خود ہی منتشر ہو جائیں (لیکن ان کا یہ خیال محض بہانہ
وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا	ہے کیونکہ آسمانوں اور زمین کے تمام خزانے
يَفْقَهُوْنَ ۝ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ	اللہ ہی کے دست قدرت میں ہیں مگر منافق اس
اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا	حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ منافق لوگ یہ بھی کہتے ہیں
الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ	کہ جب ہم لوٹ کر مدینہ جائیں گے تو (ہم) اہل عزت
وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ	ان ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے حالانکہ عزت
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (منافقون: ۷۔۸)	تو اللہ اور رسول اللہ اور اہل ایمان ہی کی ہے لیکن اہل نفاق

[illegible]

پیشوائے نفاق کے قتل کا امتناع

جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو صحابہ کرام میں منافقوں کی نفاق پسندیوں کا بڑا چرچا ہوا۔ حضرت عمر فاروق عرض پیرا ہوئے یارسول اللہ! اجازت دیجیے کہ اس فتنہ گر منافق کی گردن ماردوں۔ آپ نے اس کی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ اگر ایسا کیا گیا تو لوگ طعنہ دیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنے ہی اصحاب کو قتل کرتے ہیں (کیونکہ وہ صحابہ میں خلا ملا رکھتے تھے) (مدارج)۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے بیٹے کا نام بھی عبداللہ تھا۔ یہ عبداللہ ایک مشہور بدری صحابی ہیں جو ہجرت سے پہلے مشرف بایمان ہو چکے تھے۔ غزوۂ اُحد میں ان کے آگے کے دو دانت شہید ہو گئے تھے اور آپ نے فرمایا تھا کہ تم سونے کے دانت بنوا لو۔ جب سورۂ منافقون کی دونوں آیتیں نازل ہوئیں تو حضرت عبداللہ رضؓ (بن عبداللہ بن اُبی) نے حاضرِ خدمت ہو کر التماس کی یا رسول اللہ! میرے باپ نے (معاذ اللہ) آپ کو ذلیل کہا۔ خدا کی قسم وہ خود ذلیل ہے۔ اس کے بعد عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! اگرچہ تمام قبیلۂ خزرج میں مجھ سے زیادہ اپنے باپ کا کوئی مطیع نہیں تاہم آپ حکم دیں تو میں اس کی گردن مار دوں"۔ آپ نے فرمایا میں ہرگز ایسا نہیں چاہتا۔ (اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۱۹۷)۔

خارج البلد کرنے سے انکار جب نزولِ آیات کے بعد اہلِ نفاق کی نسبت لشکر میں بہت زیادہ چرچہ ہوا تو آپ نے کوچ کر دینے ہی میں مصلحت دیکھی تاکہ یہ قصہ ہی درمیان میں نہ رہے، چنانچہ آپ نے روانگی کا حکم دے دیا۔ اس وقت تمازتِ آفتاب کی بڑی شدت تھی اور بادِ سموم چل رہی تھی۔ حضرت اُسید بن حضیر انصاری رضؓ نے گزارش کی یا رسول اللہ! کیا وجہ ہوئی کہ حضور نے ایسی گرمی اور لو میں کوچ کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ تمہارے ساتھی (عبداللہ بن اُبی) نے کیا کہا؟ حضرت اُسید کہنے لگے یا رسول اللہ! اگر آپ چاہیں تو ہم لوگ اس کو مدینہ سے خارج کر دیں۔ لیکن آپ نے اس سے بھی انکار فرمایا۔

اس کے بعد اُسید بولے یا رسول اللہ! ابن اُبی انتہا درجہ کا ذلیل آدمی ہے۔ آپ کے قدومِ میمنت سے پہلے اہلِ مدینہ نے اس پر اتفاق کیا تھا کہ مدینہ کا تاجِ ریاست اس کے سر پر رکھیں اور اسے اپنا حاکم بنائیں لیکن آپ کی تشریف آوری نے اس کی امارت وحکومت کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اس لیے اس کو آپ سے بڑا حسد ہے اور جو کچھ کہتا ہے حسد سے کہتا ہے (مدارج النبوت)۔

بیٹے کا مدینہ جانے سے روکنا جب مراجعت کرتے ہوئے اسلامی لشکر وادیٔ عقیق میں

پہنچا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سڑک پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ باپ سامنے آیا تو انہوں نے اونٹ سے اُتر کر رئیس المنافقین کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا میں تمہیں اس وقت تک شہر کا رُخ نہیں کرنے دوں گا جب تک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں اس کی اجازت نہیں دیں گے اور تم یہ نہیں کہو گے کہ میں روئے زمین کے لوگوں میں سب سے زیادہ ذلیل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کی سب سے زیادہ معزز و گرامی ہستی ہے۔

اتنے میں آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں آ پہنچے۔ آپ نے دیکھا کہ بیٹا باپ کے مدینہ جانے میں مانع ہے اور باپ کہہ رہا ہے کہ میں دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل ہوں۔ میں بچوں سے بھی ادنیٰ اور عورتوں سے بھی زیادہ فرومایہ ہوں۔ آپ نے باپ بیٹے کی آویزش کو ناپسند کرتے ہوئے فرمایا عبداللہ! ان کو چھوڑ دو۔ خدا کی قسم! جب تک یہ ہم میں موجود ہیں، ہم ان سے اچھا ہی برتاؤ کرتے رہیں گے (مدارج)

فصل ۷۔ رئیسُ المنافقین کی نمازِ جنازہ پڑھنا

نمازِ جنازہ صرف مومن پر پڑھی جاتی ہے لیکن چونکہ ابن اُبی نے بدترین عدوے اسلام ہونے کے باوجود اپنے اوپر اسلام کا لیبل لگا رکھا تھا۔ اس لیے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی درخواست کو شرفِ قبول بخشتے ہوئے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

چنانچہ بخاری اور مسلم عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ناقل ہیں کہ جب سرخیل نفاق طعمۂ اجل ہوا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضؓ نے جو بدری صحابی تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اپنا پیراہن مبارک عطا فرمائیے کہ اس میں اس کو کفنایا جائے۔ آپ نے ازراہِ شفقت اپنا پیراہن عنایت فرمایا۔ اس کے بعد عبداللہ نے یہ بھی استدعا کی کہ اس کے جنازے کی نماز بھی پڑھ دیجیے۔ آپ نے اس درخواست کو بھی بمقتضائے رحم و کرم شرفِ قبول بخشا لیکن جب آپ نماز

پڑھنے کو کھڑے ہوئے تو فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو دینی امور میں انتہاء درجہ کے غیور واقع ہوئے تھے آپ کی ردائے مبارک کا کونہ پکڑ کر التماس کی یا رسول اللہ! آپ اس کٹر منافق پر نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ آپ کو تو اس آیت میں منافقوں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے:

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْلَهُمْ	اے پیغمبر! آپ ان کے حق میں مغفرت کی دعا کریں یا
اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً	نہ کریں (یکساں ہے) اگر آپ ستر دفعہ بھی ان کے لیے
فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (۹ : ۸۰)	دعائے مغفرت کریں گے تو بھی خدا ہرگز ان کی مغفرت نہیں کرے گا

آپ نے فرمایا اے عمر! اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے (منع نہیں کیا) حق سبحانہ نے فرمایا ہے کہ منافقوں کے حق میں تمہاری ستر دفعہ کی دعا بھی مقبول نہ ہوگی تو میں ابن اُبَی کے حق میں ستر سے بھی زیادہ مرتبہ استغفار کروں گا شاید دعائے مغفرت قبول ہو۔ باوجودیکہ آپ اس عربی محاورہ کو باحسن وجوہ سمجھتے تھے کہ ستر سے حد مقصود نہیں بلکہ کثرت مراد ہے تاہم اپنی جبلی رأفت و رحمت کے اقتضاء سے اور غفور رحیم کی عنایت کی امید پر آپ نے ستر کے لفظ کو سامنے رکھ کر اپنا جبلی رحم و کرم ظاہر فرما دیا۔

الغرض آپ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جب آپ اس سے فارغ ہوئے تو قرآن کی چند آیتیں نازل ہوئیں جن میں سے ایک یہ تھی:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ	اگر منافقوں میں سے کوئی مر جائے تو اس کے
مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ	جنازہ پر نماز نہ پڑھیے اور نہ دفن کے لیے اس کی
اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ	قبر کے پاس کھڑے ہو جیے کیونکہ انھوں نے اللہ
مَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝	اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ حالت
(۹ : ۸۴)	کفر ہی میں مرے ہیں۔

اس آیت کے نزول کے بعد آپ ہمیشہ کے لیے منافقوں پر نماز پڑھنے اور ان کی قبر کے پاس دعا کے لیے کھڑے ہونے اور ان کے لیے استغفار کرنے سے رک گئے۔ حضرت فاروق اعظم

رضی اللہ عنہ کی رائے اس موقع پر نہایت صائب رہی۔

یاد رہے کہ جس طرح عہدِ نبوی کے منافقوں پر نماز پڑھنا ممنوع ہوا اسی طرح عہدِ حاضر میں بھی کافر کے جنازے پر نماز پڑھنا یا اس کے لیے طلبِ مغفرت کرنا یا تکفین و تدفین میں شریک ہونا جائز نہیں +

باب چہارم

دوسرے منافقوں پر شفیق انامؐ کا عفو وکرم

مکہ معظمہ میں حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اپنی قوم قریش کی شرانگیزیوں کا سامنا تھا لیکن ہجرت کے بعد آپ کو مدینہ طیبہ میں بیک وقت یہود اور منافقین۔ دو دشمنوں سے سابقہ پڑا۔ چونکہ دار الہجرت کے دونوں مقتدر قبیلے اوس اور خزرج حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور آپ کو اس سرزمین پر حاکمانہ تسلط حاصل تھا اس لیے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے جیسا کہ بارہا پہلے لکھا گیا مخفی طور پر مشرک اعدائے اسلام کی ایک مستقل جماعت تیار کر لی تھی جنہیں منافق کہتے ہیں۔ ان دشمنان دین کو علانیہ اسلام کی مخالفت کا حوصلہ نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے اسلامی ہیئت و وضع اختیار کر کے اسلام اور اہل ایمان کو چرکے لگانے شروع کیے۔

اہل نفاق کی مار آستینی

ارباب نفاق مسلمانوں کی طرح جمعہ جماعت میں شریک ہوتے اور اسلامی احکام و فرائض بجالاتے تھے۔ ہر وقت کے حاضر باش تھے۔ مشوروں میں شریک ہوتے تھے اس لیے مسلمانوں کے تمام رازوں سے واقف تھے۔ ان کے ذریعہ سے یہودیوں اور اہل مکہ کو مسلمانوں کے تمام اسرار پنہانی کی اطلاع ہوتی رہتی تھی۔ اہل نفاق غزوات میں بھی بظاہر اسلام کی تائید میں شرکت کرتے تھے اس لیے بادی النظر میں مسلمانوں سے متمیز نہ ہوتے تھے۔ البتہ اپنی معاندانہ کارگزاریوں سے پہچانے جاتے تھے۔ یہ مار ہائے آستین یہود سے

بھی زیادہ خطرناک تھے کیونکہ یہودیوں کی دشمنی برسرِعام ہوتی تھی جس کا تدارک آسان تھا لیکن یہ اعدائے دین اندر ہی اندر فتنہ کی آگ مشتعل کر کے نقصان پہنچاتے تھے۔ ان نابکاروں نے مدینہ طیبہ اور اس کے مضافات میں اسلام کے خلاف سازشوں کا زبردست جال پھیلا رکھا تھا۔ ان کے باقاعدہ مخفی اجلاس ہوتے تھے جن میں (خاکم بدہن) اسلام کی خانہ براندازی کے منصوبے سوچے جاتے تھے۔ اوائل میں تو مسلمانوں سے خلا ملا رکھنے کے باعث پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم بعض منافقوں کی شخصیتوں سے واقف نہیں تھے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ	اور تمہارے آس پاس کے دیہاتیوں میں (بعض)
مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ	منافق ہیں اور کچھ اہل مدینہ میں بھی ایسے منافق
مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ	ہیں کہ نفاق کی حد کمال کو پہنچے ہوئے ہیں (اے
نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۔	پیغمبرؐ) آپ بھی ان کو نہیں جانتے (کہ یہ منافق ہیں)
(پارہ ۱۱ سورۂ توبہ۔ آیت ۱۰۱)	ان کو ہم ہی جانتے ہیں۔

لیکن بعد میں آپ کو ان سے نام بنام مطلع کر دیا گیا۔ مؤخر الذکر منافقین کو نفاق میں ممتاز اس لیے فرمایا کہ نفاق کا مدار اخفاء پر ہے اور یہ اس میں اس درجہ بڑھے ہوئے تھے کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ذکاوت و فطانت میں دنیا جہان سے اکمل ہونے کے باوجود اپنے نفاق کا پتہ نہ چلنے دیا۔

حسن اخلاق کا کمال

گو وحی الٰہی نے حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایک منافق کے نام و نشان سے باخبر کر دیا تھا، تاہم اس لحاظ سے کہ احکام شریعت صرف ظاہری اعمال سے تعلق رکھتے ہیں، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پردہ پوشی فرماتے اور ان مارہائے آستین کے حال پر بھی وہی شفقتیں اور نوازشیں فرماتے جو جاں نثاروں کے حال پر مبذول تھیں۔ اور یہ آپ کے حسن اخلاق کا کمال تھا کہ منافقوں کی ہر بات سن لیتے اور مکر و حیلہ کا علم رکھنے کے باوجود خاموشی اختیار فرماتے اور درگذر سے کام لیتے۔ اب ذیل میں اہل نفاق کی فتنہ انگیزیوں، بداندیشیوں اور قبائح پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

فصل ا - منافقوں کی فتنہ انگیزیاں اور بداندیشیاں

باب سابق میں منافقوں کے سرگروہ عبداللہ بن اُبی کی عداوت اسلام اور بغض رسولؐ پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ اب یہاں شیعان ابن اُبی کی معاندانہ سرگرمیوں اور شر انگیزیوں کے کچھ حالات معرض تسوید میں آتے ہیں:

اسلام کا تمسخر اُڑانا

دین کے ساتھ استہزاء و تمسخر خواہ بداعتقادی سے ہو یا بدون بداعتقادی کے، کفر ہے۔ اور استہزار خواہ اللہ تعالیٰ سے ہو اس کی آیتوں یا نبیوں سے، سب مساوی ہے۔ اسلام کا مذاق اُڑانا اہل نفاق کا رات دن کا مشغلہ تھا۔ رب جلیل نے ان کی اس شیطنت کے متعلق اپنے کلام پاک میں فرمایا (ترجمہ) آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اچھا تم استہزار کرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو ظاہر کر کے رہے گا جس کے اظہار سے تم اندیشہ کرتے ہو۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیے تو یہ کہیں گے کہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے۔ آپ کہیے گا کہ کیا تم اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ ہنسی کرتے تھے (۹ : ۶۴ - ۶۵)

مطلب یہ کہ تمہارا یہ عذر مقبول نہیں اور اس عذر سے استہزاء جائز نہیں کیونکہ استہزار بالدین کفر ہے۔ گو تمہارے دل تو پہلے بھی ایمان سے خالی تھے۔ البتہ اگر کوئی شخص دل سے توبہ کر لے اور مومن مخلص بن جائے تو کفر اور عذاب کفر سے چھوٹ جائے گا۔

آپس میں سرگوشیاں کرنا

یہودیوں کی طرح منافق بھی آپس میں سرگوشیاں کیا کرتے تھے ان کا معمول تھا کہ مسجد نبوی میں بیٹھ کر آپس میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم پر ہنسی اُڑاتے اور ان کی عیب جوئی کرتے تھے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنتے سن کر آپس میں کہتے کہ ہم سے تو ایسے سخت کام ہو نہیں سکتے۔ پہلے سورۂ نسار میں اس کانا پھوسی کی ممانعت ہوئی تھی لیکن اہل نفاق بے حیا پھر بھی باز نہ آتے۔ منافقوں کی یہ حرکت صحابۂ

کرامؓ کو غمگین و پریشان کرتی تھی۔ ظاہر ہے کہ جب ایک مجلس میں کئی آدمی ہوں اور وہ کسی شخص سے علیحدہ ہو کر سرگوشی شروع کر دیں تو اس کو لامحالہ شک ہوگا کہ خدا جانے مجھ سے پوشیدہ کیا مشورے ہو رہے ہیں۔

منافقوں کی اس حرکت کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے شیطانی حرکت قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا: (ترجمہ) ایسی سرگوشی محض شیطان کی طرف (یعنی اس کے بہکانے) سے ہے تاکہ مومنوں کو رنجیدہ کرے اور شیطان ارادۂ خداوندی کے بغیر کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا اور مومنوں کو ہر امر میں اللہ ہی پر توکل رکھنا چاہیے (۵۸ : ۱۰)

سرورِ انبیاءؐ سے کان میں باتیں کرنا

اہلِ نفاق کی ایک مذموم عادت یہ بھی تھی کہ حضرت خیرالانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بلا ضرورت تخلیہ کرتے اور غیر ضروری اور لغو سوالات پوچھ کر بار خاطر ہوتے اور بسا اوقات صحابہ کرامؓ پر اپنا تفوق اور پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ تقرب جتلانے کو آ کر آپ کے ساتھ کان میں باتیں کرتے۔ آپ ناگواری طبع کے باوجود کثرت سوال اور سرگوشی کو برداشت کرتے تھے اور بوجہ مروت و اخلاق کسی کو منع نہ فرماتے تھے اس لیے یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ) اے اہلِ ایمان! جب تم ہمارے رسولؐ سے سرگوشی کرنا چاہو تو اس سے پہلے کچھ خیرات دے دیا کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے۔ پھر اگر تم کو صدقہ دینے کا مقدور نہ ہو تو اللہ غفور و رحیم ہے (۵۸ : ۱۲)

یعنی ہمارے رسول مقبول کے ساتھ غیر ضروری سرگوشی کرنا خلاف تہذیب ہے اور اگر بوقتِ ضرورت بات کرنی چاہو تو پہلے کچھ خیرات دے کر طہارت حاصل کر لو۔ پھر پاک ہو کر آپ سے بات کرو۔ اس سے اہل نفاق نے بوجہ حبِ مال و عدم حُبِ دین اپنی مذموم عادت چھوڑ دی۔ حکم خیرات میں کئی فائدے تھے: مساکین کی امداد، صدقہ کرنے والے مومن کا تزکیۂ نفس، مخلص و منافق میں امتیاز، سرگوشی کرنے والوں کی تقلیل۔ چونکہ اس آیت کے نزول پر بہتیرے کم استطاعت صحابہ بھی مسائل دین دریافت کرنے سے رُک گئے تھے اور جو مقصود تھا وہ حاصل ہو ہی چکا تھا اس لیے یہ حکم منسوخ

ہوگیا اور اگلی آیت ءَاَشْفَقْتُمْ الخ نازل ہوئی۔

کانوں کے کچے ہونے کا طعن

خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کا جھوٹ معلوم کرنے کے باوجود اپنے حلم و وقار کے اقتضاء سے خاموشی اور پردہ پوشی فرماتے تھے۔ منافق آپ کی اس پسندیدہ خصلت پر بھی آپ کو مطعون کرتے اور کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کانوں کے بڑے کچے ہیں۔ جو کچھ کسی نے کہہ دیا وہی سچ سمجھ کر مان لیا۔ حق تعالیٰ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا (ترجمہ) ان منافقین میں سے بعض ایسے ہیں کہ (ہمارے) نبی کو ایذا دیتے اور کہتے ہیں کہ یہ کان کے بڑے کچے ہیں (یعنی ہر بات کان دے کے سن لیتے ہیں) آپ کہیے کہ نبی کے لیے کان کا کچا ہونا تو تمہاری بہتری کا موجب ہے۔ وہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور مومنوں کا یقین کرتے ہیں (۹: ۶۱)

یعنی ہمارے رسول کی اس عادت میں تمہاری ہی بہتری ہے۔ اگر یہ ایسے پردہ پوش اور بردبار نہ ہوتے تو سب سے پہلے تم ہی گرفت میں آتے۔

اہل بدر کو دوسروں پر فوقیت دینے کا طعن

اہل نفاق جرح و قدح کا کوئی موقع کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ اسلام میں ان صحابہ کا سب سے بڑا درجہ ہے جو غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے ہیں۔ یہ فضیلت غیر بدری صحابہ کو حاصل نہیں۔ ایک مرتبہ چند بدری صحابہؓ تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا سے مشرف ہونے کے لیے بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے۔ چونکہ مسجد میں کثیر مجمع تھا اور جان نثاران رسالت ماہتاب رسالت کے گرد جمے بیٹھے تھے اس بنا پر نو وارد اصحاب بدر کو بیٹھنے کے لیے جگہ نہ ملی۔ یہ حضرات السلام علیکم کہہ کر باہر ہی کھڑے رہے۔ حاضرین میں سے کوئی بھی ان کی خاطر اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ حضرت خیر الابرار صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناگواری محسوس فرمائی اور اہل بدر نو واردوں کے شمار کے موافق غیر بدری صحابیوں کے نام لے کر اپنی اپنی جگہ سے کھڑے ہو جانے کا حکم دیا۔ وہ لوگ

فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اہل بدر ان کی جگہ جا بیٹھے۔

منافقوں کو اس پر طعنہ زنی کا موقع ملا اور آپس میں کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے بعض اصحاب کو دوسروں پر فوقیت دیتے ہیں۔ اُٹھ کھڑے ہونے والے صحابہ کے امتثالِ امر کی تعریف اور مسلمانوں کو ہمیشہ اپنے بڑوں کے لیے جگہ خالی کر دینے کے حکم میں سورۂ مجادلہ کی گیارھویں آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے: "اے مسلمانو! جب تم کو حکم دیا جائے کہ مجلس میں کھل کھل کر بیٹھو تو کھل بیٹھا کرو۔ خدا (جنت میں) تم کو بافراغت جگہ دے گا۔ اور جب تم سے کہا جائے کہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہوا کرو۔ اللہ تعالیٰ (اس حکم کی اطاعت سے) تم میں ایمان والوں کے (اور ایمان والوں میں) ان لوگوں کے اُخروی درجے بلند کرے گا جن کو دین میں سرفرازی بخشی گئی ہے (لباب النقول فی اسباب النزول للسیوطی)

اور واقع میں آدابِ مجلس، انسانی ہمدردی اور اسلامی اخوت و مروت کا یہی تقاضا ہے مولینا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ حکم کے بموجب کھڑے ہو جایا کریں تاکہ آنے والے کے لیے جگہ کھل جائے۔ پھر چاہے یہ امتثال بالکل اُٹھ جانے سے ہو یا ایک جگہ سے اُٹھ کر دوسری جگہ جا بیٹھنے سے ہو اور خواہ اس وجہ سے حکم دیا گیا ہو کہ صدرِ مجلس کو کسی مصلحتِ مشورتِ خاصہ یا کسی ضرورتِ آرام یا عبادت وغیرہ کے لیے انفراد اور تخلیہ وغیرہ کی حاجت ہو یا بدوں خلوت کے مطلقاً حاصل یا کامل نہ ہو سکے۔ پس صدر مجلس کے امر بالقیام سے اُٹھ جانا چاہیئے اور یہ حکم غیر رسول کے لیے بھی عام ہے پس صاحب مجلس کو حاجت کے وقت اس کی اجازت ہے۔ البتہ آنے والے کو نہ چاہیے کہ کسی کو اُٹھا کر اس کی جگہ جا بیٹھے۔

بے اجازت کھسک جانے کی عادت

غزوۂ احزاب میں حملہ آور دشمنوں سے حفاظت کرنے کی غرض سے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثار اصحاب کے ساتھ مل کر مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودنی شروع کی تو منافق اول تو آتے ہی نہیں تھے اور اگر آتے تو الکساتے اور کسمساتے ہوئے۔ اور پھر ظاہرداری

کے طور پر تھوڑا سا کام کیا اور بلا اطلاع اور بے اجازت کھسک گئے اور شیدایان رسول صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم جان توڑ کر محنت کرتے اور انتہائی جانکاہی سے پتھر کنکر نکالتے تھے۔ البتہ اگر کوئی اشد ضرورت پیش آتی تو آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اجازت لے کر ہوآتے تھے۔

اصحاب پیغمبر رضی اللہ عنہم کی بشارت میں سورۂ نور کی یہ آیت نازل ہوئی:

(ترجمہ) مومن تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب کسی ایسے کام کے لیے جس میں لوگوں کے جمع ہونے کی ضرورت ہو پیغمبر کے پاس ہوتے ہیں (اور انفاقاً وہاں سے جانے کی ضرورت پڑتی ہے) تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں نہیں جاتے۔ اے پیغمبرؐ! جو لوگ ایسے مواقع پر آپ سے اجازت لے لیتے ہیں حقیقت میں وہی لوگ ہیں جو (سچے دل سے) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں۔ تو جب یہ لوگ اپنے کسی (ضروری) کام کے لیے آپ سے (جانے کی) اجازت طلب کیا کریں تو آپ ان میں سے جس کو (مناسب سمجھ کر) چاہیں جانے کی اجازت دے دیا کریں اور خدا کی جناب میں ان کے لیے مغفرت کی دعا کیا کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے (۲۴ : ۶۲)

انتباہ خداوندی

پیشوائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر حاضر ہونا فرض عین ہو جاتا تھا۔ پھر یہ بھی فرض تھا کہ حاضری کے بعد بے اجازت اُٹھ کر چلے نہ آئیں لیکن منافق بے اجازت چلے آتے تھے اور موقع کے منتظر اور متلاشی رہتے تھے۔ جب بھی موقع ملتا آنکھ بچا کر کھسک جاتے تھے۔ مثلاً کوئی مومن اجازت لے کر اُٹھا۔ یہ بھی اس کی آڑ میں ہو کر ساتھ ساتھ چل دیے۔ ان کی نسبت قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی: (ترجمہ) تم لوگ پیغمبرؐ کے بلانے کو کوئی معمولی بلانا مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بُلا لیتا ہے۔ اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو (دوسرے کی) آڑ میں ہو کر (مجلس نبوی سے) اسٹک جاتے ہیں۔ تو جو لوگ رسولؐ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کوئی ان پر آفت نہ آن پڑے یا ان پر کوئی عذاب دردناک نہ آنازل ہو (۲۴ : ۶۳)

گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا عذر لنگ

ایامِ محاصرہ میں ایک منافق لشکرِ اسلام میں پکار اُٹھا اے اہلِ مدینہ! یہاں رہنا تو موت کے منہ میں جانا ہے، اپنے گھروں کو لوٹ چلو۔ اسی طرح بعض منافق سالارِ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں جن میں صرف عورتیں اور بچے ہیں۔ خطرہ ہے کہ کہیں چور نہ آگھسیں۔ حالانکہ انہیں چوری وغیرہ کا کوئی اندیشہ نہیں بلکہ محض بھاگنے کا حیلہ تھا۔

خدائے عزیز نے ان کی نسبت اپنے کلام پاک میں فرمایا: (ترجمہ) جب ان میں سے ایک گروہ کہنے لگا اے اہلِ یثرب! تم لوگوں سے (یہاں دشمن کے مقابلے میں) نہیں ٹھہرا جائے گا اس لیے لوٹ چلو اور ان میں سے کچھ لوگ (پیغمبر سے) گھر چلے جانے کی اجازت مانگنے اور کہنے لگے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں بلکہ محض بھاگنے کا حیلہ ہے اور اگر (بالفرض) کوئی غنیم شہر میں گھس آئے اور ان سے مطالبہ کرے کہ ہمارے ساتھ شامل ہو کر (مسلمانوں سے) لڑو۔ تو (معاً اسلام کے ظاہری دعوے سے دست بردار ہو کر) فساد برپا کر دیں (یعنی مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اُٹھالیں) اور اپنے گھروں میں کچھ یوں ہی سا توقف کریں (۳۳ : ۱۳-۱۴)

گھر میں رنگ رلیاں منانا

غزوۂ احزاب میں ایک انصاری سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اسلامی لشکر گاہ سے اپنے گھر گئے تو اپنے منافق بھائی کو دیکھا کہ سامان نشاط مہیا اور شراب سامنے رکھی ہے۔ یہ اس سے کہنے لگے مردِ خدا رسولِ خدا تو لڑائی کے تفکرات میں مستغرق ہیں۔ نہ کھانے کی خبر، نہ پینے کا ہوش، اور تجھے عیش و طرب سوجھ رہا ہے؟

منافق بولا کہ تم بھی یہیں بیٹھ جاؤ۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تو ان جھگڑوں سے مدت العمر نجات ملنے کی نہیں۔ تم دیدہ و دانستہ کیوں بلائیں پھنستے ہو؟ انہوں نے کہا میں جا کر سب ماجری رسولِ خدا کے گوش گزار کرتا ہوں لیکن جب انصاری بارگاہ نبوت میں پہنچے تو یہ آیت نازل ہو چکی تھی: (ترجمہ) اے مومنو! خدا تم میں سے ان (منافقوں) کو خوب جانتا ہے جو دوسروں

کو (مصروفِ دفاع رہنے سے) روکتے اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ (کارزار سے الگ ہوکر) ہمارے پاس چلے آؤ اور لڑائی میں بہت ہی کم آتے ہیں (۳۳ : ۱۸)

مخبرِ صادق کی غیبی اطلاعوں کو مغالطہ قرار دینا

خندق کھودتے ایک بڑا سخت پتھر نمودار ہوا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کدال مارا تو وہ شق ہوگیا اور ایسی چمک پیدا ہوئی کہ شہر کے دونوں کنارے چمک اُٹھے۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے آوازِ تکبیر بلند کی۔ صحابہ نے بھی اللہ اکبر کہا۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہُوا۔ جاں نثاروں نے نعرۂ تکبیر بلند کرنے کا سبب دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ پہلی روشنی پر خدائے ذوالمنن نے مجھ کو حیرہ کے محلات اور کسریٰ کے شہر دکھائے اور جبریلؑ نے مجھ کو خبر دی کہ مسلمان ان تمام مقامات پر عمل و دخل کریں گے۔ اور دوسری چمک پر ارضِ روم کے محل نظر آئے اور جبریلؑ نے مجھے مطلع کیا کہ کسی دن یہ ممالک بھی اہلِ اسلام کے زیرِ نگیں ہوں گے۔ پھر تیسری جگمگاہٹ میں مجھے صنعاء (واقع یمن) کے محل نظر آئے اور جبریلؑ نے مژدہ سنایا کہ میری اُمت وہاں بھی غالب اور متصرف ہوگی"۔

یہ سُن کر ایک منافق کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی کیسی کیسی باتیں سناتے اور امیدیں دلاتے ہیں۔ حالانکہ مسلمان قضائے حاجت کو بھی نہیں جا سکتے۔ بیت الخلاء کو جاتے ہیں تو یقین نہیں ہوتا کہ واپس آنا بھی نصیب ہوگا یا نہیں۔ اور خود تو خوف کے مارے خندق کھود رہے ہیں لیکن ساتھ ہی روم اور ایران کی تسخیر اور صنعا اور حیرہ کے محلات بھی دکھائے جا رہے ہیں۔ یہ سب مغالطہ اور فریب کاری ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: (ترجمہ) اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے بول اُٹھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا وہ محض دھوکے ہی کا وعدہ ہے۔ (۳۳ : ۱۲)

اہلِ ایمان میں بددلی پھیلانے کی کوشش

جنگ کے زمانہ میں جبکہ ہر شخص کو یکسوئی اور استقلال کی اشد ضرورت ہوتی ہے

اس سے زیادہ خطرناک کوئی اقدام نہیں کہ کوئی شخص رعایا اور محارب سپاہیوں میں بددلی پیدا کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوران جنگ میں جھوٹی افواہیں پھیلائے تو اسے جرم غداری کی سزا دی جاتی ہے۔ اہلِ نفاق غزوۂ خندق کے ایام میں صحابۂ کرام میں بددلی پھیلانے کی جو کوشش کر رہے تھے، اگر رسولِ رؤف کی بجائے کوئی دنیادار حاکم یا سپہ سالار ہوتا تو بددلی پھیلانے والوں کو گولی مار دیتا۔ لیکن آپ نے منافقوں کی شرانگیزیوں کو قطعاً درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔

غزوۂ تبوک میں جانے سے گریز

نصارائے عرب نے ہرقل شاہِ روم کو ہجرت کے نویں سال لکھ بھیجا کہ مدعی نبوت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتقال ہو چکا ہے اور قحط نے ان کے پیرووں کا بُرا حال کر رکھا ہے۔ اس غلط اطلاع پر اس کو عرب کے زیرِ نگیں کرنے کا حوصلہ ہوا اور اس نے اپنے ایک خاص افسر کے زیرِ قیادت چالیس ہزار فوج قسطنطنیہ سے روانہ کی۔ حضرت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے بھی مدافعت کے لیے تیاری کا حکم دیا۔ یہ غزوہ تبوک کے نام سے مشہور ہے۔

اس وقت سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ سفر دور دراز کا اور دشمن نہایت قوی تھا۔ نخلستان کی فصل بالکل تیار کھڑی تھی اور اس کے کاٹنے کا وقت آلگا تھا اور صحابۂ کرامؓ تھوڑے ہی دن پہلے فتح مکہ اور جنگ حنین سے فراغت پا کر واپس آئے تھے۔ تاہم اہلِ ایمان بموجبِ حکم تیاری میں مصروف ہوئے لیکن اہلِ نفاق نے ٹال مٹول اور حیلے حوالوں سے کام لے کر رفاقت سفر سے بچنا چاہا اور ان کی دیکھا دیکھی چند مسلمان بھی جانے میں لیت و لعل کرنے لگے۔ اس وقت یہ آیات اُتریں:

(ترجمہ) اے مسلمانو! تم کو کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ راہِ خدا میں نکلو تو تم زمین پر ڈھیر ہوئے جاتے ہو۔ کیا آخرت کے بدلے میں تم نے دنیاوی زندگی پر قناعت کر لی؟ حالانکہ آخرت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی کے فائدے محض بے حقیقت ہیں۔ اگر تم (جہاد فی سبیل اللہ کے لیے) نہ نکلو گے تو خدا تم کو عذابِ الیم میں گرفتار کرے گا (یعنی تم کو ہلاک کر دے گا)

اور تمہاری جگہ (اپنے رسول کی رفاقت کے لیے) کسی دوسری قوم کو لاموجود کرے گا اور تم اللہ (کے دین) کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکو گے اور اللہ کو ہر بات کی پوری قدرت ہے (۹: ۳۸۔ ۳۹)

اہل نفاق اب تک اکثر معرکوں میں شریک غزا ہوتے رہے لیکن غزوۂ تبوک میں یہ مشکل پیش آگئی کہ رومیوں کی سرحد جہاں پہنچنے کی طیاری تھی بعید مسافت پر واقع تھی اور اس شدت کی گرمی پڑ رہی تھی کہ اس کو دیکھتے ہوئے منافقوں کی روح فنا ہوتی تھی اس لیے نہ جانے کے لیے عذر تراشنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا چنانچہ بارگاہِ نبوی میں آ آ کر طرح طرح کے حیلے حوالے کرنے شروع کیے۔ ایک منافق جُد بن قیس آکر کہنے لگا یارسول اللہ! آپ سے یہ امر مخفی نہ ہوگا کہ میں عورتوں کا بڑا مشتاق ہوں اور روم کا حسن مشہور ہے حسینانِ روم کو دیکھ کر مجھ سے صبر نہ ہو سکے گا۔ ایسا نہ ہو کہ میں وہیں کا ہو رہوں۔ اس لیے آپ مجھے یہیں رہنے کی اجازت دیجیے۔ البتہ تجہیز لشکر کے لیے مالی امداد حاضر کر سکتا ہوں۔ اس پر قرآن کی آیت ۹: ۴۹ نازل ہوئی جس کا مفہوم یہ ہے کہ رومی عورتوں کو دیکھ کر پھنس پڑنے کا تو محض احتمال ہی احتمال ہے، البتہ جہاد سے تخلّف اور رسولؐ کی نافرمانی کے باعث اہل نفاق گمراہی کے گڑھے میں گر چکے اور آئندہ چل کر اپنے کفر و نفاق کی بدولت جہنم کے گڑھے میں گریں گے۔

اور جُد بن قیس منافق کی مالی اعانت کے نامقبول ہونے کے بارے میں آیت قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ کَرْهًا لَّنْ یُّتَقَبَّلَ مِنْکُمْ الخ (۹: ۵۳) نازل ہوئی (لباب النقول)۔

انفاق فی سبیل اللہ کرنے والے صحابہؓ پر ریاکار ہونے کا طعن

غزوۂ تبوک کے لیے حضرت سیدِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو چندہ دینے کی ترغیب دی تھی تمام حضرات حیثیت کے موافق خلوصِ نیت سے اپنا اپنا مال لانے لگے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے چار ہزار درہم لا حاضر کیے۔ حضرت عاصم بن عدی بلوی بدریؓ نے سو وسق چھوارے جو پانچ سو من سے کچھ زیادہ ہوتے ہیں لا ڈالے۔ حضرت ابو عقیل انصاریؓ ایک صاع کھجوریں جو چار سیر سے کم ہوتی ہیں لائے اور عرض کی یارسول اللہ! ساری

رات پانی کھینچ کر مزدوری میں دو صاع کھجوریں لایا تھا۔ آدھی کھجوریں بال بچوں کو دے آیا ہوں اور نصف فی سبیل اللہ لے آیا۔ آپ نے ان کھجوروں کو سب کے اوپر ڈالنے کا حکم دیا۔

منافق کہنے لگے کہ عبدالرحمٰنؓ اور عاصمؓ تو ریا کار ہیں۔ نام ونمود کے لیے اتنا مال لے آئے اور ابوعقیل جو کھجوریں لائے تو خدا اس خیرات سے مستغنی ہے۔ لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہونے کو تھوڑی سی کھجوریں لے آئے۔ اس پر یہ آیت اتری: (ترجمہ) یہ منافق ایسے ہیں کہ مسلمانوں میں جو لوگ بامقدور ہیں اور خوش دلی سے خیرات کرتے ہیں ان پر (ریا کاری کا) عیب لگاتے ہیں اور جو لوگ اپنی محنت (کی کمائی) کے سوا زیادہ کا مقدور نہیں رکھتے (اور اس پر بھی جو میسر آتا ہے خدا کی راہ میں دینے کو حاضر ہیں) ان پر ناحق کی شیخی کا عیب لگاتے ہیں۔ (غرض) سب پر ہنستے ہیں۔ سو اللہ ان منافقوں پر ہنستا ہے اور ان کے لیے عذاب دردناک تیار ہے (۹: ۷۹)۔

تقسیم غنائم پر اعتراض

نبی صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کے ساتھ جمیع احکام میں مومنوں کا سا برتاؤ کرتے تھے کیونکہ وہ بھی مدعیان اسلام تھے۔ اس بنا پر صدقات وغنائم میں ان کو بھی اہل ایمان کی طرح حصہ ملا کرتا تھا کیونکہ نفلی صدقہ میں لینے والے کے لیے اسلام شرط نہیں ہے۔ جب غنائم میں منافقوں کو تمام دوسرے لوگوں کے برابر حصہ ملتا تھا تو وہ خاموش رہتے تھے لیکن اگر کبھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی دینی مصلحت سے کچھ زیادہ دیتے تھے اور تقسیم منافقوں کی خواہش کے مطابق نہ ہوتی تو وہ جھٹ معترض ہوتے پس ان کے اعتراض اور حرف گیری کا منشأ حرص دنیوی اور خودغرضی کے سوا کچھ نہ تھا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی کسی کو دوسروں سے زیادہ دیتے تھے تو حکم خداوندی کے تحت ایسا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا (مجھے دنیاوی بادشاہوں کی مانند نہ سمجھو جن کی عطا ومنع ان کی اپنی خواہشوں پر موقوف ہوتی ہے) میں نہ تو کوئی چیز اپنی طرف سے دیتا ہوں اور نہ اپنی مرضی سے روکتا ہوں۔ میں تو اللہ تعالیٰ رب العالمین کا خزانچی ہوں۔ جہاں حکم ہوتا ہے وہاں خرچ کرتا ہوں (ابوداؤد)۔

مقتدائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم خداوندی کے بموجب مال غنیمت کا پانچواں حصہ ملتا تھا لیکن آپ اپنا حصہ مسکینوں، بیوتوں، یتیموں، مسافروں، قرض داروں اور دوسرے اہل حاجات میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے اونٹ کا ایک بال لے کر فرمایا کہ تمہاری غنیمتوں میں سے پانچویں حصے کو چھوڑ کر میرے لیے اس بال کے برابر بھی حلال نہیں ہے اور اپنا پانچواں حصہ بھی تمہاری ہی حاجات پر خرچ کر دیا جاتا ہے (ابوداود)

ان حقائق کی روشنی میں بدباطن اہل غرض کے اعتراضات کی حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

تقسیمِ خمس کا ایک اہم نبوی اصول

یاد رہے کہ مال غنیمت کے چار حصے تو بے تنخواہ مجاہدوں میں تقسیم ہوتے تھے اور پانچواں حصہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا کرتا تھا۔ آپ اپنے حصے میں سے جہاں مناسب خیال فرماتے مفادِ اسلام پر خرچ کرتے اور مسکینوں اور حاجت مندوں کی امداد فرماتے تھے۔ نو مسلم اور ضعیف الایمان لوگ آپ کی اس بذل و عطا سے زیادہ فائدہ اٹھاتے تھے لیکن عشرۂ مبشرہ اور دوسرے راسخ الایمان حضرات کو اس سے بہت کم بہرہ اندوز ہونے کا موقع ملتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس مال غنیمت کا خمس (پانچواں حصہ) آیا۔ آپ نے تقسیم کرتے وقت بعض لوگوں کو بالکل نظر انداز فرما دیا۔ جو لوگ اس سے بہرہ ور نہ ہوئے ان میں سے بعض افراد نے شکوہ و شکایت کی زبان کھول دی۔

آنحضرت کو معلوم ہوا تو آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں حق تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا "یہ صحیح ہے کہ میں تقسیم کرتے وقت بعض لوگوں کو نظر انداز کر دیتا ہوں لیکن یاد رہے کہ جن لوگوں کو میں کچھ نہیں دیتا وہ مجھے ان لوگوں سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں جن کو دیتا ہوں۔ جن لوگوں کو بے صبری اور حرص و آز اور ہوائے نفس میں گرفتار پاتا ہوں انہیں خوب دیتا ہوں اور جن کو دیکھتا ہوں کہ خدا نے برتنے ان کے باطن میں نیکی اور بے نیازی ودیعت فرمائی ہے اور دل زخارفِ دُنیوی سے مستغنی ہیں، ان سے ہاتھ روک لیتا ہوں۔" اس حدیث کے راوی حضرت عمرو بن تغلب کہتے ہیں

ان حضرات میں داخل تھے جنہیں کچھ نہیں ملا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ واللہ! حضور کی یہ عزت افزائی میرے لیے سُرخ اونٹوں سے کہیں زیادہ گرامی قدر اور مسرت انگیز ہے (بخاری)

فاروقِ اعظم رضؓ کو منافق کے قتل سے روکنا

مروی ہے کہ جب آپ نے غزوۂ حُنین کے مالِ غنیمت میں سے مؤلفۃ القلوب نو مسلموں اور مکہ معظمہ کے بعض ان غیر مسلموں کو جنہوں نے جنگ ہوازن میں جیشِ اسلامی کی رفاقت اختیار کی تھی سب سے زیادہ مال دیا تو قبیلہ بنو تمیم کا ایک منافق یہ دین بجو ذوالخویصرہ کے لقب سے مشہور تھا، کہنے لگا خدا کی قسم! اس تقسیم میں نہ تو خدا کی رضامندی مطلوب تھی اور نہ عدل و انصاف کو ہی مدِنظر رکھا گیا۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اگر میں بھی انصاف نہیں کرتا تو دوسرا کون ہے جو میزانِ عدل قائم کرے گا؟ حضرت عمر فاروق رضؓ ذوالخویصرہ کی دریدہ دہنی کی تاب نہ لا سکے اور غصہ سے تلوار بے نیام کرکے اس کی جاں ستانی کے لیے بڑھے لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معًا روک دیا اور فرمایا خدائے برتر موسیٰ (علیہ السلام) پر رحم کرے۔ انہیں اس سے بھی زیادہ ایذائیں دی گئیں لیکن انہوں نے صبر کیا (بخاری و مسلم)

حضرت خالدؓ کا قتلِ منافق کی اجازت مانگنا

اسی طرح آپ کے پاس ایک مرتبہ کچھ سونا آیا۔ آپ نے اس کو نجد کے نومسلموں میں تقسیم فرما دیا۔ کسی دوسرے کو کچھ نہ دیا۔ بعض جاں نثاروں نے گذارش کی یا رسول اللہ! آپ نے ہمیں بالکل نظر انداز فرما دیا" آپ نے عذر کیا کہ میں نے ان کو تالیفِ قلوب کے خیال سے دیا ہے۔ یہ سن کر تمام حضرات خوش ہو گئے لیکن ایک منافق مجمع میں سے نکل کر کہنے لگا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا سے ڈر۔ تقسیم میں انصاف چاہیے۔

آپ نے فرمایا کہ اگر میں خدا کی نافرمانی کرتا ہوں تو پھر کون ہے جو اس کی اطاعت کرے گا اور شیوۂ انصاف پر کاربند ہو گا؟ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس مجلس میں حاضر تھے۔ وہ اس

گستاخی پر بے اختیار ہو گئے اور دانت پیستے ہوئے عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! اجازت دیجیے کہ اس منافق کی مُنڈی اُڑا دوں۔ لیکن آپ نے انکار فرما کر خالد رضہ کو اس اقدام سے روک دیا (بخاری)۔

ایک دریدہ دہن اندھے کی عناد پسندی اور رحمتِ عالم ﷺ کا عفو و درگزر

جب لشکرِ اسلام مدینہ منورہ سے اُحد کے میدانِ کارزار کی طرف روانہ ہوا تو سرورِ کون و مکاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواہش تھی کہ کسی طرح جلد سے جلد میدانِ جنگ میں پہنچ سکیں۔ اس لیے آپ نے فرمایا کوئی ایسے صاحب ہیں جو ہمیں قریب ترین راستے سے لے چلیں۔ حضرت ابوخیثمہ انصاری رضہ کہنے لگے یا رسول اللہ! میں لے چلتا ہوں۔ وہ آپ کو بنوحارثہ کی آبادی میں سے لے کر نکلے جو اُن کے ہم قوم اور قرابت دار تھے۔

جب لشکرِ اسلام بنوحارثہ کے سنگستان میں سے گزر رہا تھا تو راستہ میں مربع بن قیظی نام ایک اندھے منافق کا باغ پڑتا تھا۔ یہ اندھا بڑا شریر اور عناد پرور تھا۔ جب اس کو بتایا گیا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا لشکر ہے تو بڑا چیں بجبیں ہوا اور جب اسے آپ کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی تو خاک اُڑانے لگا۔ پھر بولا اے محمدؐ! اگر تم رسول اللہ ہو تو بھی مجھے گوارا نہیں کہ اس راستے سے گزرو۔ اس کے بعد عالمِ غیظ میں ایک برتن میں مٹی بھر کر کہنے لگا اگر مجھے معلوم ہو کہ یہ مٹی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کسی اور پر نہ پڑے گی تو میں محمد (علیہ السلام) کے چہرے پر پھینک دوں۔

جن جن صحابہ نے اس اندھے کورِ باطن کی دریدہ دہنی اور زہر فشانی سنی وہ بڑی تیزی سے اس کے قتل کرنے کو بڑھے۔ لیکن آپ نے سب کو روک دیا اور فرمایا جانے دو یہ نابینا ہے"۔ مگر اتنے ہی حضرت سعد بن زید اشہلی انصاری رضہ اپنی کمان کی نوک سے نابکار کا سر پھوڑ چکے تھے (ابن جریر طبری و ابن ہشام)۔

فصل ۲۔ ثعلبہ منافق کے حق میں کشائش رزق کی دُعا

باوجودیکہ شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم وحیٔ الٰہی کی اطلاع کے بعد ہر منافق کو جاننے پہچاننے لگے تھے تاہم آپ اس کے بعد بھی ان سے وہی مربیانہ سلوک روا رکھتے تھے جو جان نثاروں کے حال پر مبذول تھا۔ جس طرح آپ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی درخواستوں کو شرف قبول بخشتے تھے اسی طرح ارباب نفاق وجہل کی عرض داشتوں کو بھی سمع قبول سے سننا آپ کے معمولات میں داخل تھا۔

ایک مرتبہ ثعلبہ بن حاطب نام ایک منافق عرض پیرا ہوا "یا رسول اللہ! آپ دُعا فرمائیے کہ رب العزت مجھے مالدار بنا دے"۔ آپ نے فرمایا کہ "تھوڑا مال جس کا شکر ادا ہوتا رہے ایسے کثیر زر و مال سے بہتر ہے جو خدا سے غافل کرنے والا ہو"۔ ثعلبہ قسمیں کھانے لگا کہ "میں زیادہ دولت ملنے پر خوب صدقہ خیرات دوں گا اور اہلِ حقوق کے حق ادا کرنے میں ہرگز کوتاہی نہیں کروں گا"۔ آپ جانتے تھے کہ یہ منافق اور عدوے اسلام ہے تاہم اس کے ظاہری اسلام کی وجہ سے اس کی ترقیٔ رزق کی دُعا کر دی۔ چنانچہ اس کے مال و دولت میں غیر معمولی فراوانی ہوئی۔ اس کی بھیڑ بکریوں نے وہ کثرت اختیار کی کہ اس کے ریوڑ مدینہ منورہ میں نہ سما سکے اس لیے شہر سے باہر چلا گیا۔

چونکہ منافق بظاہر مسلمان ہوتے تھے اس لیے شریعت کے ظاہری احکام کے رُو سے وہ بھی کچھ نہ کچھ زکوٰۃ ادا کرتے تھے۔ جب زکوٰۃ دینے کا وقت آیا تو ثعلبہ حیلے حوالے کر کے عاملینِ زکوٰۃ سے کہنے لگا کہ یہ تو ناحق کا تاوان ہے اور انکار کر دیا۔ چنانچہ اس کے انکار پر سورۂ توبہ کی یہ آیتیں نازل ہوئیں:

(ترجمہ) اور منافقوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے (پیغمبر کی وساطت سے) خدا کے ساتھ قول کیا تھا کہ اگر وہ اپنے فضل سے ہم کو (مال و دولت) دے گا تو ہم لازماً صدقہ خیرات کیا کریں گے اور ضرور خدا کے نیک بندے ہو کر رہیں گے۔ پھر جب خدا نے ان کو اپنے فضل سے (مال)

عطا فرمایا تو اس میں بخل کرنے لگے اور سرتابی کر کے (اپنے وعدے سے) پھر گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس دن تک کہ خدا سے ملیں گے (یعنی روز قیامت تک، خدا نے ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا۔ اس لیے کہ انہوں نے خدا سے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا نہ کیا اور نیز اس لیے کہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

(۹: ۷۵ - ۷۷)

آخر جب اس کو بتایا گیا کہ تمہارے متعلق حکم ربانی نازل ہوا ہے تو وہ عار اور بدنامی سے بچنے کے لیے مال زکوٰۃ لے کر مسجد نبوی میں حاضر ہوا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا خدائے قدوس نے تمہاری زکوٰۃ قبول کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس نے بہت کچھ ہائے وائے کی لیکن آپ نے کسی طرح منظور نہ فرمایا۔ پھر وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مال زکوٰۃ لے کر آیا۔ انہوں نے بھی انکار کیا اور فرمایا کہ بیت المال تمہاری زکوٰۃ سے مستغنی ہے۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہما کے پاس بھی لاتا رہا لیکن انہوں نے بھی قبول نہ فرمایا (روح المعانی عن الطبرانی و دلائل للبیہقی)۔

فصل ۳

منافقوں کی طرف سے امام الانبیاءؑ کی جان لینے کی کوشش

جب لشکر اسلام تبوک سے واپس آرہا تھا تو پندرہ منافقوں نے باہم مشورہ کیا کہ آج رات فلاں گھاٹی میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سواری گزرے گی۔ سب مل کر ان کو دھکیل دیں اور پھر آناً فاناً موت کے گھاٹ اتار دیں۔ چنانچہ وقت معہود پر منہ سر لپیٹ کر دفعتہً اس موقع پر پہنچے۔ اس وقت حضرت حُذیفہ بن یمان، حضرت عمّار بن یاسر اور ایک اور صحابی آپ کے ساتھ تھے۔ جب منافق آپ کے قریب پہنچے تو آپ نے ان کو ڈانٹا۔ جان نثاروں نے بڑی اُولوالعزمی کے ساتھ ان کو ہٹا دیا اور آپ کے پاس نہ پہنچنے دیا۔ چونکہ اندھیری رات تھی اور منافقوں نے منہ سر لپیٹ رکھے تھے، پہچانے نہ جا سکے

لیکن وحی کے ذریعہ سے آپ کو ان کی شخصیتیں اور اقدامِ جاں ستانی کی تفصیل معلوم ہو گئی۔

منزل پر پہنچ کر آپ نے ان کو بلایا اور پوچھا کہ تم لوگوں نے ایسا ایسا مشورہ کیا تھا اور میرے قتل کے ارادہ سے میری طرف بڑھے تھے، وہ سب قسمیں کھا گئے کہ نہ کوئی مشورہ ہوا تھا اور نہ یہ ارادہ کیا تھا۔ اس دل فگار واقعہ کی تفصیل اِن شاء اللہ العزیز چودھویں باب کی دسویں فصل میں آئے گی۔

ان پندرہ منافقوں میں سے بعض منافق ہجرت کے وقت بڑے نادار تھے۔ آپ نے ان کی مالی اعانت فرمائی تھی۔ بالخصوص جُلاس منافق کو آپ نے ایک بڑے گرانبار قرض سے سبکدوش فرما دیا تھا۔ غنائم کی کثرت کے بعد منافقوں کو بھی ظاہری میل جول اور مسلمانوں سے خلا ملا رکھنے کے باعث مالِ غنیمت کا حصّہ ملتا رہتا تھا لیکن اس مسلسل امداد اور نصرت بخشی کے باوجود انہوں نے آپ سے یہ غدّاری اور نمک حرامی کی۔

مروی ہے کہ غزوۂ تبوک کے بعد نفاق پیشہ لوگوں کے مخفی حالات آشکارا کیے گئے اور ان کی برائیاں بیان کی گئیں۔ اس پر جُلاس بن سوید منافق نے کہا کہ جن لوگوں کو منافق بنایا جاتا ہے وہ تو ہمارے سردار اور بڑے ہیں۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس دعوے میں سچے ہیں تو ہم تو گدھے سے بھی بدتر ہوئے۔ عامر بن قیس اشعری صحابیؓ بولے بیشک رسولِ خدا سچے ہیں اور تو گدھے سے بھی بدتر ہے اور پھر یہ خبر حضور امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام تک جا پہنچی۔ آپ نے جُلاس کو بلا کر پوچھا تو وہ قسم کھا گیا کہ میں نے نہیں کہا۔

حضرت عامرؓ نے ہاتھ اُٹھائے اور دُعا کی کہ بارِ خدایا! اس بارے میں کوئی آیت نازل فرما جو اس کے جھوٹ کی قلعی کھول دے۔ چنانچہ ان کی دُعا قبول ہوئی اور یہ آیت اُتری:

(ترجمہ) یہ منافق اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے تو فلاں بات نہیں کہی حالانکہ انہوں نے ضرور کفر کی بات کہی تھی اور اپنے (ظاہری) اسلام کے بعد (ظاہر میں بھی) کافر ہو گئے اور انہوں نے ایسے فعل کا ارادہ کیا تھا (سرورِ انبیاء کی جاں ستانی کی کوشش) جس میں وہ نامراد رہے اور یہ کہ انہوں نے اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ ان کو اللہ نے اپنی مہربانی سے اور اس کے رسول نے مالدار کر دیا

سو یہ لوگ اب بھی توبہ کریں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا اور اگر نہ مانیں تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں بڑا دردناک عذاب دے گا اور روئے زمین پر نہ کوئی ان کا حامی ہوگا اور نہ مددگار (۹: ۷۴)

کہتے ہیں کہ اس آیت کے نزول پر جُلاس بن سوید نے صدق دل سے اسلام قبول کرلیا۔ سوید کا تعلق انصار کے قبیلہ اوس سے تھا۔

فصل ۴۔ مسجدِ ضرار کی تعمیر!

سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کرکے دوشنبہ کے دن مدینہ منورہ کی بیرونی آبادی میں پہنچے تھے اور آپ نے وہاں قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے محلے میں قیام فرمایا تھا جسے قُبا کہتے ہیں۔ قُبا کے قبیلہ بنو عمرو بن عوف نے آپ کی موجودگی میں ایک مسجد کی تعمیر شروع کی جس کی بنیاد آپ کے مبارک ہاتھوں سے رکھی گئی۔ اس کے بعد آپ جمعہ کے دن اندرون شہر میں تشریف لے گئے۔ آپ کی عادت مبارک یہ تھی کہ عموماً شنبہ کے دن شہر سے آکر مسجد قبا میں نماز پڑھا کرتے تھے

منافقوں نے غزوۂ تبوک سے پہلے قُبا میں اپنی ایک علیحدہ مسجد تعمیر کی اور چاہا کہ ابو عامر راہب دشمن رسول کو بلا کر اس مسجد کا امام مقرر کریں جو غزوۂ اُحُد میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ گیا تھا کہ میں تم سے لڑنے والے ہر گروہ کے ہمراہ تم سے رزم خواہ ہوں گا' اور جنگ حنین تک ہر معرکہ میں مسلمانوں سے لڑتا رہا۔ آخر مایوس ہوکر ملک شام کو چلا گیا اور منافقین مدینہ کو لکھ بھیجا کہ تم لوگ ہتھیار اور قوت جمع کرتے رہو۔ میں قیصر روم سے مل کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلے میں عنقریب ایک لشکر جرار لانے والا ہوں۔

مسجد ضرار کی تعمیر کا مقصد منافقوں کے لیے ایک دارالشوریٰ مہیا کرنا اور نماز کے بہانے جمع ہوکر اسلام کے خلاف سازشیں کرنا تھا۔ جب یہ مسجد ضرار طیار ہوگئی تو اہل نفاق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبوک جاتے وقت آپ سے کہنے لگے کہ ایک مرتبہ آپ چل کر ہماری مسجد میں نماز پڑھ لیں تو پھر ہم وہاں جماعت قائم کرلیں گے۔

آپ کو ان فریب کاری کا علم نہ تھا اس لیے آپؐ نے فرمایا کہ تبوک سے مراجعت پر ان شاء اللہ پہلے تمہاری مسجد میں نماز پڑھ کر شہر میں داخل ہوں گا۔ آپ مراجعت فرما ہوئے تو منافقوں نے پہلے تو آپؐ کے قتل و جان ستانی کی کوشش کی لیکن جب اس میں نامراد رہے تو پھر آپ کو مسجد ضرار میں لے جانا چاہا۔ لیکن رب جلیل نے سورۂ توبہ کی چند آیتیں نازل فرما کر ان کی خیانت و بداندیشی کا پردہ چاک کر دیا اور آپ نے منافقوں کی درخواست کو مسترد فرما دیا۔ وہ آیتیں یہ ہیں:

(ترجمہ) اور وہ لوگ (منافقین) جنہوں نے اس غرض سے ایک مسجد بنا کھڑی کی کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں اور (خدا اور رسول کے ساتھ) کفر کریں اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالیں اور ایسے شخص (ابو عامر) کو پناہ دیں جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ پہلے لڑ چکا ہے۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو قسمیں کھانے لگیں گے کہ ہم نے تو بھلائی کے سوا کسی قسم کا ارادہ کیا نہیں اور اللہ اس پر شاہد ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ آپ اُس مسجد میں کبھی (جا کر) کھڑے بھی نہ ہونا۔ ہاں وہ مسجد جس کی بنیاد شروع دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے (یعنی مسجد قُبا) وہ اس بات کی مستحق ہے کہ آپ اس میں (نماز کے لیے) کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ (نماز پڑھتے) ہیں جو خوب صاف ستھرے ہونے کو پسند کرتے ہیں۔ اور اللہ خوب صاف ستھرے رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ پھر بھلا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت (مسجد) کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی (یعنی غار) کے کنارے پر جو کہ گرنے ہی کو ہو رکھی ہو (یعنی ناپائیدار ہو) پھر وہ عمارت اس (بانی) کو لے کر آتش جہنم میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو (دین کی) سمجھ نہیں دیا کرتا۔ یہ عمارت جو ان لوگوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں (کانٹا سا) کھٹکتی رہے گی یہاں تک کہ (اس عمارت کے گرا دیے جانے سے) ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اللہ (سب کا حال) جاننے والا (اور) صاحبِ تدبیر ہے (۹: ۱۰۷ تا ۱۱۰)۔ (مدارک، بیضاوی، لباب النقول)

فصل ۵۔ منافقوں سے جہاد باللسان کا فرمانِ خداوندی

اہلِ نفاق سے عدم تعرض کے وجوہ

منافقوں کی فتنہ انگیزیاں ملتِ حنیفی کو سخت نقصان پہنچا رہی تھیں اور اہلِ ایمان بھی ان کی طرف سے بہت کچھ صعوبتیں برداشت کر رہے تھے، اس لیے صحابۂ کرام نے بارگاہِ نبوت میں ان کے تہس نہس کرنے کی بارہا اجازت چاہی لیکن پیشوائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قلع قمع پر رضامند نہیں ہوتے تھے۔ اس پہلی وجہ تو یہ خیال تھا کہ غیر مسلم یہ کہہ کر مطعون کریں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنے اصحاب ہی کو قتل کرتے ہیں۔

عدم تعرض کی دُوسری وجہ یہ تھی کہ اگر آپ کسی منافق یا ذمّی کو کسی ظاہری سبب اور خطا کے بغیر محض باطنی خباثتِ نفس اور عداوتِ دین کی بنا پر کوئی سزا دیتے تو یہ اسلامی قانون میں ایک نظیر قائم ہو جاتی اور آئندہ چل کر ہوا پرست حکام کو اغراضِ نفسانی کی تکمیل کا حیلہ مل جاتا اور وہ ان واقعات سے استدلال کر کے جسے چاہتے نفاق اور خبثِ باطن کا الزام لگا کر موت کے گھاٹ اتار دیتے اور کسی قسم کا عہد و ذمہ قابلِ اعتماد نہ رہتا۔

تشدد کرنے کا حکم

اہلِ نفاق سے تعرض کرنے کا جو فرمانِ خداوندی نازل ہوا وہ صرف جہاد باللسان تھا۔ کسی بُرائی کو دُور کرنے کی انتہائی کوشش کو جہاد کہتے ہیں یہ کوشش کبھی ہتھیار سے ہوتی ہے، کبھی زبان سے اور کبھی قلم وغیرہ سے۔ سُورۂ توبہ کی ۷۳ ویں آیت

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ	اے پیغمبرؐ! کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے۔

میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی طرح منافقوں سے بھی جہاد کرنے کے لیے مامور ہوئے لیکن عہدِ نبوت میں منافقوں کے خلاف جہاد بالسیف کبھی نہیں ہوا اور آیت میں منافقوں سے

جہاد کرنے کا مطلب جہاد باللسان ہے۔

تبوک سے واپسی پر جب ان سیاہ بختوں نے سرورِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کی سازش کی تو اس کے بعد آپ چشم پوشی اور شیوۂ رحم و کرم سے دست بردار ہو کر ان پر سختی کرنے کے لیے مامور ہوئے۔ لیکن یہ سختی بھی صحابۂ کرامؓ کی زبانی ڈانٹ ڈپٹ تک اور بعض اوقات مسجد نبوی سے بعض منافقوں کے اخراج تک محدود رہی۔

بابِ پنجم

یہود کے ساتھ کریمانہ برتاؤ

فصل اوّل

بعثتِ سید المرسلینؐ کے متعلق علمائے یہود کی بشارتیں

دنیا بھر کے یہودی علما اپنی مذہبی کتابوں کی بشارتوں کے بموجب صدیوں سے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لیے چشم براہ چلے آتے تھے۔ ذیل میں چند پیش گوئیاں ہدیۂ احباب ہیں:

دار الہجرت کا احترام ملحوظ رکھنے کی تلقین

جب حسّان بن تُبَّع حمیری شاہ یمن مشرق کی طرف بڑھ رہا تھا تو وہ یثرب ہو کر گذرا (جو بعد میں مدینۃ النبیؐ کے نام سے مشہور ہوا) اور اس پر قبضہ کر لیا۔ چند روز کے بعد یہاں اپنے بیٹے کو چھوڑ کر بجانب شمال کوچ کیا۔ اس کی روانگی کے بعد اہل یثرب نے اس کے لڑکے کو قتل کر ڈالا۔ جب حسّان کو اس حادثہ کی اطلاع ملی تو وہ سخت برہم ہوا اور اپنے سارے منصوبہ کو ملتوی کر کے یثرب کو مراجعت کی۔ یہاں پہنچ کر اس نے یثرب کا محاصرہ کر لیا۔ شہر اور مضافات کے تمام

قبائل متحد ہو کر بر سرِ مقابلہ ہوئے۔ دورانِ جنگ میں یہودانِ بنو قریظہ کے دو عالمِ متبحر حسّان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ محاصرہ اُٹھا لو کہ تم یثرب کو کسی طرح برباد نہیں کر سکتے کیونکہ یہ نبیٔ آخرالزمان کی جائے ہجرت ہے (ابن خلدون)

اور ابن سعد نے اس واقعہ کو حضرت اُبَیؓ بن کعبؓ سے یوں روایت کیا ہے کہ جب حسّان بن تُبّع یثرب پہنچا تو اس نے احبارِ یہود کے پاس پیغام بھیجا کہ میں اس شہر کو بالکل ویران کر دوں گا۔ علامہ سامول نے جو احبارِ یہود میں سب سے ممتاز تھے جواب دیا کہ یہ شہر نبی آخرالزمان کی ہجرت گاہ ہے جن کا مولد مکہ اور اسم گرامی احمدؐ ہوگا۔ اس مقام پر جہاں تمہارا قیام ہے (یعنی بمقام بدر) اس نبی کے اصحاب میں اور اعدائے رسالت میں لڑائی ہوگی۔ حسّان نے کہا وہ کون بدبخت ہوگا جو نبی سے برسرِ جنگ ہوگا؟ سامول نے کہا پیغمبرؐ کی اپنی قوم ہی برسرِ عناد ہوگی۔ وہ لوگ یہاں آ کر لڑیں گے لیکن خدائے عزیز و برتر اپنے نبی کو فتح دے گا۔ پوچھا، اس نبی کا مدفن کہاں ہوگا؟ بولے "یہی شہر یثرب"۔ یہ سن کر حسّان کہنے لگا تو پھر مجھے اس شہر پر دستِ تطاول دراز کرنے کا حوصلہ نہیں (طبقات ابن سعد)۔

احمدؐ نبی کے نورِ ظہور کا تذکرہ یہود کی زبان پر

عاصم بن عمر بن قتادہ کا بیان ہے کہ میں نے انصار کے کتنے ہی افراد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب خدائے قدوس کی توفیق بخشی ہمارے شاملِ حال ہوئی تو ہم فی الفور حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بعثتِ نبویؐ سے پیشتر ہم لوگ بُت پرست اور جاہل و ناخواندہ تھے اور ہمارے مقابلہ میں یثرب کے یہودی زیورِ علم و فضل سے آراستہ تھے۔ ان میں اور ہم میں جب کبھی کوئی وجہِ مخاصمت پیدا ہوتی تو وہ ہمیں دھمکیاں دینے لگتے کہ نبی آخرالزمان کے ظہور کا وقت قریب آ پہنچا ہے جب وہ ظاہر ہوں گے تو ہم ان کی متابعت میں تم سے اسی طرح جنگ آزما ہوں گے جس طرح گزشتہ اہلِ ایمان عاد و ارم سے رزم خواہ ہوئے تھے۔ ان کی ایسی باتیں اکثر ہمارے کانوں میں پڑتی رہتی تھیں۔

اس کے بعد جب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ نے ہم کو اسلام کی دعوت

دی تو ہم فوراً بھانپ گئے کہ یہ وہی احمد نبی ہیں جن کے نورِ ظہور کا تذکرہ یہود کی زبان پر تھا۔ اس لیے ہم نے قبول اسلام میں جلدی کی لیکن یہود آپ کی رسالت کا انکار کر کے بدستور کفر گمراہی میں گرفتار رہے۔ (البدایہ والنہایہ یعنی تاریخ ابن کثیرؒ)

سرورِ عالم کے توسّل سے یہود کا فتح و نصرت کی دُعائیں مانگنا

بعثتِ نبوی سے پہلے جب کبھی یثرب کے بُت پرست قبیلوں اوس یا خزرج سے وہاں کے یہودی برسرِ پیکار ہوتے اور انہیں اپنی ہزیمت کے آثار نظر آنے لگتے تو وہ نبیٔ اُمی حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے فتح و نصرت کی دعا مانگتے اور بارگاہِ خداوندی میں برابر حصُول غلبہ کی التجا کرتے رہتے یہاں تک کہ ان کی ہزیمت فتح و ظفرمندی سے مبدّل ہو جاتی۔ لیکن اس کے باوجود جب آپ دنیا میں ظہور فرما ہوئے اور ہجرت کر کے ان دُعاگو یہودیوں کے پاس پہنچے تو وہ ازراہِ شقاوت منکر ہوئے اور من حیث القوم سعادت ایمانی سے محروم رہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبلؓ انصاری اور بشر بن براء انصاریؓ اور داؤد بن سلمہ انصاریؓ نے جاکر ان لوگوں سے کہا کہ اے گروہِ یہود! تم لوگ تو پہلے حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسّل سے ہم کو مغلوب کرنے کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ پھر اب کیا وجہ ہے کہ تم لوگ حضورِ انورؐ پر ایمان نہیں لاتے؟ تم لوگ ہم سے آنحضرتؐ کا جو حلیۂ مبارک بیان کیا کرتے تھے وہی حلیۂ مبارک تمہارے سامنے موجود ہے۔ پھر تمہارے اعراض کی علت کیا ہے؟ خدا کا خوف کرو اور حلقۂ اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

یہ سُن کر ایک یہودی سلام بن مشکم کہنے لگا یہ وہ صاحب نہیں جن کا ہم ذکر کیا کرتے تھے۔ اس پر سورۂ بقرہ کی ۸۹ ویں آیت نازل ہوئی جس میں ربّ جلیل عزّ اسمہٗ نے فرمایا کہ جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب اللہ پہنچی جو ان کے ہاں کی کتاب (تورات) کی تصدیق کرتی ہے اور اس سے پہلے وہ کافروں کے مقابلہ میں اپنی فتح کی دُعائیں مانگا کرتے تھے۔ تو جب وہ (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) جن کو انہوں نے (بخوبی) پہچان رکھا تھا ان کے پاس آپہنچے تو انکار کر دیا (لباب النقول)

جمالِ مبارک دیکھنے کی حسرت

خدا جانے وہ کس قدر نفوسِ قدسیہ تھے جو حضرت ختم المرسلین علیہ التحیۃ والسلام کے کوکبۂ جلال کے لیے چشم براہ رہے اور انتظار کی گھڑیاں گنتے گنتے اور جمالِ مبارک دیکھنے کی حسرت دل میں لیے ہوئے دنیا سے گزر گئے ایسے فرخندہ اختر مشتاقانِ جمال میں سے ایک یہودی کا ماجرا سپردِ قلم کیا جاتا ہے۔

ظہورِ اسلام سے کچھ مدّت پیشتر یہودانِ بنو قریظہ کی ایک شاخ بنو ہدل کے پاس شام کے ایک یہودی عالم آئے اور مدت تک اس قبیلے میں رہے۔ یہ عالم جو ابن ہیبان کی کنیت سے مشہور تھے صلاح و تقویٰ میں سرآمدِ روزگار تھے۔ ایک مرتبہ امساکِ باراں ہوا۔ لوگوں نے ان سے کہا اے ابن ہیبان! آپ ذرا ہمارے ساتھ چل کر نزولِ باراں کی دعا کر دیجیے۔ لوگ آبادی سے باہر میدان میں پہنچے۔ وہاں انہوں نے دعا کی۔ ہنوز دعا کر کے اپنی جگہ سے اُٹھنے نہ پائے تھے کہ ابر نمودار ہوا اور معاً مینہ برسنے لگا۔ اسی طرح جب کبھی بارش کی ضرورت ہوتی تو لوگ ان سے دعا کراتے اور بارش ہوتی۔

ایک مرتبہ وہ بیمار ہوئے اور ان کی بیماری نے شدّت اختیار کی۔ انہوں نے یہ محسوس کر کے کہ اب رشتۂ حیات منقطع ہوتا ہے، اپنے تمام شناساؤں کو بلا بھیجا۔ جب سب جمع ہو گئے تو پوچھا کیا آپ حضرات کو کچھ علم ہے کہ مجھے کس چیز نے شام کی سرسبز اور خوش سواد سرزمین سے یہاں پہنچایا تھا؟ حاضرین نے کہا ہمیں اس کا علم نہیں۔ فرمایا عنقریب اس سرزمین میں ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ میں اس توقع پر یثرب چلا آیا تھا کہ اس نبی کے جمالِ مبارک سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کروں گا اور امید تھی کہ مجھے نبی آخر الزمان کا شرفِ متابعت نصیب ہوگا۔ لیکن افسوس! یہ سعادت میسر نہ ہو سکی۔ اب میں اس حسرت کا داغ لیے ہوئے دنیا سے رخصت ہوتا ہوں۔ اس کے بعد اعیانِ بنو ہدل سے کہنے لگے اے گروہِ یہود! تم پر لازم ہے کہ اس نیّرِ دورِ زماںؐ کی اطاعت میں پیش دستی کرنا اور خبردار! اس سعادتِ جاوید سے محروم نہ رہنا۔ جب یہ وصیت کر چکے تو تھوڑی دیر میں داعیٔ اجل کو

لبیک کہہ دیا۔

آخر جب نیر اسلام نے سرزمین مدینہ پر ضیاء پاشی شروع کی اور چند سال کے بعد یہود کے قبیلہ بنو قریظہ کا محاصرہ ہوا تو ایک ضعیف العمر یہودی نے جس کی لوحِ دل پر اس شامی عالم کی وصیت مرتسم تھی اپنی قوم سے کہا اے بنو قریظہ! یہ محاصرہ کرنے والے وہی نبی برحق ہیں اور ان میں وہ تمام صفتیں موجود ہیں جو شامی عالم ابن ہیبان نے بتائی تھیں۔ لیکن جب کسی نے شنوائی نہ کی تو بنو قریظہ کی یہ شاخ اپنے عاقبت نا اندیش بھائی بندوں سے الگ ہوکر مشرف باسلام ہوگئی (سیرۃ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۲۲۷)۔

ولادتِ نبویؐ کی رات سُرخ ستارے کا طلوع

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب میری عمر سات آٹھ سال کی تھی تو میں ہر بات کو اچھی طرح سنتا اور سمجھتا تھا ایک دن ہمارے یثرب کا ایک یہودی طلوعِ آفتاب کے بعد بلند آواز سے پکارنے لگا اے گروہِ یہود! اے گروہِ یہود! یہودی اس کے پاس جمع ہوگئے اور پوچھنے لگے کیا بات ہے؟ وہ بولا میں تم لوگوں کو ایک مژدہ سناتا ہوں، گذشتہ شب اس احمد نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ستارہ طلوع ہوچکا ہے جس کے تم لوگ صدیوں سے منتظر ہو۔ اس لیے یہ حقیقت ذہن نشین کرلو کہ احمد نبیؐ آج رات پیدا ہوجائیں گے۔

اسی طرح حافظ ابو نعیم نے کتاب دلائل النبوّت میں ابوسعید خدری رضؓ سے روایت کی کہ ابو مالک بن سنان نے بتایا کہ میں ایک مرتبہ قبیلۂ بنو عبدالاشہل میں گیا۔ اتنے میں یوشع نام ایک یہودی آکر کہنے لگا کہ نبیؐ آخر الزمان کی ولادت کا وقت آپہنچا ہے۔ خلیفہ بن ثعلبہ اشہلی نے اس سے ازراہِ مذاق پوچھا کہ اس نبی کی صفت کیا ہوگی؟ بولا یہ شہر اس نبی کی ہجرت گاہ ہے۔ اس کے بعد میں اپنی قوم بنو خدرہ میں گیا اور وہاں یوشع یہودی کا مقولہ نقل کیا۔ میری قوم کے ایک بزرگ نے کہا کہ یہ صرف ایک یوشع پر موقوف نہیں بلکہ آج یثرب کا ہر یہودی یہی کہہ رہا ہے۔

ابو مالک کا بیان ہے کہ میں وہاں سے اٹھ کر یہود کے قبیلہ بنو قریظہ میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں

کہ ہر یہودی کی زبان پر احمد نبیؐ کی پیدائش کا تذکرہ ہے۔ زبیر بن باطا جو یہود کا ایک بڑا رئیس اور عالم تھا کہنے لگا کہ آج رات وہ سُرخ ستارہ بھی طلوع ہو چکا ہے جو کسی نبی کے ظہور کے وقت ہی نکلا کرتا ہے اور بولا کہ انبیاء علیہم السلام میں سے احمد نبیؐ کے سوا اب کوئی نبی باقی نہیں رہا۔ اور یہ شہر اس نبی کی ہجرت گاہ ہے۔"

اسی طرح حافظ ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں زید بن ثابت انصاریؓ سے بھی روایت کی کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودی علماء حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اکثر ذکرِ خیر کیا کرتے تھے۔ جب سُرخ ستارہ طلوع ہوا تو کہنے لگے کہ نبی آخر الزمان کا اسم گرامی احمد ہے۔ ان کی ہجرت گاہ بھی یثرب ہے۔ ان کے بعد کوئی اور نبی قیامت تک مبعوث نہ ہوگا۔ ابو نعیمؒ نے اس واقعہ کو دوسرے طُرُق سے بھی روایت کیا ہے۔ اور زید بن عمرو بن نفیل نے لوگوں سے بیان کیا کہ احبارِ شام میں سے ایک نے مجھ سے کہا کہ تمہارے شہر مکّہ میں ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے یا ہو چکا ہے۔ اس کا ستارہ طلوع ہو چکا ہے جب اپنے شہر میں جاؤ تو اس نبی کی تصدیق کرنا۔" یہ روایتیں کتاب البدایہ والنہایہ یعنی تاریخ ابن کثیرؒ سے ماخوذ ہیں۔

بایں ہمہ یہودیوں نے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سلوک کیا اس کی روداد اگلی فصل میں ملاحظہ ہو۔

فصل ۲

خاتم الانبیاءؐ سے عناد و تمرّد اور آپؐ کی جان لینے کی مسلسل کوششیں

یہودیوں کی پہلی شقاوت

ہجرت کے بعد یہودیوں کی پہلی شقاوت و بدبختی یہ تھی کہ انہوں نے اپنے اعلم العلماء علامہ حُصَین بن سلام کے قبولِ اسلام پر ان کی مثال کی پیروی کرنے کی بجائے ان کی مخالفت کی اور ان کو گالیاں دیں۔

ان کے قبولِ اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ جب یثرب کے قبائل اوس اور خزرج کے آدمی مکہ معظمہ میں مشرف باسلام ہونے کے بعد مراجعت فرمائے یثرب ہوئے تو کچھ دنوں کے بعد ان میں سے بعض نے یہودیوں کے سب سے بڑے عالم حُصَین بن سلام سے ذکر کیا کہ آپ جس نبی آخرالزماں کی بعثت کا اکثر تذکرہ فرمایا کرتے تھے وہ مکہ میں ظاہر ہو چکے ہیں اور ہم اسلام کے سرچشمۂ ایمان سے سیراب ہو کر مکہ سے واپس آئے ہیں۔" یہ سن کر وہ آپ کے نادیدہ عاشق زار بن گئے۔ علامہ حُصَین کا اپنا بیان ہے کہ جب سے بعثت نبوی کا غلغلہ بلند ہوا تھا میں آپ پر غائبانہ ایمان لا چکا تھا لیکن اپنے ایمان کو قوم سے مخفی رکھا تھا۔

ہجرت کے بعد علامہ حُصَین بن سلام آستانِ مبارک میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے جناب والا! میں آپ سے ایسی تین باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں جو نبیٔ مرسل کے سوا کوئی نہیں جانتا:

(۱) آثارِ قیامت میں سے پہلی علامت کون سی ہے؟

(۲) اہلِ جنت کو پہلی چیز کھانے کو کیا ملے گی؟

(۳) وہ کون سا سبب ہے جس کے باعث کبھی تو بچہ ماں کا ہم شکل ہوتا ہے اور کبھی باپ کے مشابہ؟

معاً روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ نے ان سے تینوں سوالوں کے جواب سُن کر حُصَین کو بتائے اور وہ کلمۂ شہادت پڑھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے (بخاری)۔

حُصَین کی نسبت ان کی قوم سے استفسار

علامہ حُصَین رض یہود کے قبیلۂ بنو قینقاع میں سے تھے۔ جب مشرف با یمان ہوئے تو مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر کے عبداللہ رکھ دیا (فتح الباری)۔ حضرت عبداللہ بن سلام رض گوہر مقصود کی تحصیل کے بعد عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! یہود بڑی مفتری اور دروغ گو قوم ہے۔ انہیں میرے اسلام کا حال معلوم ہوگا تو بہتان تراشیوں پر اتر آئیں گے۔ اس لیے میری التجا ہے کہ آپ شروع میں میرے مشرف با یمان ہونے کا حال ان سے بیان نہ فرمائیں۔

اس کے بعد جب یہود کی ایک جماعت بارگاہِ معلّی میں حاضر ہوئی تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تمہارے درمیان حصین بن سلام کس پایہ کے آدمی ہیں ؟ وہ کہنے لگے حصین بن سلام ہم میں سب سے اچھے اور سب سے اچھے کے فرزند گرامی ہیں۔ وہ ہمارے سردار اور سردار کے لائق فرزند ہیں"۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر وہ ایمان لے آئیں تو تم بھی مسلمان ہو جاؤ گے ؟ کہنے لگے معاذ اللہ! بھلا ایسا بھی کہیں ممکن ہے ؟ خدا انہیں تمہاری متابعت سے بچائے۔

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن سلامؓ گوشہ سے نکل کر ان کے سامنے آگئے اور فرمایا میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ حضرت احمد مجتبیٰ؁ اللہ کے برگزیدہ رسول ہیں"۔ یہ سن کر یہودی بوکھلا گئے اور حیرت زدہ ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر عالمِ غیظ میں حضرت عبداللہؓ کو جو سب کے سامنے کھڑے تھے گالیاں دیں اور کہا کہ یہ شخص تمام قوم یہود میں بدترین شخص ہے اور بدترین آدمی کا بیٹا ہے۔ حضرت عبداللہؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! مجھے ان لوگوں کی اسی افترا پردازی کا کھٹکا تھا (بخاری)۔

یہودیوں کا آکر السّام علیکم کہنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدومِ مدینہ کے بعد ہی یہودی آپ کے دشمن ہو گئے تھے۔ اس دشمنی کے وجوہ واسباب ان شاء اللہ العزیز اگلی فصل میں معرضِ تسوید میں آئیں گے۔ مسلمانوں سے ان کے تیور ہر وقت بگڑے رہتے تھے۔ ان کی ہر حرکت اس بغض و عناد کی غماز تھی جو داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور پیروانِ اسلام کے خلاف ان کے دلوں میں پرورش پا رہا تھا۔ اوائل میں ان کا معمول تھا کہ کسی مسلمان کو دیکھتے تو السلام علیکم کے بجائے السّامُ علیکم کہہ کر اپنے دل کا بخار نکالتے اور مسلمان یہ سمجھ کر کہ السلام علیکم کہا ہے' ان سے کچھ تعرض نہ کرتے۔ السلام علیکم کا مطلب یہ ہے کہ تم پر سلامتی ہو اور السّام علیکم کے معنی یہ ہیں کہ تم پر ہلاکت ہو۔ اس ابلیسی طرزِ خطاب میں پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم کی برگزیدہ ذات بھی مستثنیٰ نہیں تھی

اسی بنا پر آپ نے اُمّت کو تعلیم دی کہ جب کبھی غیر مسلم تم کو سلام کریں تو جواب میں وعلیکم السلام

کے بجائے صرف وعلیکم کہا کرو۔ چنانچہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب یہودی تم کو سلام کرتے ہیں تو وہ بلا شبہ السام علیکم کہتے ہیں۔ اس لیے جب کوئی یہودی سلام کرے تو جواب میں وَعَلَیْكَ کہا کرو (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری ومسلم) اور حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اہل کتاب تم پر سلام کریں تو جواب میں وعلیکم کہا کرو (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری ومسلم)

اُم المومنینؓ کو تُرکی بہ تُرکی جواب دینے کی ممانعت

ایک مرتبہ یہود کی ایک جماعت نے آستانِ نبوت میں آکر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت دی۔ وہ آکر حسبِ معمول کہنے لگے السام علیکم (تم پر ہلاکت ہو) آپ نے فرمایا وعلیکم (اور تم پر بھی ہو)۔ یہودیوں کی زبان سے اَلسَّامُ عَلَیْكُمْ کا لفظ سن کر اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سخت برافروختہ ہوئیں اور کہنے لگیں بَلْ عَلَیْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ (بلکہ تم پر ہلاکت اور لعنت ہو) یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! حق تعالیٰ سب کاموں میں رفق اور نرمی کو پسند کرتا ہے"! انہوں نے التماس کی کیا آپ نے وہ نہیں سنا جو انہوں نے کہا؟ فرمایا میں نے سنا اور جواب میں وعلیکم کہہ دیا اور ایک روایت میں صرف عَلَیْكُمْ ہے۔ واؤ مذکور نہیں (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری ومسلم)۔

اور بخاری کی دوسری روایت میں یوں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے آکر آپ کو اَلسَّامُ عَلَیْكُمْ کہا۔ آپ نے جواب میں فرمایا وَعَلَیْكُمْ۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سن کر تاب نہ لا سکیں اور یہودیوں سے کہنے لگیں اَلسَّامُ عَلَیْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَیْكُمْ (تم پر ہلاکت ہو اور اللہ کی لعنت ہو اور اللہ کا تم پر غضب ہو) یہ سن کر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! تم پہ رفق اور نرمی لازم ہے۔ سختی اور فحش کی باتوں سے بچتی رہو" وہ بولیں کیا آپ نے وہ نہیں سنا جو انہوں نے کہا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تم نے وہ نہیں سنا جو میں نے ان کے جواب میں کہا؟ (یعنی میں نے کہہ دیا کہ تم پر بھی موت ہو اور فرمایا کہ) ان کے حق میں میری دعا قبول کی جاتی ہے اور ان کی بد دعا جو مجھ پر کی جائے گی ہرگز قبول نہ ہوگی۔ اور مسلم کی ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ! فحش گو یعنی

بے حیائی کی باتیں کرنے والی) مت بنو (یعنی تم نے گالی کے بدلے گالی کیوں دی اور پھر بڑھ کر لعنت کیوں کی) حق تعالیٰ فحش اور تفحش کو پسند نہیں کرتا۔"

یہ ابتدائے ہجرت کے ان ایام کا واقعہ ہے جب کہ ہنوز پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

اوس وخزرج میں از سر نو پھوٹ ڈالنے کی کوشش

اسلام سے پہلے مدینہ منورہ کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج میں صدیوں سے رزم وپیکار کا سلسلہ قائم تھا۔ آخر شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی تعلیمات نے ان کی روایتی عداوت کو محبت وآشتی سے بدل دیا۔ ایک مرتبہ دونوں قبیلوں کے مسلمان بیٹھے ہوئے آپس میں بڑی محبت سے باتیں کر رہے تھے۔ مرشاش بن قیس نام ایک یہودی کا ادھر سے گذر ہوا۔ یہ پیر فرتوت اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا دشمن تھا۔ اس فتنہ گر کو مسلمانوں کا یہ اتحاد ایک آنکھ نہ بھایا۔ یہ شخص محو حیرت تھا کہ صدیوں کی عداوت ومناقشت کے بعد ان میں ایسی یکدلی کیونکر پیدا ہو گئی۔ اب وہ سوچنے لگا کہ ان میں از سر نو کیونکر پھوٹ ڈالی جا سکتی ہے۔

چنانچہ ایک یہودی نوجوان کو جو دونوں قبیلوں میں اکثر جا کر بیٹھا کرتا تھا یہ سکھا دیا کہ کسی ایسے موقع پر جبکہ اوس اور خزرج کے بہت سے آدمی جمع ہوں ان کی سابقہ جنگ آزمائی کا قصہ چھیڑ دینا۔ چنانچہ اس نے ایک بڑے مجمع میں جا کر جنگِ بعاث کی رزمیہ نظمیں پڑھنی شروع کر دیں۔ یہ جنگ ہجرت سے چند سال پہلے اوس وخزرج میں ہوئی تھی اور گو کہ اس میں قبیلہ اوس مظفر ومنصور ہوا تھا لیکن قبیلوں کے سردار مارے گئے تھے اور دونوں کی قوت پارہ پارہ ہو گئی تھی۔ مسلمان یہودی کی چال کو تو نہ سمجھے۔ گذشتہ واقعات کی یاد نے پرانے زخم ہرے کر دیے اور عداوت کی دبی ہوئی چنگاری دفعتہً سلگ اٹھی۔ طعن وتشنیع اور سخت کلامی سے گذر کر مرنے مارنے پر مستعد ہوئے

جب ہادیٔ امت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سانحہ کی اطلاع ہوئی تو آپ معاً اپنے جلیل القدر رفقاء کو ساتھ لے کر موقع پر پہنچے اور فرمایا اے مسلمانو! یہ کیا حرکت ہے؟ میں تم میں موجود ہوں۔ باوجود اس کے تم لوگ عہدِ جاہلیت کی یاد تازہ کر کے وحدتِ قومی کا شیرازہ منتشر کرنا چاہتے ہو۔ یہ سن کر فریقین

اپنی غلطی پر متنبہ ہوئے اور رو رو کر ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور عہد کیا کہ آیندہ یہودیوں کے اس چکمے میں کبھی نہ آئیں گے۔ معاً جبریل علیہ السلام یہ ارشادِ ربانی لے کر پہنچے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا	اللہ تعالیٰ کے سلسلہ حقانیت کو متفق ہو کر مضبوطی
وَّلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا	سے تھامے رہو اور متفرق نہ ہو اور حق تعالیٰ کے
نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ	اس انعام کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے
أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ	اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی سو تم خدائے
فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا	منعم کے فضل و احسان سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے
وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ	اور تم لوگ (قبولِ اسلام سے پیشتر) جہنم کے
مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا۔	گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے۔ خدا نے تم کو
(آلِ عمران۔ آیت ۱۰۳)	اس سے بچا لیا۔

(سیرت ابن ہشام و تاریخ ابن کثیر)۔

یہود کا قتلِ انبیاء

یہود نہایت سرکش قوم تھی۔ یہ لوگ اپنے مفترض الطاعۃ انبیاء علیہم السلام کے قتل تک سے بھی نہ چوکے۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو حضرات بنو اسرائیل کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے ان کے اسماء گرامی یہ تھے: یوشع، شمویل، شمعون، داؤد، سلیمان، ایوب، یسعیاہ، اُرمیا، عزیر، حزقیل، یسع، یونس، الیاس، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ علیہم السلام۔ یہود نے ان نفوسِ قدسیہ میں سے چار حضرات کو قتل کر کے جرعۂ شہادت پلا دیا تھا۔ چنانچہ یسعیاہ نبی کا قتل، اُرمیا نبی کا قتل، یحییٰ نبی کا قتل اور عیسیٰ مسیح کا اقدامِ قتل (بلکہ بزعم خود قتل ہی) یہودیوں کا خاص کارنامہ ہے۔

خاتم الانبیاء کی جان لینے کی مسلسل کوششیں

جب تک حضرت مسیح علیہ السلام دنیا میں تشریف فرما رہے ان حرماں نصیبوں نے ان کو کبھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ یہاں تک کہ ان کی پارسا و عفت مآب مادرِ محترمہ پر بھی بہتان

لگایا۔ چنانچہ ان جرائم کی پاداش میں یہود چاہ مذلت میں گرا دیے گئے۔ صدیوں تک ان کی یہ حالت رہی کہ خانہ بدوشی کے عالم میں جدھر کا رُخ کرتے تھے ذلّت و رسوائی ان کے استقبال کو آموجود ہوتی تھی لیکن ان کی مذہبی کتابوں میں لکھا تھا کہ جب پیغمبر آخرالزمان مبعوث ہوں گے تو ان کی اطاعت پذیری اور ان کے دین میں داخل ہونے سے اپنی گزشتہ عظمت کو بحال کر سکیں گے۔ لیکن طالع گم گشتگی کا کمال دیکھو کہ ان لوگوں نے اطاعت و انقیاد کے بجائے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ کا سلسلۂ رحمت بھی ایک مرتبہ زہر دے کر اور دوسری دفعہ آپ پر پتھر کی چٹان گرانے کا قصد کر کے اور تیسری مرتبہ آپ پر جادو کر کے منقطع کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اسی پر بس نہ کی بلکہ اس کے بعد بھی کئی سال تک شب و روز آپ کی جاں ستانی کی کوششوں میں منہمک رہے۔

اور حالت یہ تھی کہ آپ رات کو گھر سے نکلتے تھے تو یہود کی طرف سے آپ کو جان کا کھٹکا لگا رہتا تھا۔ اسی بنا پر طلحہ بن براء بلوی صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیماری میں وصیت کی تھی کہ اگر میں رات کے وقت رحلت کروں تو رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر نہ کرنا کیونکہ یہود کی طرف سے فتنہ کا خوف ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے حضور پر کوئی حادثہ گزر جائے (اصابہ ترجمہ طلحہ بن براء)۔

فصل ۳۔ یہُودی تمرّد و سرکشی کے اسباب

بنو اسمٰعیل میں نبوّت آنے کی ناگواری

یہود کے دلوں میں ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا بڑا احترام تھا لیکن اہلِ عرب سے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد تھے، ان کو پرخاش تھی کیونکہ انہوں نے از خود یہ طے کر لیا تھا کہ خدا نے دُنیوی بادشاہت اور دین کی پیغمبری کا جو وعدہ نسلِ ابراہیمؑ کے لیے فرمایا تھا وہ حضرت خلیل علیہ السلام کے چھوٹے فرزند اسحاق علیہ السلام کے ساتھ مخصُوص تھا۔ صدیوں تک الطافِ الٰہی اور عنایاتِ لامتناہی کے موردِ خاص بنے رہنے اور اسی نسل کے اندر انبیاء علیہم السلام کے مسلسل

پیدا ہونے کی وجہ سے یہود کو یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ نبوت آلِ اسحاقؑ کے باہر جا ہی نہیں سکتی۔ اسی بنا پر وہ سمجھتے تھے کہ خاتم الانبیاء کی نبوتِ منتظرہ کی فضیلت بھی یہود ہی کے حصّہ میں آئے گی۔

لیکن جب انھوں نے ختم المرسلین کا ظہور عربی قوم میں دیکھا تو حسد و بغاوت پر اُتر آئے اور نسلی اور خاندانی عصبیت نے ان کو تصدیقِ نبوت سے روک دیا۔ اور گو ان کے قلیل التعداد علماء نے قبولِ اسلام کا شرف حاصل بھی کیا لیکن یہود نے من حیث القوم اعراض و انکار کا شیوہ ہی اختیار کیے رکھا۔

یہودی تفوق و برتری کا فقدان

اعراض و انکار کی دوسری وجہ یہ تھی کہ ظہورِ اسلام سے پہلے یہود کو اوس اور خزرج پر جو قبولِ اسلام کے بعد انصار کے معزز لقب سے ممتاز ہوئے علمی، مذہبی اور اقتصادی حیثیت سے برتری حاصل تھی اور وہ غیر یہود کے افتراق سے بڑے بڑے فائدے اُٹھاتے تھے۔ لیکن جب اسلام نے اوس و خزرج کی قومی تفریق مٹا کر ان کی شیرازہ بندی کی تو یہودیوں کے تفوق کا خاتمہ ہو گیا اس لیے وہ اسلام کو حسد اور رقابت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور انھوں نے ایسی ایسی سازشیں اور تخریبی کوششیں شروع کر دیں کہ جن سے وہ بزعمِ خود اسلام کو صفحہ ہستی سے بالکل محو کر دیں۔ لیکن خدائے قدیر اپنے دین کا خود محافظ تھا اس لیے ان کی ہر کوشش و ہر سازش خود انہی کے استیصال کا سبب بن گئی۔

تمرّد و اعراض کی تیسری علت

علماء یہود کو ضمیر و دیانت کے لحاظ سے تو اس بات کا یقین تھا اور درپردہ خاص خاص لوگوں کے سامنے اس حقیقت کو تسلیم کرتے تھے کہ رسولِ ہاشمی کی ذات میں نبی آخر الزمان کی وہ تمام علامات و خصوصیات موجود ہیں جو ان کی مذہبی کتابوں میں مذکور رہیں لیکن جب قبولِ اسلام کا سوال سامنے آتا تھا تو ہوائے نفس اس میں حائل ہو جاتی تھی اور یہ خیال سوہانِ روح ہوتا تھا کہ اتباع کی صورت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور ان کی شریعت کی پابندی لازم ہو گی۔ اس لیے وہ دنیوی منافع کو مفادِ اُخروی

پر ترجیح دے کر اپنی موجودہ حالت پر قانع رہتے تھے۔

الغرض یہود کا انکار و اعراض فکر و نظر کے کسی مغالطہ پر مبنی نہ تھا بلکہ اس کے تمامتر اسباب نسلی و خاندانی عصبیت، حسد و رقابت اور نفسانی و فانی اغراض سے وابستہ تھے۔

فصل ۴ یہودیوں سے حسن سلوک اور رواداری کا برتاؤ

مدینہ منورہ کے یہود کو سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے جو شدید عداوت تھی اس کے واقعات و نظائر سے تاریخ اسلام بھری پڑی ہے لیکن آپ ان کے ساتھ ہمیشہ رواداری کا برتاؤ برتتے رہے۔

نزولِ احکام سے پہلے شریعت موسوی پر عمل

اسرائیلی مذہب بھی ایک آسمانی دین ہے اور گو منسوخ ہو چکا تاہم اس کی تعلیمات میں بہت کچھ صداقت باقی تھی۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جن امور میں وحی الٰہی کا کوئی حکم موجود نہ ہوتا آپ یہود کی عناد پسندیوں اور کینہ توزیوں کو نظر انداز فرما کر نزولِ احکام تک اسرائیلی شریعت ہی کی پیروی کرتے تھے (بخاری)۔

جب آپ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ان ایام میں آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے جو یہود کا قبلہ تھا۔ اس موافقت پر یہود بہت خوش ہوئے لیکن جب کبھی آپ پر کوئی ایسا حکم نازل ہوتا جو شریعتِ موسوی سے مغایر ہوتا تو یہود زبانِ طعن دراز کرنے لگتے کہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ بھی کرتے ہیں اور شرعی احکام میں ہماری مخالفت بھی کیے جاتے ہیں۔ جب یہود کی زبان درازیاں حد سے متجاوز ہوئیں تو آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش اہل ایمان کے قدیم قبلہ بیتِ خلیل (کعبۂ معلّٰی) کی طرف منہ کرنے کا حکم صادر ہو۔ چنانچہ آپ نے سولہ سترہ مہینے ہی بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی تھی کہ آپ کو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم آگیا (ابن جریر طبری و رواہ البخاری مختصراً)۔

یہودی جنازہ کے لیے قیام

شارع علیہ السلام نے حکم دیا تھا کہ جب کوئی جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ (بخاری و مسلم) جس طرح مسلمان کے جنازہ کے لیے کھڑے ہونے کا معمول تھا اسی طرح آپ یہودی کا جنازہ دیکھ کر بھی کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ ایک جنازہ گزرا اور آپ اس کے لیے کھڑے ہو گئے اور ہم نے بھی آپ کی متابعت میں قیام کیا۔ پھر عرض کیا گیا یا رسول اللہ! یہ تو یہودی عورت کا جنازہ ہے۔ فرمایا کہ موت عبرت اور گھبراہٹ کا مقام ہے اس لیے جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جایا کرو۔ (بخاری و مسلم)۔

ایک مرتبہ قادسیہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابی حضرت سہل بن حُنیف اور قیس بن سعد (رضی اللہ عنہما) بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک جنازہ ادھر سے گزرا۔ یہ دونوں کھڑے ہو گئے۔ ان سے کہا گیا کہ یہ تو ذمی (غیر مسلم رعایا) کا جنازہ ہے۔ یہ سن کر دونوں کہنے لگے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ کے لیے کھڑے ہوئے تھے۔ آپ کی خدمت میں التماس کی گئی کہ یہ تو یہودی کا جنازہ ہے تو آپ نے فرمایا تھا کہ کیا یہ ذی روح نہیں ہے؟ (بخاری و مسلم)۔

غیر مسلم ملاقاتیوں کی عیادت

جس طرح آپ اپنے جان نثار پیرووں کی علالت پر عیادت کو جاتے تھے اسی طرح کوئی غیر مسلم ملاقاتی بیمار ہو جاتا تو اس کی خبر گیری کو بھی تشریف لے جاتے۔ مروی ہے کہ ایک یہودی لڑکا جو آستانۂ نبوی میں آکر کبھی کبھی آپ کے کام کر دیا کرتا تھا علیل ہوا۔ آپ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ اس وقت لڑکے کا باپ اس کے سرہانے بیٹھا توراۃ پڑھ رہا تھا۔ آپ نے یہودی سے فرمایا میں تمہیں اُسی ذاتِ برتر کی قسم دے کر جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ نازل فرمائی دریافت کرتا ہوں کہ کیا تم توراۃ میں میری صفت اور میری ہجرت کا تذکرہ نہیں پاتے؟ یہودی نے کہا توراۃ میں تو آپ کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

یہ سُن کر لڑکا بول اُٹھا یا رسول اللہ! خدا کی قسم! توراۃ میں آپ کی نعت و صفت اور آپ کی ہجرت کا تذکرہ موجود ہے اور میں اس بات کا شاہد ہوں کہ اللہ کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں" لڑکا توحید و رسالت کا اقرار کر کے دارِ آخرت کو چلا گیا اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ لڑکے کے باپ کو اس کے سرہانے سے اٹھا دو اور اپنے بھائی کی تجہیز و تکفین کا کام خود سرانجام دو (مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی فی الدلائل)۔

دو یہودیوں کا آیاتِ بیّنات کی نسبت سوال کرنا

اگر کوئی غیر مسلم آکر کوئی بات دریافت کرتا تو آپ نہایت خندہ پیشانی سے اس کا جواب دیتے۔ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو ایک یہودی دوسرے یہودی سے کہنے لگا کہ چلو اس نبی کے پاس چل کر کوئی بات دریافت کریں" دوسرا بولا نبی نہ کہو کیونکہ اگر وہ سُن لیں گے کہ کسی یہودی نے ان کو نبی کہا ہے تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔

غرض دونوں آستانِ اقدس میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ نو آیاتِ بیّنات (نو کھلے کھلے بُنیادی احکام) کون سے ہیں؟ فرمایا یہ ہیں کہ (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ (۲) چوری نہ کرو (۳) زنا سے باز رہو۔ (۴) ناحق کسی کی جان نہ لو۔ (۵) کوئی بہتان تراش کر کسی جرم ناآشنا کو حکام کے پاس نہ لے جاؤ۔ (۶) سحر مت کرو۔ (۷) سود نہ کھاؤ۔ (۸) پارسا عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ۔ (۹) میدانِ جنگ سے دشمنانِ دین کے مقابلہ سے نہ بھاگو۔ یہ حکم تو عام ہیں لیکن اے گروہِ یہود! تمہارے لیے ایک خاص حکم یہ بھی ہے کہ (۱۰) ہفتہ کے دن کوئی بدعنوانی نہ کرو۔

یہ سن کر دونوں یہودی سیدِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پیر چومنے لگے اور کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بلاشبہہ خدا کے نبی ہیں" آپ نے فرمایا کہ جب تم نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تو اب قبولِ اسلام کی راہ میں کون چیز مانع ہے" انھوں نے یہ عذرِ لنگ پیش کیا کہ یہود کے زعم میں داؤد علیہ السلام نے دُعا کی تھی کہ ہمیشہ انہی کی اولاد میں نبی ہوتے رہیں (اور آپ داؤد علیہ السلام کی اولاد نہیں)۔ اب اگر ہم آپ کا اتباع کر لیں تو یہود ہمیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔ (ترمذی)۔

لیکن ان کا یہ کہنا کہ حضرت داؤد خلیفۃ اللہؑ نے اپنی اولاد میں نبوت رہنے کی دعا کی تھی بالکل لغو اور محض دماغی اختراع ہے۔ البتہ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اس بارہ میں جو دعا کی تھی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس کا یقینی مصداق ہیں۔ قرآنِ حکیم میں دعائے خلیل ان الفاظ میں مذکور ہے:

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهِيمُ الْقَوَاعِدَ
مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيلُ ۖ رَبَّنَا
تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ
الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا
مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا
أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ ۠ وَأَرِنَا
مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ
إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝
رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا
مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ وَ
يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُزَكِّيهِمْ ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ ۝ (۲: ۱۲۷ - ۱۲۹)

جب ابراہیم اور اسمٰعیل (علیہما السلام) خانۂ کعبہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو یہ دعا کر رہے تھے کہ اے ہمارے پروردگار! یہ خدمت ہم سے قبول فرما۔ بلاشبہ تو سمیع اور علیم ہے۔ اے رب قدیر! ہمیں اپنا زیادہ مطیع بنا لے اور ہماری اولاد میں ایک ایسی جماعت پیدا کر جو تیری اطاعت شعار ہو اور ہمیں حج کے احکام بھی بتلا دے اور ہمارے حال پر نظرِ التفات مبذول رکھ اور فی الحقیقت تو ہی تواب اور رحیم ہے۔ اے ہمارے پروردگار! اس جماعت کے اندر انہی میں سے ایک رسول بھی مبعوث فرما جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور انہیں آسمانی کتاب اور حکمت و بصیرت کی تعلیم دے اور اس تلاوت و تعلیم کے ذریعہ سے انہیں پاک اور مزکی کرے۔ بلاشبہ تو ہی غالب اور حکمت مآب ہے۔

آخری آیت میں جن لوگوں کا تذکرہ ہے وہ صرف اہلِ مکہ ہیں جو اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد تھے۔ انہی میں جناب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اور آیت میں جس رسول کی بعثت کی دعا ہے وہ حضرت پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ کیونکہ دعا دونوں باپ بیٹا نے اپنی اولاد کے

حق میں کی۔ پس دُعا کا مصداق وہی بنی ہو سکتا ہے جو دونوں کی اولاد ہو۔ چنانچہ آپ ہی حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی اولاد ہیں نہ کہ مسیح علیہ السلام یا کوئی اور نبی۔

یاد رہے کہ جس طرح جناب ابراہیم خلیل علیہ السلام نے آپ کی بعثت کی دعا کی تھی اسی طرح حضرت مسیح ابن مریم علیہما السلام نے بھی بنی اسرائیل کو آپ کی بعثت کا مژدہ سنایا تھا۔ قرآن کی سورۂ صف میں یہ بشارت مذکور ہے اور حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے۔ اَنَا دَعْوَۃُ اِبْرَاھِیْمَ وَبِشَارَۃُ عِیْسٰی۔ رواہ احمد (میں ہی ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا مصداق اور عیسٰی علیہ السلام کی بشارت ہوں)۔

فصل ۵۔ یہودی مجرموں پر رحم و کرم

محاربینِ وادی القریٰ پر شفقت

شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی القریٰ کے یہودی محاربین پر جو رحم و شفقت فرمائی، دشمن کے حق میں اُس رواداری اور رحم و کرم کی نظیر بھی کہیں مشکل سے مل سکے گی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب لشکرِ اسلام فتح و ظفر کے پھریرے اُڑاتا ہوا خیبر سے واپس آرہا تھا تو راستہ میں وادی القریٰ کے قریب ایک مقام پر نزول کیا۔ جب وادی القریٰ کے یہود نے لشکرِ اسلام کے آنے کی خبر سنی تو آمادۂ جنگ و جدال ہوئے اور مسلح ہو کر سپاہ نبوی کا رُخ کیا۔ معلوم نہیں ان کی ستیزہ کاری کا حقیقی مقصد کیا تھا لیکن اغلب یہ ہے کہ وہ خیبر کی یہودی ہزیمت کا انتقام لینا چاہتے تھے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھیجا کہ ہم تم سے لڑنے کو نہیں آئے ہیں بلکہ خیبر سے مراجعت کرتے ہوئے تھوڑی دیر کے لیے یہاں ٹھیر گئے ہیں۔ سستا کر چلے جائیں گے لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور مسلمانوں کے بالمقابل صف آرا ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر آپ نے قبیلۂ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ انصاری کو ان کی طرف روانہ فرمایا کہ سمجھا بجھا کر جنگ و پیکار سے

باز رکھیں۔

حضرت سعدؓ نہایت نرمی سے نشیب و فراز سمجھاتے رہے لیکن قومی عصبیت اور مذہبی تعصب نے ان کے قوائے عقلیہ کو بالکل مختل کر دیا تھا۔ حضرت سعدؓ جس قدر زیادہ نرمی کرتے تھے اتنی ہی ان کی سرکشی روبہ ترقی تھی۔ آخر حضرت سعدؓ بے نیلِ مرام واپس آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور ہو کر صحابۂ کرامؓ کو جن کی سفر کی تکان بھی ابھی دور نہ ہوئی تھی مقابلہ و محاربہ کا حکم دیا۔ یہودی شوریدہ سروں نے جان نثاران رسالت کو اتنی بھی مہلت نہ دی کہ اسلحہ سنبھال لیتے جھٹ تیر اندازی شروع کر دی۔

آٹھ پہر تک شب و روز آتش کدۂ حرب شعلہ زن رہا۔ یہود بڑی بہادری سے لڑے لیکن جب ان کے دس نامی گرامی بہادر میدانِ جاں ستاں کی نذر ہو گئے تو ہمت ہار بیٹھے اور لشکرِ اسلام کو فتح ہوئی۔ اس کے باوجود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اراضیٔ مزروعہ اور باغات انہی کو مساجرت میں واپس دے دیئے اور انہیں بدستور وادی القریٰ میں بود و باش رکھنے کی اجازت دی۔ (ابن ہشام و ابن جریر طبری)۔

یہودی مجرم کی جان و مال اور اہل و عیال سے درگذر

رحمتِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و کرم کا یہ عالم تھا کہ آپ کسی ادنیٰ مسلمان مرد یا عورت کی سفارش پر بڑے سے بڑے واجب القتل مجرم کو بھی رہا کر دیتے تھے۔ دو نظائر ملاحظہ ہوں:

بنو قریظہ کی غداری

مدینہ مطہرہ کے مضافات میں یہود کی ایک قوم آباد تھی جسے بنو قریظہ کہتے تھے۔ اس سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اتحاد و مودت کا معاہدہ کر رکھا تھا۔ اس معاہدہ کا اقتضاء یہ تھا کہ وہ دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں آپ کا ساتھ دیتے لیکن اس کے برخلاف ۵ھ میں یعنی اس وقت جبکہ غزوۂ خندق میں تمام قبائل عرب کا طوفان مسلمانوں کے خلاف اُمنڈ آیا تھا اور اربابِ ایمان پر بڑا نازک وقت تھا، بنو قریظہ

حملہ آور اعدائے اسلام سے مل گئے اور ان کے ٹڈی دل میں بہت بڑا اضافہ کر کے مسلمانوں کے خلاف لڑنا شروع کر دیا۔

یہ وہی غزوۂ خندق ہے جس میں حضرت فخرِ رسُل صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی رضؓ کے مشورہ کو شرفِ قبول بخشتے ہوئے مدینہ کی اُس جانب خندق کھدوائی تھی جدھر کوہِ سلع واقع ہے۔ اور آخر کار انہیں خائب و خاسر نہایت ابتری کے ساتھ بھاگنا پڑا تھا۔ بنو قریظہ کو ان کی بدعہدی اور غداری کی سزا ملنی ضرور تھی چنانچہ خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق سے فراغت پانے کے بعد بحکم ربِّ جلیل بنو قریظہ کی طرف پیش قدمی فرمائی اور جاتے ہی ان کا محاصرہ کر لیا۔

پچیس شبانہ روز محاصرہ رہا۔ جب بنو قریظہ کو یقین ہو گیا کہ اطاعت و انقیاد کے سوا چارہ نہیں تو پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم قبیلۂ اوس کے رئیسِ اعظم سعد بن معاذ رضؓ کو حَکم بناتے ہیں۔ جو کچھ وہ ہمارے متعلق فیصلہ کریں ہمیں منظور ہے"۔ آپ نے ان کی درخواست کو قبول فرمایا۔ حضرت سعد بن معاذ رضؓ جو غزوۂ خندق میں زخمی ہو گئے تھے اسلام سے پہلے بنو قریظہ کے حلیف تھے۔ اسی خیال سے انہوں نے ان کو حَکم ٹھیرایا۔ چونکہ بنو قریظہ یہودی تھے حضرت سعد بن معاذ رضؓ نے توراۃ (بائبل) کے رُو سے ان کا فیصلہ کیا۔

حضرت ثابت انصاریؓ پر زبیر یہودی کا احسان

اس فیصلہ کے بموجب بنو قریظہ کا ایک یہودی جسے زبیر بن باطا کہتے تھے واجب القتل تھا۔ جب آفتابِ نبوت نے اُفقِ مدینہ سے طلوع کیا ہے تو اس سے پانچ سال پہلے انصارِ مدینہ کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج کے باہم جو لڑائی حالتِ کفر میں ہوئی تھی وہ جنگِ بعاث کے نام سے مشہور ہے۔ اس لڑائی میں حضرت ثابت بن قیس انصاریؓ قید ہو گئے تھے اور زبیر بن باطا یہودی نے ان کو آزاد کرایا تھا۔

جب زبیر بن باطا کو معلوم ہوا کہ وہ لشکرِ اسلام کے ہاتھ سے قتل کیا جائے گا تو حضرت ثابت بن قیس انصاری خزرجی رضؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا ثابت! مجھے پہچانتے ہو؟ حضرت ثابت رضؓ نے فرمایا

بھلا میں تمہیں نہ پہچانوں گا جس نے مجھ پر جنگِ بعاث کے بعد احسان کیا تھا، زبیر بن باطا نے کہا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیرو ہو اور وہ اپنے اصحاب کی بات بہت مانتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ کسی طرح میری جان بخشی کرا دو۔

جان بخشی کی کامیاب سفارش

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا اطمینان رکھو، مسلمان احسان شناس ہوتا ہے اور نیک آدمی نیکی کا ضرور بدلہ دیتا ہے۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ حریمِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے یارسول اللہ! زبیر بن باطا یہودی نے مجھ پر احسان کیا تھا اور میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر مکافاتِ احسان کروں۔ اس لیے درخواست ہے کہ میری خاطر اس کی جان بخشی فرما دیجیے۔" آپ نے فرمایا ہم نے اس کو تمہیں بخشا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے آ کر ابن باطا کو مژدہ سنایا کہ حضور سرورِ انبیاء نے تمہارا خون بخش دیا ہے۔"

اہل و عیال کی مخلصی

بائبل کے فیصلہ کے رو سے اس کی جائداد ضبط اور اہل و عیال بھی قید کیے جانے والے تھے۔ ابن باطا نے کہا کہ یہ مژدہ میرے لیے کچھ زیادہ فرحت انگیز نہیں ہے کیونکہ میں ایک بوڑھا شخص ہوں۔ اگر بیوی بچوں سے محروم کر دیا گیا تو زندہ رہ کر کیا کروں گا۔ ثابت رضی اللہ عنہ مکرر بارگاہِ نبوت میں پہنچے اور التماس کی یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ کے قربان ہوں، ابن باطا کے گھر کے لوگ بھی مجھے عنایت فرمائیے۔" آپ نے فرمایا جاؤ، ان کو بھی تمہیں بخشا۔"

جائداد اور زر و مال کی واپسی

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے آ کر کہا تمہارے گھر والوں کے لیے بھی معافی لے آیا ہوں۔" ابن باطا کہنے لگا اگر میری جائداد ضبط ہو گئی اور زر و مال مسلمانوں کی غنیمت میں چلا گیا تو پھر زندگی میں کیا لطف ہے؟ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے پھر حاضرِ خدمت ہو کر گزارش کی یارسول اللہ! ابن باطا کا مال و منال بھی مجھے بخش دیجیے۔ آپ نے فرمایا اچھا وہ بھی تم کو بخشا۔" غرض حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے یہودی کو سب کچھ دلا دیا۔ (سیرت ابن ہشام)۔

صحابیہؓ کی سفارش پر واجب القتل یہودی کی جاں بخشی

اسی طرح حضرت منذرؓ کی والدہ سلمیٰ بنت قیس بن عمرو نجاریہؓ نے جو آغاز دعوت کے وقت ایمان لائی تھیں اور جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی تھی حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم سے رفاعہ بن سموال کی جاں بخشی کی درخواست کی جو بنو قریظہ کا ایک واجب القتل یہودی تھا اور عرض کی یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ رفاعہ کو مجھے بخش دیجیے۔" آپ نے اس خاتون کی درخواست قبول فرما کر یہودی کو ان کے تئیں بخش دیا چنانچہ وہ رہا ہو کر صحیح سلامت چلا گیا (سیرت ابن ہشام)۔

باب ششم

ڈیڑھ ہزار صحابہؓ کا جانبازی کی بیعت کرنا

فصل اوّل۔ خاندانِ قریش

حضرت خاتم پیغمبراں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے خاندان کا نام قریش ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی رحلت کے بعد قیدار بن اسمٰعیل علیہ السلام بیت اللہ کے متولی قرار پائے تھے۔ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندانِ قریش اسی قیدار کی اولاد ہے جس کا تذکرہ بائبل (پیدائش ۲۵ : ۱۳) میں ہے۔

قریش کی وجہ تسمیہ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مورث اعلیٰ نضر بن کنانہ کا لقب تھا۔ نضر کی اولاد بھی اسی نام سے مشہور ہوئی۔ اہل تاریخ اس بارہ میں مختلف البیان ہیں کہ نضر بن کنانہ قریش کے لقب سے کیوں مشہور ہوئے۔ راقم السطور کے نزدیک ارجح قول یہ ہے کہ انھوں نے تقرّش (تجارت) کے باعث قریش کے لقب سے شہرت پائی تھی۔ حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب مبارک تیرھویں پشت میں نضر بن کنانہ سے ملتا ہے۔

قریش کے تیرہ بطون جن ایام میں آلِ عبدمناف کی سرداری اور سقایہ و رفادہ کا اہتمام

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پر دادا ہاشم بن عبدمناف کے سپرد کیا گیا اس وقت قبیلۂ قریش کے یہ تیرہ بطون مکہ معظمہ میں بودوباش رکھتے تھے :

(۱) سید الاولین والآخرین اور حضرت حمزہ اور حضرت عباس اور حضرت علی اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کا خاندان بنو عبدمناف۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خاندان بنو تیم بن مُرّہ۔

(۳) حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت سعید بن زیدؓ کا خاندان بنو عدی بن کعب۔

(۴) حضرت ابوعُبَیدہؓ بن الجراح کا خاندان حرث بن فہر۔

(۵) اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ اور خالدؓ بن ولید اور عدوے رسول ابوجہل کا خاندان بنو مخزوم بن یقظہ بن مُرّہ۔

(۶) حضرت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ سیدہ آمنہ بنت وہب اور حضرت سعدؓ بن ابی وقّاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا خاندان بنو زہرہ بن کِلاب۔

(۷) اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ اور وَرَقہ بن نوفل اور حضرت زبیرؓ بن عوّام کا خاندان بنو اسد بن عبدالعزّٰی بن قُصّی۔

(۸) حضرت مُصعَبؓ بن عُمیر اور کعبہ کے کلید بردار حضرت عثمانؓ بن طلحہ کا خاندان بنو عبدالدار بن قصّی

(۹) حضرت عثمانؓ بن مظعون، صفوان بن اُمیّہ اور ابو محذورہ مؤذن کا خاندان بنو جمح بن عمرو۔

(۱۰) سیدہ زینب (بنت رسولؐ) سلام اللہ علیہا کے شوہر حضرت ابوالعاص بن ربیع کا خاندان عبدالعزّٰی

(۱۱) حضرت عمروؓ بن عاص فاتح مصر کا خاندان بنو سہم بن عمرو۔

(۱۲) بنو محارب بن فہر۔

(۱۳) بنو عامر بن لوّی۔

یہ تمام خانوادے مکہ مکرّمہ میں اقامت گزیں تھے اور متمدن زندگی بسر کر رہے تھے۔ قریش کے بعض قبائل مکہ معظمہ کے باہر بھی آباد تھے جو عام بدویوں کی طرح خانہ بدوشانہ زندگی گذارتے تھے۔

جیسے بنو قُصَی بن کِلاب اور بنو کعب بن لوی (ابن خلدون، ابن اثیر)۔

خاندان بنو اُمیّہ

یاد رہے کہ بنو امیہ بھی بنو عبد مناف کی ایک شاخ ہیں۔ پیغمبر علیہ السلام کے پردادا ہاشم بن عبد مناف اور ابو سفیان (بن حرب بن اُمیّہ) کے پردادا عبد شمس بن عبد مناف حقیقی بھائی تھے۔ چونکہ تجارتی کاروبار کی وجہ سے عبد شمس کو مکہ معظمہ میں قیام کا کم اتفاق ہوتا تھا، اس لیے بنو عبد مناف کی سرداری اور سقایہ و رفادہ کا اہتمام ہاشم بن عبد مناف کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ حضرت عثمان ذوالنورین بھی اُموی خاندان کے چشم و چراغ تھے کیونکہ ان کا باپ عفان بن العاص اُمیّہ کا پوتا تھا۔

قریش کا دو گروہوں میں تقسیم ہونا

بعثت حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قریش مکہ دو گروہوں میں منقسم ہو گئے تھے۔ ایک وہ جنہوں نے آپ پر ایمان لا کر جان نثاری کا حق ادا کیا۔ دوسرے وہ جو نہ صرف اتباع کی سعادت سے محروم رہے بلکہ انہوں نے اپنے مفترض الطاعۃ نبی کے خلاف دس سال کی طویل مدت مکہ معظمہ میں جور و ظلم کی تلوار اس طرح بے نیام رکھی جس کی یاد سے تاریخ کی روح کانپ اٹھتی ہے جس طرح یہودیوں نے اپنے پیغمبر عیسٰی علیہ السلام کو مصلوب کرنے کی ٹھان لی تھی، اسی طرح قریش کے برگشتہ بخت افراد نے بھی اپنے نبی سردارِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ ٹھیرا کر آپ کی زندگی کا چراغ گل کر دینا چاہا تھا اور جس طرح خدائے کارساز نے مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا کر یہود کی دستبرد سے بچایا اور فلک چہارم ان کا دار الہجرت قرار پایا۔ اسی طرح ربِ قدیر نے حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو غارِ ثور میں پناہ دے کر دار الہجرت مدینہ میں پہنچایا اور اعداء کی تمام بداندیشیاں خاک میں ملا دیں۔

فصل ۲۔ کفّارِ قریش سے سرورِ انبیاء کا معاہدہ

اہلِ ایمان کا حج سے محروم کیا جانا

حضور فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مہاجر

جان نثاروں کو مکہ معظمہ چھوڑے کامل چھ برس گذر چکے تھے اور جن صحابہ نے پہلے مکہ سے حبشہ اور پھر حبشہ سے مدینہ منورہ کی ہجرت کی تھی انہیں تو اپنے وطن مالوف مکہ سے مفارقت کیے بارہ تیرہ سال کا طویل زمانہ منقضی ہو چکا تھا۔ اس لیے بہت سے مہاجرین کرام رات کے سناٹوں میں اکثر وطنِ عزیز کو یاد کیا کرتے تھے کچھ تو اس وجہ سے کہ ہر ایک کو وطن عزیز ہوتا ہے اور زیادہ تر یہ خیال ہر وقت ان کے لیے سوہانِ روح بنا ہوا تھا کہ وہ حج کعبہ اور زیارتِ بیت العتیق کی سعادت سے محروم کر دیے گئے ہیں۔ گو کفارِ قریش اپنی خاندانی روایات کے اعتبار سے کسی شخص کو خواہ دشمن جان ہی کیوں نہ ہو حج سے روکنے کے مجاز نہ تھے تاہم لات و عزیٰ کے پجاریوں نے خدائے واحد کے پرستاروں کو اس عام اُصُول سے مستثنیٰ کر رکھا تھا اور حرمِ کعبہ کی زمین مسلمانوں پر قطعاً بند تھی

خیر البشر کا عزمِ عمرہ

آخر ۶ھ کے ماہ ذی قعدہ میں حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ جا کر عمرہ کرنے کا عزم فرمایا۔ عمرہ حج سے مختصر ہوتا ہے۔ اس میں جبلِ عرفات نہیں جاتے۔ عُمرہ کے صرف دو رکن ہیں۔ طواف بیت اللہ اور سعی صفا و مروہ۔ عمرہ کا کوئی وقت متعین نہیں۔ سال بھر میں ہر موقع پر کر سکتے ہیں۔ البتہ عرفہ کے دن اور دسویں سے تیرھویں ذوالحجہ تک مکروہ ہے۔

آپ نے اس سفر کے لیے ماہ ذوالقعدہ کا انتخاب حرمت والے مہینوں کی تقدیس کی بنا پر کیا جو قدیم الایام سے قریش اور دوسرے غیر مسلم قبائل کے دلوں میں راسخ تھی۔ اہل عرب ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب چار مہینوں کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ان اَشہُرِ حُرُم میں ہر کس و ناکس کو امان حاصل ہوتی تھی۔ راہیں کھل جاتی تھیں اور جھگڑے قضیے موقوف رہتے تھے خصوصاً ماہ ذی قعدہ میں تو ہر عرب محاربہ و مقاتلہ سے قطعاً دست بردار رہتا تھا۔ اسی وجہ سے اس مہینہ کا نام ذوالقعدہ یعنی بیٹھ رہنے کا مہینہ پڑ گیا تھا۔ گو ان ایام میں کفارِ قریش اور مسلمانوں میں باہم حالتِ جنگ قائم تھی لیکن چونکہ اس مہینہ میں دشمن قبائل سے مڈبھیڑ ہونے کا کوئی خدشہ نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اسی کے شروع میں بقصدِ عمرہ مکہ معظمہ کی طرف کوچ فرمایا۔ قریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ

آپ کے ساتھ تھے۔ جاتے وقت آپ حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رض کو مدینہ طیبہ میں اپنا جانشین مقرر فرما گئے۔

عمرہ کا احرام باندھنا

آپ نے ذوالحلیفہ کے مقام پر احرام باندھا اور ناجیہ اسلمی کو شتران ہدی دے کر پہلے روانہ کر دیا اور عباد بن بشر صحابی رض کو بیس آدمیوں کے ساتھ دیکھ بھال کے لیے بطور ہراول اور بشر بن سفیان خزاعی کو جاسوسی کے لیے روانہ فرمایا۔ قریش کے جاسوسوں نے مکہ جا کر ان کو اطلاع دی کہ داعیٔ اسلام (علیہ التحیۃ والسلام) ایک بڑی جمعیت کے ساتھ مکہ کو آ رہے ہیں۔ انہوں نے مزاحمت کا عزم مصمم کر کے بڑی عجلت کے ساتھ لڑائی کی تیاری شروع کر دی۔ حضرت قائد ملت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء اس خیال میں تھے کہ قریش ہرگز مزاحم نہ ہوں گے کیونکہ حج اور عمرہ کی اجازت دوست دشمن سب کے لیے ہمیشہ سے عام تھی۔ اسی بنا پر آپ مسافرانہ حیثیت سے قدوم فرما ہوئے تھے۔ اصحاب کرام رض غیر مسلح تھے اور گنتی کے چند آدمیوں کے پاس تلواریں تھیں۔

قریش کی طرف سے راستہ روکنے کا انتظام

قریش نے خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل کو لشکر کا ہراول مقرر کیا اور دو سو سواران کے ہمراہ کر کے راستہ روکنے کا انتظام کیا۔ جب آپ نواح عسفان میں پہنچے تو بشر بن سفیان خزاعی جن کو آپ نے مخبری کے لیے روانہ کیا تھا حاضر خدمت ہوئے اور خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل کی روانگی کا حال بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ قریش آپ کی مزاحمت کے لیے بڑی جمعیت فراہم کر رہے ہیں۔ آپ نے صحابہ کرام رض سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رض عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! آپ بیت اللہ کے قصد سے آئے ہیں۔ لڑائی کا ہرگز قصد نہیں۔ آپ بے کھٹکے کعبۂ معلیٰ کی طرف چلیے۔ جو کوئی ہمارے عزم میں مزاحم ہوگا ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔"

راہ کی تبدیلی

آپ نے یہ رائے پسند فرمائی اور مکہ معظمہ کی طرف چلنے کا حکم دیا۔ اتنے میں آپ نے وحیٔ الٰہی سے اطلاع پا کر صحابہ رض سے فرمایا کہ خالد بن ولید نے قریش کے

سواروں کی ایک جمعیت کے ساتھ غُمَیم کے مقام پر راستہ روک رکھا ہے۔ اس لیے تم لوگ خالد کا راستہ چھوڑ کر داہنی طرف کی راہ اختیار کرو۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ اس صفائی اور خاموشی کے ساتھ گئے کہ غبار تک نہ اُٹھا۔ خالد موضع غُمَیم میں مسلمانوں کے انتظار میں پڑے رہے۔ آخر جب انہیں اطلاع ملی کہ مسلمان مکہ معظمہ کی طرف بہت آگے بڑھ گئے ہیں تو اپنے سواروں کو لے کر جھٹ مکہ پہنچے اور قریش کو بتایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک فوجِ گراں کے ساتھ آرہے ہیں۔ یہ سن کر قریش سخت بدحواس ہوئے اور آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے۔

اُونٹنی کا حُدَیبیہ کے کنارے جا بیٹھنا

جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم موضع ثنیۃ المراء میں جہاں سے مکہ معظمہ نظر آتا ہے پہنچے تو آپ کی اُونٹنی قصواء جس پر آپ سوار تھے یک بیک بیٹھ گئی۔ اصحاب نے اس کے اُٹھانے کے لیے بہتیرے جتن کیے لیکن اس نے اُٹھنے کا نام نہ لیا۔ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ قصواء پر ضد سوار ہوگئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قصواء نے ضد نہیں کی اور ضد اس کی عادت نہیں لیکن اس کو اسی ذاتِ برتر نے آگے بڑھنے سے روک دیا ہے جس نے اصحاب الفیل کے ہاتھیوں کو روک دیا تھا۔ اور فرمایا کہ اہلِ مکہ میرے سامنے جون سی شرط بھی پیش کریں گے جس میں حُرماتِ الٰہی کا احترام ملحوظ ہوگا میں اس کو قبول کروں گا۔ اس کے بعد آپ نے قصواء کو جھڑکی دی تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اب اس نے مکہ معظمہ کا راستہ چھوڑ دیا اور حدیبیہ کے کنارے ایک گڑھے پر جا کر بیٹھ گئی۔ (بخاری وغیرہ)۔

پانی کا جوش مار کر کنوئیں سے نکلنا

حُدَیبیہ دراصل ایک کنوئیں کا نام تھا جس کے پاس ایک گاؤں آباد ہو کر اسی نام سے موسوم ہوگیا۔ یہ گاؤں مکہ معظمہ سے نو میل کے فاصلہ پر ہے۔ جب لشکرِ اسلام نے یہاں قیام کیا تو اس وقت کنوئیں میں بہت تھوڑا پانی تھا جو تھوڑی دیر میں ختم ہوگیا۔ جب صحابہ کرام ہر طرف سے آ آ کر پیاس کی شکایت کرنے لگے تو آپ نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر حکم دیا کہ اس کو کنوئیں میں ڈال دیں۔ تیر ڈالتے ہی پانی جوش مار کر نکلنے لگا اور اس وقت تک اس پانی میں کوئی کمی نہ ہوئی جب تک لشکرِ اسلام وہاں سے

لوٹ نہ آیا (بخاری)

حُدَیبیہ پہنچنے کے بعد آپ نے خواب دیکھا کہ آپ اور آپ کے اصحاب بلا خوف وخطر مکہ معظمہ میں داخل ہوئے ہیں اور باطمینان عمرہ ادا کر رہے ہیں۔ آپ نے یہ خواب صحابہ کو سنایا چونکہ آپ عمرہ ہی کے قصد سے تشریف لائے تھے اور انبیاء کا خواب ہمیشہ سچا ہوتا تھا اس سے بعض اصحاب کرامؓ نے از خود یہ یقین کر لیا کہ ہم اسی سفر میں بے خوف خطر مکہ معظمہ میں داخل ہوں گے۔ مگر اس حقیقت سے خالی الذہن تھے کہ آپ نے وقت کی کوئی تعیین نہ فرمائی تھی (تفسیر دُرِ منثور)۔

بُدَیل بن ورقاء خزاعی کی سفارت

اس اثناء میں قریش نے بُدَیل بن ورقاء خزاعی کو جو ہنوز مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے ان کے قبیلے کے چند آدمیوں کے ساتھ حضرت سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ معلوم کرنے کے لیے حُدَیبیہ روانہ کیا۔ بُدَیل نے حدیبیہ پہنچ کر آپ سے آنے کا سبب دریافت کیا اور بتایا کہ یہاں سے تھوڑے فاصلہ پر قریش کے دو قبیلے کعب بن لُوَیّ اور عامر بن لُوَیّ اس غرض سے آکر ٹھیرے ہوئے ہیں کہ آپ کو بیت اللہ جانے سے روک دیں۔

آپ نے فرمایا بُدَیل! ہم رزم و پیکار کے لیے نہیں آئے۔ ہمارا مقصد تو صرف عمرہ کرنا ہے۔ اس وقت قریش کی حربی قوت سخت کمزور ہو رہی ہے اس لیے اگر وہ میری طرف مصالحت کا ہاتھ بڑھائیں تو میں کچھ مدت مقرر کر دیتا ہوں۔ اس عرصہ میں ہم باہم رزم خوردہ نہ ہوں بلکہ قریش ہمیں اور عرب کے دوسرے غیر مسلم قبائل کو ہمارے حال پر چھوڑ دیں اور ہمارے معاملات میں قطعاً دست انداز نہ ہوں۔ اگر اس مدت میں غیر مسلم قبائل مجھ پر غالب آئے تو قریش کی تمنا بر آئی اور اگر میں ان لوگوں پر غالب آ جاؤں تو پھر قریش کو اختیار ہے کہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوں یا نہ ہوں۔ اور اگر قبول اسلام کا قصد نہ ہو تو بھی ان کے لیے اس میں ضرر کا کوئی پہلو نہیں کیونکہ اس عرصہ میں وہ کم از کم لڑائی کی طرف سے تو مطمئن رہیں گے اور ہر طرح سے امن و عافیت میں گزرے گی۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر قریش اس شرطِ مصالحت کو قبول نہ کریں تو مجھے اس ذات

برتر کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر اس وقت تک برابر لڑائی جاری رکھوں گا جب تک میری گردن تن سے الگ نہ ہو جائے لیکن یاد رکھیں کہ خدائے قادر و توانا یقیناً اپنے دین کو غالب کرے گا اور وقت کی تمام سرفراز طاقتیں حق کے سامنے سرنگوں ہو کر رہیں گی۔" بُدَیل نے کہا اچھا میں آپ کا پیغام قریش تک پہنچائے دیتا ہوں۔

بُدَیل کی پیغام رسانی اور زعمائے قریش کا سوءِ ظن

بُدَیل حدیبیہ سے مکہ معظمہ پہنچے اور صنادید قریش سے کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ سے ایک بات کہی ہے اگر تمہاری خواہش ہو تو تم لوگوں سے کہوں۔ عکرمہ بن ابوجہل اور قریش کے دوسرے جوشیلے نوجوان ان سے کہنے لگے ہم اس شخص کی کوئی بات سننا نہیں چاہتے ہمارے سامنے ان بیکار قصوں کو نہ چھیڑو۔ لیکن تجربہ کار اور اہل الرائے اشخاص بولے نہیں نہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو کچھ پیغام دیا ہے وہ حرف بحرف بیان کرو۔

بُدَیل نے سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام حرف بحرف کہہ سنایا اور کہا کہ تم ناحق شور و غل مچاتے اور لڑائی کی طیاری کر رہے ہو۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو صرف عمرہ کرنے کو آئے ہیں۔ سب نے احرام باندھ رکھا ہے اور قربانی کے جانور ساتھ ہیں۔" قریش نے ان کے بیان پر وثوق نہ کیا اور گمان کیا کہ بُدَیل اور ان کے ساتھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مل گئے ہیں۔ اس بدگمانی کی وجہ یہ تھی کہ قبیلہ خزاعہ قبولِ اسلام سے پہلے بھی ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کا مخلص و ہواخواہ تھا (بخاری وغیرہ)

عُروہ بن مسعود ثقفیؓ کی نمایندگی

جب بُدَیل نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام آ سنایا تو اس وقت طائف کے ایک رئیس عُروہ بن مسعود ثقفیؓ بھی جو ایک نہایت سنجیدہ، متین اور باوقار رئیس تھے اور اس مجلس میں موجود تھے۔ انہوں نے اعیان قریش سے سوال کیا کہ کیا میں تمہارا باپ اور تم میرے بچے نہیں ہو؟ سب نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر پوچھا تم لوگوں کو میری طرف سے کوئی بدگمانی تو نہیں ہے؟ سب نے نفی میں جواب دیا۔

پھر سوال کیا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے عکاظ والوں سے تمہاری امداد کے لیے کہا تھا اور جب انہوں نے انکار کیا تو میں خود اپنے اہل و عیال سمیت اور ان لوگوں کو جو میرا کہا مانتے تھے ساتھ لے کر تمہاری مدد کے لیے آیا تھا؟ انہوں نے اس کو بھی تسلیم کیا۔ یہ سب مقدمات تسلیم کرانے کے بعد عروہ نے کہا کہ جب تم لوگ ان امور کو تسلیم کرتے ہو تو اب میری گزارش سنو۔ میری رائے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نہایت معقول صورت پیش کی ہے۔ اس کو منظور کر لو اور مجھے اجازت دو کہ میں جا کر ان سے گفتگو کر دوں اور تمام امور کا تصفیہ کر آؤں۔ سب نے اتفاقِ رائے سے ان کو اپنا نمایندہ بنا کر بھیجا۔

عُروہ نے حُدَیبیہ آ کر سیدِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ آپ نے ان کے سامنے بھی وہی صورت پیش کی جو بُدَیل کے سامنے پیش کر چکے تھے۔ عُروہ نے کہا محمدؐ! اگر بالفرض آپ نے قریش کا استیصال بھی کر دیا تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس کی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ کسی نے اپنی قوم اور برادری کو خود برباد کر دیا ہو اور اگر قریش غالب آئے تو آپ کے گرد جو مجمع ہے وہ سب چھنٹ جائے گا اور یہ چہرے جو اس وقت دکھائی دے رہے ہیں سب ہوا ہو جائیں گے۔

یہ سن کر عاشقِ رسُول حضرت ابوبکر صدیق رضؓ بیتاب ہو گئے اور عُروہ کو ڈانٹ کر کہا کیا ہم لوگ معاذ اللہ حضور کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ عُروہ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو کئی سال سے دیکھا نہیں تھا۔ کسی سے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ انہیں بتایا گیا کہ ابوبکرؓ ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کا نام نامی سن کر عُروہ کہنے لگے واللہ! اگر میں تمہارے احسان سے گرانبار نہ ہوتا تو اس درشت کلامی کا جواب دیتا۔

عُروہ گفتگو کرتے وقت عربوں کی عام عادت کے موافق بار بار حضرت سرورِ دوجہان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ریشِ مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتے تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ صحابیؓ جو ہتھیار لگائے آنحضرتؐ کی پشت پر کھڑے تھے یہ بیباکانہ اندازِ گفتگو برداشت نہ کر سکے۔ غضب ناک ہو کر بار بار قبضۂ شمشیر پر ہاتھ ڈالتے تھے۔ ان سے آخر رہا نہ گیا اور عُروہ کو ڈانٹا کہ خبردار! اب ریشِ مبارک

کی طرف ہاتھ نہ بڑھنے پاتے۔

صحابہ کا عشقِ رسولؐ

عُروہ جو تے اپنے چند گھنٹوں کے قیام میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی حیرت انگیز عقیدت مندی کے جو مناظر دیکھے انہوں نے عُروہ کو بہت متاثر کیا۔ چنانچہ واپس جاکر قریش سے بیان کیا کہ میں آج تک بہت سے بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کے پیرووں کو جو عقیدت ہے اور وہ لوگ ان کا جتنا احترام کرتے ہیں وہ دنیا کے کسی تاجدار کو نصیب نہیں۔ میں نے قیصر اور کسریٰ کے دربار بھی دیکھے ہیں لیکن عشق و وارفتگی کے جو مناظر حُدیبیہ میں دیکھ کر آیا ہوں وہ کبھی دیکھنے میں نہیں آئے۔ محمدؐ تھوکتے ہیں تو ان کے اصحاب بلغم اور تھوک کو عطر کی طرح اپنے ہاتھوں اور چہرے پر مل لیتے ہیں۔ وہ وضو کرتے ہیں تو لوگ اس گرے ہوئے پانی کو تبرک سمجھ کر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لیے کشت و خون ہو جائے گا۔ جب وہ حکم دیتے ہیں تو ہر شخص اس کی تعمیل کے لیے اُٹھ دوڑتا ہے جب وہ بولتے ہیں تو مجلس میں سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوئی شخص ازراہِ تعظیم ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔ ایسے شخص نے ایک معقول صورت پیش کی ہے۔ تم کو اسے قبول کر لینا چاہیے (بخاری)۔

صحابہ کی فداکاری پر کارلائل کی رائے

صحابۂ کرامؓ کی عقیدت مندی اور فداکاری کے متعلق مسٹر کارلائل نے اپنے ۸؍ مئی ۱۸۴۰ء کے لکچر میں بمقام لندن کہا تھا:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قبا کو سب کے سامنے پیوند لگاتے۔ اپنی جوتیاں خود مرمت کرتے۔ صحابہ سے مشورہ کرتے اور ان کو حکم دیتے۔ ان لوگوں نے اچھی طرح بھانپ لیا ہوگا کہ وہ کس قسم کا انسان ہے۔ اب ایسے آدمی کی نسبت جو چاہو کہو لیکن یاد رکھو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فرمانوں کی تعمیل جس طرح اپنے مرمت کیے ہوئے جبہ میں ہوتی تھی ویسی کسی شہنشاہ تاجدار کے احکام کی بھی کبھی نہیں ہوئی (ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ)۔

عُروہؓ پر بے اعتمادی اور حُلَیس کی روانگی

چونکہ زعمائے قریش اسلام دشمنی میں اندھے ہو رہے تھے انہوں نے عُروہؓ جیسی صائب الرائے اور معاملہ فہم ہستی کے بیان پر بھی اعتماد نہ کیا۔ باوجودیکہ وہ حالات جو عروہؓ نے بیان کیے قریش کی ہدایت و رہنمائی کے لیے کافی تھے تاہم وہ لوگ اپنی ضد پر اڑے رہے اور عروہؓ سے کہا تمہاری منطق ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ ہم لوگ ہرگز محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو مکہ نہ آنے دیں گے۔

اب حُلَیس بن طلحہ کنانی نام ایک رئیس نے کہا کہ میں حُدَیبیہ جاتا ہوں اور تمام حالات معلوم کر کے بے کم و کاست تم سے بیان کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ حدیبیہ پہنچے اور تحقیق و تفحّص کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ آنحضرتؐ اور آپ کے پیرو واقعی عمرہ کرنے کو آئے ہیں۔ چنانچہ حُلَیس نے واپس جا کر قریش سے کہا کہ مسلمان لڑنے کے ارادہ سے نہیں بلکہ عمرہ کے قصد سے آئے ہیں۔ میں بچشم خود قربانی کے جانور دیکھ آیا ہوں۔ ان کو طواف کعبہ سے روکنا بڑا ظلم اور بے انصافی ہے۔" یہ سُن کر اعیانِ قریش کو غصہ آ گیا اور غایت قساوت سے کہنے لگے کہ حُلَیس! تو ایک جنگلی آدمی ہے۔ تو ملکی اور سیاسی امور کو کیا سمجھے۔ ہم مسلمانوں کو ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔

حُلَیس یہ سن کر خشم ناک ہوئے اور کہا قریش! میں اس ظلم میں تمہاری موافقت نہیں کر سکتا کہ عازمینِ زیارتِ کعبہ کو منع کیا جائے۔ اور یاد رکھو کہ اگر تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو طواف کعبہ سے روکا تو میں اپنے ساتھیوں کو لے کر تم سے لڑوں گا۔" جب قریش نے اپنے ہی آدمی کے تیور بدلے ہوئے دیکھے تو عذر خواہی کرنے لگے اور منت سماجت کر کے انہیں خاموش کیا۔

رسُول اللہ کے قاصد سے بدسلوکی

اتنے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک قاصد حراش بن اُمیہ خزاعیؓ کو اونٹ پر سوار کر کے بھیجا اور فرمایا تم جا کر ہماری طرف سے اہل مکہ کی دلجمعی کرو کہ ہم لڑنے کو نہیں آئے، عمرہ کرنے کو آئے ہیں۔" جب حراشؓ نے جا کر یہ پیغام قریش مکہ کو پہنچایا تو وہ آپے سے باہر ہو گئے اور ان کے قتل

پر اتفاق کر کے ان کا اُونٹ چھین لیا اور اس کو ذبح کر کے خود ان کی جاں ستانی کے لیے ان کی طرف بڑھے لیکن ان کی قوم خزاعہ کے لوگ جو مکہ میں تھے ان کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں قریش کے پنجۂ ظلم سے نجات دلا کر رسول اللہ کے پاس بھجوا دیا (مدارج) حالانکہ قاصد سے بدسلوکی کرنا دنیا کے کسی آئین میں روا نہیں ہے۔

اسّی آدمیوں کو آنحضرتؐ کے قتل پر متعین کرنا

اس وقت یہ دیکھ کر کہ سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ مکہ سے تھوڑے فاصلہ پر خیمہ زن ہیں قریش کی آتش غیظ پوری شدت سے مشتعل ہو رہی تھی۔ انہوں نے اس جوش غضب میں فیصلہ کیا کہ مزید ایک مرتبہ آپ کی جان لینے کی کوشش کی جائے چنانچہ اسّی مردان دلاور شہر مکہ سے منتخب کیے گئے اور انہیں تاکید کی گئی کہ جاؤ اور جس طرح ممکن ہو اپنی جانوں پر کھیل کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام تمام کر دو۔ چنانچہ یہ اسّی جوان مسلح ہو کر نصف شب کے بعد مکہ سے روانہ ہوئے اور کوہ تنعیم سے اُتر کر نہایت خاموشی کے ساتھ اندھیرے منہ لشکر اسلام کے قریب پہنچے لیکن اس سے بیشتر کہ وہ لشکر میں گھس کر اپنا ناپاک مقصد پورا کرنے کی کوشش کریں جان نثاران رسالت کو ان کا پتہ چل گیا اور صحابہ کرامؓ نے ان سب کو گرفتار کر لیا۔ جرم کھلا ہوا تھا اور سب مجرموں کی سزا قتل تھی لیکن جب یہ لوگ طلوع کے بعد پیش گاہِ نبوی میں پیش کیے گئے تو آپ نے حکم دیا کہ سب کو چھوڑ دو چنانچہ سب بری کر دیے گئے (بخاری و مسلم)۔

حضرت عثمانؓ ذوالنورین کی سفارت

جب خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ قریش نے نہ صرف آپ کے پیغام کو ٹھکرا دیا بلکہ اُلٹا آپ کے قاصد کے بھی درپئے قتل ہوئے اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ خود ذاتِ بابرکات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نقش وجود محو کر کے دنیا کو اس نیرّ اعظم کی ضیا گستری سے محروم کر دینے کی بھی کوشش کی تو آپ نے ارادہ کیا کہ اب خاص کسی معزز قرشی کو قریش کے پاس بغرض افہام و تفہیم بھیجا جائے چنانچہ اس مقصد کے لیے آپ کی نظر انتخاب حضرت فاروقِ اعظمؓ پر پڑی۔

لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! حضور کا حکم سر آنکھوں پر لیکن حضور پر یہ امر مخفی نہیں کہ موجودہ وقت میں میرے قبیلہ بنو عدی کا ایک بھی ایسا سربرآوردہ آدمی مکہ میں موجود نہیں جو موقع پر میری حمایت کر سکے اس لیے میرا جانا خطرات سے خالی نہیں۔ میری رائے میں اس سفارت کے لیے بہترین شخص عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان ہیں کیونکہ ان کے قبیلہ بنو امیہ کے بہت سے بااثر اور بقتدر افراد وہاں موجود ہیں جو مشکل وقت میں ہر طرح سے ان کی مدد کر سکتے ہیں اور خود قریش کا سرگروہ ابو سفیان بن حرب ان کا قریبی رشتہ دار ہے (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا باپ عفان اور ابو سفیان دونوں امیہ کے پوتے تھے) رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صائب رائے کو بہت پسند فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بطور ایلچی ابو سفیان بن حرب کے پاس روانہ کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نظر بندی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہاں سے رخصت ہو کر مکہ پہنچے۔ سب سے پہلے اپنے خاندان کے ایک رکن آبان بن سعید بن عاص اموی سے جو ہنوز مشرف بایمان نہ ہوئے تھے ملاقات کی۔ ابان نے یہ معلوم کر کے کہ پیغام لے کر آئے ہیں اور قریش کے سرداروں سے ملنا چاہتے ہیں ان کو اپنی حمایت میں لے لیا اور ابو سفیان بن حرب اور دوسرے عمایدِ قریش سے ملاقات کرائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا اور کوشش کی کہ یہ لوگ مصالحانہ رویہ اختیار کریں۔ قریش اب بھی اپنے جہل و تعصب پر قائم تھے۔ کہنے لگے یہ تو ممکن نہیں کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زیارت بیت اللہ کی اجازت دیں البتہ تم کو اجازت دیتے ہیں کہ خانہ کعبہ کا طواف کر لو۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر خود طواف کر کے چلا جاؤں"۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس خلوص و حسن عقیدت پر سردارانِ قریش بہت چراغ پا ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قریش کے تعصب اور عناد پسندیوں پر انہیں سخت ملامت کی اور برہمی و ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اس لیے قریش کو یقین تھا کہ اگر عثمان رضی اللہ عنہ اسی حالت غیظ میں لشکر اسلام میں چلے گئے تو یہ مسلمانوں کو سخت مشتعل کر دیں گے اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو روک کر

نظر بند کر دیا۔

بیعت الرضوان

جب حضرت عثمانؓ کی مراجعت میں غیر معمولی توقف ہوا تو لشکرِ اسلام میں یہ افواہ اڑ گئی کہ عثمانؓ شہید کر دیے گئے۔ یہ سن کر پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ اب مجھے لڑنا حلال ہوا کہ پہل انہوں نے کی ہے اور جب تک ہم قتلِ عثمانؓ کا انتقام نہ لیں گے اس مقام سے ہرگز نہ ٹلیں گے۔ چنانچہ آپ عالمِ تأسف میں ببول کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور ہاتھ بڑھا کر فرمایا کہ آج کون کون میرے ہاتھ پر مرنے کی بیعت کرتا ہے؟

کون مسلمان تھا جو جاں نثاری کی بیعت سے پیچھے رہتا۔ تمام صحابہؓ نے جاں بازی کی بیعت کی اور دستِ مبارک پر ہاتھ رکھ کر کہا ہم سب جان دینے کا عہد کرتے ہیں۔ ہم کو اللہ کی راہ میں موت پیاری ہے۔" صحابۂ کرامؓ کی جاں سپاری اور جذبۂ فدویت کا یہ کیسا عظیم الشان و دل گداز منظر تھا جبکہ شیدایانِ ملت سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جانیں قربان کر دینے کی بیعت کر رہے تھے اور انہوں نے اس سرائے فانی کی چند روزہ حیاتِ مستعار پر آخرت کی ابدی زندگی کو عموماً ترجیح دی تھی۔

ربّ العالمین کی طرف سے سندِ خوشنودی

یہ جذبۂ فدویت ربّ العالمین کو بھی بھا گیا اور لسانِ وحی نے فدایانِ ملت کو ان الفاظ میں اپنی خوشنودی کی سند عطا فرمائی:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ	بلاریب حق تعالیٰ (آپ کے) ان (ہمسفر) مومنوں
اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ	سے خوش ہوا جبکہ یہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت
فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ	کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ (توکل
السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ	علی اللہ) تھا وہ بھی اللہ کو معلوم تھا پس اللہ
فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ (۴۸ : ۱۸)	تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اطمینان پیدا کر دیا اور

(ان کو انعام میں قریب ہی فتح (خیبر) عطا کی)

یہ بیعت تاریخ اسلام میں بیعت رضوان کے نام سے موسوم ہے کیونکہ اس پر رب جلیل نے خاص طور پر اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا تھا۔

سُہیل کو شرائطِ معاہدہ طے کرنے کو بھیجنا

جب قریش نے اس بیعت کا حال سنا تو ان کے دل اس خوف سے لرزنے لگے کہ اب آنحضرتؐ ان پر ضرور لشکر کشی کریں گے اور آتے ہی اہل مکہ کو ہلاک و مستاصل کر دیں گے۔ غرض سخت پریشان اور بدحواس ہو کر صلح کی طرف مائل ہوئے اور سہیل بن عمروؓ کو جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور ان کے نامور خطیب تھے شرائطِ معاہدہ طے کرنے کے لیے حدیبیہ روانہ کیا (مدارج النبوۃ)۔

سُہیل کا بسم اللہ الرحمٰن لکھے جانے سے انکار

سُہیل بن عمرو نے حُدَیبیہ پہنچ کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور کہا آئیے عہد نامہ مرتب کریں۔ آپ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو بلا بھیجا اور فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سُہیل نے کہا ہم رحمٰن کو نہیں پہچانتے۔ آپ حسبِ معمولِ سابق بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ (اے اللہ! ہم تیرے نام سے شروع کرتے ہیں) لکھوائیے۔ صحابہ کرامؓ نے کہا نہیں ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی لکھیں گے۔ حضور سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مضائقہ نہیں۔ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ ہی لکھو۔

لفظ محمد رسول اللہ میں ترمیم

اس کے بعد آپ نے لکھوایا کہ یہ وہ معاہدہ ہے کہ جس پر محمد رسول اللہ نے قریش سے مصالحت کی۔ سہیل نے کہا ہم اس کو منظور نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اگر ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو نہ آپ کو بیت اللہ جانے سے روکتے اور نہ آپ کے خلاف رزم خواہ ہوتے۔ محمد رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھا جانا چاہیے۔" آپ نے فرمایا اگرچہ تم لوگوں نے میری تکذیب کی لیکن خدائے واحد کی قسم! میں رسول اللہ ہوں"۔

سُہیل بن عمرو اپنی بات پر مصر ہوئے۔ اس لیے آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی۔ جب یہ نہیں مانتے تو مضائقہ نہیں اس کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھ دو۔ حضرت علیؓ نے کہا واللہ! میں تو اس لفظ کو کبھی محو نہیں کروں گا۔ یہ دیکھ کر

آپ نے عہدنامہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بذاتِ خود محمد رسول اللہ کے الفاظ کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھ دیا (بخاری و مسلم)۔

حضرت علیؓ کے انکار کا منشأ

یاد رہے کہ یہ ترمیم آپ کا ایک معجزہ تھا ورنہ آپ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اور حضرت علیؓ کا انکار عدولِ حکم پر مبنی نہیں تھا بلکہ یہ عرض داشت محض ادب و تعظیم کی بنا پر تھی۔ ان کا منشأ یہ تھا کہ مجھے اس کی جرأت نہیں کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا سکوں۔ اگر آپ کا یہ حکم قطعی اور حتمی ہوتا تو کبھی ممکن نہ تھا کہ حضرت علیؓ کچھ عذر کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ اس لفظ کی تبدیلی پر محض اس لیے رضامند ہو گئے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ قریش میرے سامنے ایسی جونسی شرط بھی پیش کریں گے جس میں حُرماتِ الٰہی کا احترام ملحوظ ہوگا تو میں اسے قبول کر لوں گا۔

پہلی شرط

اب آپ نے پہلی شرط یہ لکھوائی کہ قریش ہمیں کعبہ کے پاس جانے اور اس کا طواف کرنے سے نہیں روکیں گے۔ سُہیل نے کہا اس سال بیت اللہ جانے کا خیال چھوڑ دیجیے کیونکہ اس سال جانے میں عرب کے اندر چرچہ ہوگا کہ قریش دب گئے اور مغلوب ہو گئے البتہ ہم آپ کو آیندہ سال جانے کی بخوشی اجازت دیتے ہیں۔ آپ آیندہ سال آکر شوق سے عمرہ کیجیے۔" آپ نے اس شرط کو منظور فرمایا۔

دوسری شرط

سُہیل نے دوسری شرط یہ پیش کی کہ اگر ہمارا کوئی آدمی تمہارے پاس چلا آئے تو تم اسے ہمارے پاس واپس بھیج دو گے اگرچہ وہ مسلمان ہو کر تمہارے پاس آیا ہو۔" صحابہؓ نے کہا توبہ توبہ! بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم کسی مومن کو جس نے دینِ حق قبول کر لیا تمہارے پاس واپس بھیج دیں؟ اس پہ بحث ہوتی رہی۔ جب حضرت عمرؓ نے محسوس کیا کہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اس شرط کو بھی منظور فرمالیں گے تو اپنے عشقِ اسلام کے جذبہ سے مجبور ہو کر عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! جب آپ خدا کے برگزیدہ رسول ہیں۔ ہم حق پر اور دشمن باطل پرست ہیں۔ ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے جہنم میں جائیں گے۔ دشمن کے مقابلہ میں

ہم کمزور بھی نہیں ہیں تو ہم دب کر صلح کیوں کریں اور کوئی ایسی شرط کیوں قبول کریں جس میں دین حق کی سراسر ہیٹی ہے"، آپ نے فرمایا عمر! یاد رکھو کہ میں اللہ کا نائب اور اس کا رسول ہوں جو کچھ کرتا ہوں اسی کے حکم اور مرضی سے کرتا ہوں۔ وہی میرا مربی و کارساز ہے"۔

ابوجندلؓ کا پابزنجیر مکہ سے آنا

ابھی یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ خود قریش کے نمائندہ سُہیل بن عمرو کے فرزند حضرت ابوجندل بن سُہیل صحابی رضی اللہ عنہ اہل مکہ کی قید سے بھاگ کر اسی طرح پابزنجیر حدیبیہ پہنچے اور بدن کے داغ دکھا کر فریاد کرنے لگے کہ قریش نے مجھے قید کر کے ایسی ایسی ایذائیں دی ہیں اور مجھے محض قبولِ اسلام کی پاداش میں دردناک عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے"۔

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دردناک منظر کو دیکھ کر تڑپ اُٹھے۔ سہیل اپنے بیٹے کو دیکھ کر کہنے لگے محمدؐ! ابوجندل کو اسی طرح پابزنجیر مکہ واپس بھیج دیجیے ورنہ ہم کسی شرط پر آپ سے معاہدہ کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا سُہیل! ہمیں تمہاری یہ شرط منظور ہے لیکن ابوجندلؓ کو ہمارے حوالے کر دو۔ سہیل نے کہا تعمیل معاہدہ کا یہ اولین موقع ہے۔ آپ نے فرمایا ابھی تو معاہدہ لکھا ہی جا رہا ہے۔ آخر بڑی ردّ و کد کے بعد آپ نے ابوجندل کو واپس دینا منظور کر لیا۔ ابوجندلؓ کے تمام جسم پر زد و کوب کے نشانات تھے اور پھر دوبارہ اسی ورطۂ عذاب میں گرفتار ہوتے سے ان کی رُوح فنا ہو رہی تھی۔

ابوجندلؓ کا پابزنجیر مکہ واپس بھیجا جانا

جب ابوجندلؓ خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نا امید ہوئے تو صحابہؓ سے خطاب کر کے کہنے لگے مسلمانو! کیا میں پھر مشرکوں کی طرف لوٹا دیا جاؤں گا حالانکہ میں ایمان لانے کے بعد تمہارے پاس پہنچا ہوں۔ کیا آپ حضرات میرے ان زخموں کو نہیں دیکھتے جو مکہ کے بُت پرستوں نے قبولِ حق کے "جرم" میں پہنچائے ہیں؟ کیا آپ لوگ مجھے دوبارہ اسی جہنم کدۂ عذاب میں جھونک دیں گے؟"

تمام صحابہؓ جوشِ رقت سے بے چین ہو گئے۔ حضرت عمرؓ جیسے غیور فرطِ رنج سے بے تاب

تھے لیکن کوئی پیش نہ جاتی تھی۔ صحابہ بار بار بے تابانہ خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا جا کر زبانِ حال سے رنج دل ظاہر کر رہے تھے لیکن مرسلِ یزدانی علیہ التحیۃ والسلام کے لیے عہد کی خلاف ورزی ممکن نہ تھی۔ آپ نے کسی کی ایک نہ سنی اور حضرت ابو جندلؓ سے فرمایا صبر کرو۔ ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔ حق تعالیٰ تمہارے لیے خود ہی کوئی سبیل پیدا کر دے گا۔" غرض ابو جندلؓ کو اسی طرح پا بزنجیر مکہ واپس جانا پڑا (بخاری، مسلم، ابن ہشام)

حضرت ابو جندلؓ کی ناکام مراجعت اور ان کی آہنیں استقامت، اسلام کی روحانی کشش کا ایک درخشاں ثبوت ہے۔ اسلام نے جس شدّت کے ساتھ کشورِ قلوب کو فتح کیا اس کی ایک نظیر قارئینِ کرام کے سامنے ہے۔ کیا شمشیر نے بھی کبھی اقلیم دل کو اس درجہ مطیع و منقاد کیا تھا جس قدر اسلام کی روحانی کشش نے دلوں کو مسخر کیا؟ اگر دنیا میں اس کی کوئی نظیر موجود ہے تو وہ ازراہِ کرم پیش کی جائے لیکن یاد رہے کہ دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز اور ہمیشہ عاجز رہے گی۔

شرائطِ معاہدہ

حضرت ابو جندلؓ کی واپسی کے بعد دوسری دفعات پر بحث و تمحیص ہوئی اور انجام کار مندرجۂ ذیل شرائط پر معاہدہ ہو گیا:

(۱) رسول اللہ اس سال واپس جائیں اور آئندہ سال آکر عمرہ کریں۔

(۲) تلوار کے سوا کوئی ہتھیار نہ لائیں لیکن تلواریں بھی میان میں ہوں۔

(۳) مکہ میں تین دن سے زیادہ نہ ٹھیریں۔

(۴) صلح کی مُدّت دس سال ہوگی۔ اس عرصہ میں باہم جنگ و جدال نہ ہوگا۔

(۵) قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حلیف سے نہ لڑیں گے اور نہ حلیف کے مخالف کی مدد کریں گے۔ آنحضرتؐ بھی حلفائے قریش سے یہی معاملہ کریں گے۔

(۶) مسلمانوں میں سے جو کوئی مرتد ہو کر قریش میں چلا آئے گا قریش اس کو واپس نہ کریں گے لیکن قریش میں سے جو کوئی رسول اللہ کے پاس چلا جائے گا رسول اللہ اس کو لوٹا دیں گے گو وہ مسلمان ہو کر ہی کیوں نہ گیا ہو۔

(۷) اس مدت میں فریقین میں سے کوئی کسی سے دغا فریب نہ کرے گا (بخاری، مسلم، ابوداؤد)

شرائطِ معاہدہ پر صحابہؓ کا قلق و اضطراب

چونکہ عہد نامہ کے تمام شرائط قریش کی مرضی کے عین مطابق اور مسلمانوں کے حق میں بظاہر توہین آمیز تھے، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں قلق و اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ ان نفوسِ قدسیہ کے قلوبِ صافی میں اسلام کی جو سچی تڑپ تھی اس نے معاہدہ کی چھٹی شرط پر بالخصوص تمام حضرات کو وقفِ اضطراب کر رکھا تھا۔ شیرِ بیشۂ اسلام حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رنج و غم کی تو اس دن کوئی انتہا نہ تھی۔

تکمیل معاہدہ کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ان کی ملاقات ہوئی اور شرائطِ معاہدہ کا تذکرہ درمیان میں آیا تو جناب فاروقؓ بہت کچھ رنج و ملال کا اظہار کرنے لگے لیکن حضرت صدیق اکبرؓ نے جن کا جذبۂ فنا فی الرسول دوست دشمن سب کے نزدیک مسلّم تھا ان کو تسلی دی اور فرمایا کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں۔ ربِ قدیر کی مرضی معلوم کیے بغیر کوئی کام ازخود نہیں کرتے۔ آپؐ نے جو کچھ کیا اور آیندہ کریں گے اسی میں دین کی بہتری ہوگی"۔ حضرت عمرؓ نے کہا حضورِ اقدس نے جو فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور وہاں کا طواف کریں گے۔ اس کا کیا مقصد تھا حضرت صدیق رضؓ نے کہا بیشک فرمایا تھا لیکن یہ نہیں فرمایا تھا کہ اسی سال جائیں گے (بخاری وغیرہ)

ملول و محزون صحابہ کی تسکین کے لیے سورۂ فتح کا نزول

معاہدہ سے فراغت پاکر آپ اور آپ کے جان نثار احرام اتار کر مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے۔ چونکہ فدایانِ اسلام ان یک طرفہ شرائط کی وجہ سے سخت ملول و محزون تھے، خدائے حکیم و علیم نے ان کی تسکین و تثبیتِ خاطر کے لیے سورۂ فتح نازل فرمائی اور اس معاہدہ کو اس بنا پر فتح سے تعبیر کیا کہ آیندہ چل کر یہی مصالحت فتح و ظفر کا سرچشمہ اور کامرانی کی کلید بن جائے گی۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عمر فاروقؓ کو بلا بھیجا اور ان کو سورۂ فتح پڑھ کر سنائی۔ حضرت فاروقؓ

کہنے لگے یارسول اللہ! کیا یہ صلح ہماری فتح ہے؟ فرمایا بلیک ہماری فتح ہے۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور دوسرے صحابہؓ کے دلوں سے بھی غبار رنج و ملال دور ہو گیا (مسلم)

شرائط معاہدہ پر ایک نظر

شروع شروع میں عام طور پر یہی خیال کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کے حق میں شرائط معاہدہ عموماً اور عہدنامہ کی چھٹی شرط خصوصاً سخت خطرناک ہیں لیکن خدا اور اس کا رسول جانتے تھے کہ نہ صرف معاہدہ کی آخری شرط قریش پر مشکلات کے دروازے کھول دے گی بلکہ یہ معاہدہ من حیث المجموع قریش کے جھوٹے اقتدار کی ہڈیاں تک گھلا دے گا۔ جب صحابہؓ نے معاہدہ کی صواب دید کے متعلق خود حامل وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے حسب عادت آئندہ کے نتائج پر تو کچھ روشنی نہ ڈالی البتہ چھٹی شرط کی نسبت اتنا فرمایا کہ جو مسلمان مرتد ہو کر اور ہم سے علاقہ توڑ کر مکہ چلا جائے گا ہم اس کو واپس لے کر کیا کریں گے بلکہ ایسے شخص کا تو ہم سے منقطع ہونا اور دور رہنا ہی بہتر ہے اور قریش کے جو آدمی مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئیں گے ان کے لوٹا دینے میں بھی چنداں قباحت نہیں کیونکہ خدائے قادر و توانا بہت جلد ان کی مخلصی کی کوئی سبیل پیدا کر دے گا (صحیح مسلم)

مکہ معظمہ کے کمزور اور مفلوک الحال مسلمانوں کے لوٹا دینے میں گو عارضی سا نقصان تھا لیکن اس سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ان کے قیام مکہ کے دوران میں بلد امین کے اندر ان کی وجہ سے کسی حد تک دین حق کی تحریک جاری رہی۔ شروع میں دوست دشمن اس بات پر سخت حیرت زدہ تھے کہ پیغمبر علیہ السلام قریش کی تمام الٹی سیدھی شرطیں مانتے جاتے ہیں اور انجام کار ایسا یک طرفہ معاہدہ قرار پایا ہے جو نمایندگان قریش کی خوش وقتی اور صحابہ کرامؓ کے رنج و ملال پر منتج ہوا اور قریش نے اس کامیابی پر خوب بغلیں بجائیں لیکن ان شرائط کے پس پردہ حضرت صادق مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو مقصد عظیم کارفرما تھا لوگ اس کی تہ تک نہ پہنچ سکے تھے۔

آنحضرتؐ کی اصل غرض یہ تھی کہ اس صلح کی بدولت مسلمان اور قریش مکہ آپس میں ملنے لگیں اور مسلمان اپنے قرشی عزیزوں اور دوسرے ارباب شرک پر دین حنیف کی خوبیاں ظاہر کر سکیں۔ چنانچہ

ایسا ہی ہوا۔ دو برس کی قلیل مدت میں لوگ جس کثرت سے حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے اس قدر گذشتہ اٹھارہ برس کی وسیع مدت میں مشرف بایمان نہیں ہوئے تھے (فتح الباری)۔ اسی مصلحت کی بنا پر آپ نے صلح کی تھی اور اسی بنا پر خدائے برتر نے سورۂ فتح میں اس صلح کو فتح کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

ابوبصیرؓ کو قیام مدینہ کی ممانعت

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد جو مسلمان اپنی مجبوریوں کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے وہ بہت بُری طرح قریش کے شکنجۂ عذاب میں گرفتار تھے۔ یہ بیچارے بھاگ بھاگ کر مدینہ منورہ کا رُخ کرتے تھے لیکن معاہدہ کی چھٹی شرط کے بموجب یہاں بھی انہیں پناہ نہ تھی سب سے پہلے حضرت ابوبصیر عُتبہ بن اُسید بن جاریہ ثقفی رضی اللہ عنہ بھاگ کر مدینہ پہنچے۔ قریش نے دو آدمی بارگاہِ نبوت میں بھیجے کہ ہمارا آدمی واپس کر دیجیے"۔ آپ نے ابوبصیرؓ سے فرمایا کہ واپس جاؤ"۔ انہوں نے التماس کی یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے قریش کے پاس بھیج کر کفر پر مجبور کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ قریش سے واپسی کا معاہدہ ہے اس لیے میں تمہیں مدینہ میں رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا"۔

ابوبصیرؓ کو مجبورًا دونوں قاصدوں کی حراست میں واپس جانا پڑا لیکن انہوں نے ذُوالحُلَیفہ کے مقام پر پہنچ کر ان میں سے ایک محافظ کو قتل کر ڈالا۔ دوسرے نے آپ سے شکایت کرنے کے لیے مدینہ کو مراجعت کی۔ ابوبصیرؓ بھی پہنچے اور عرض کرنے لگے یا رسولؐ اللہ! حضورؐ نے معاہدہ کے بموجب مجھے واپس کر دیا لیکن اللہ نے مجھے ان کے ہاتھ سے نجات بخشی۔ اب آپ پر میرے فعل کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ آپ نے ابوبصیرؓ سے فرمایا کہ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ تم نارِ حرب وفساد مشتعل کرنا چاہتے ہو"۔ جب ابوبصیرؓ کو آپ کی گفتگو سے یقین ہوگیا کہ آپ انہیں دوبارہ مکہ بھیج دیں گے تو مدینہ منورہ سے بھاگ کر ساحلِ بحر کے ایک مقام پر جسے عیص کہتے ہیں چلے گئے اور وہیں اقامت اختیار کی۔

معاہدہ کی چھٹی شرط کی منسوخی

جب مکّہ کے بیکس وستم رسیدہ مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ اہلِ مکہ

کے ظلم سے محفوظ رہنے کا ایک مأمن پیدا ہوگیا ہے تو داتوں کو بھاگ بھاگ کر عیص جانا شروع کیا حضرت ابوجندل بن سُہیل بھی ان کے پاس پہنچ گئے۔ چند ہی ماہ میں وہاں مظلوم مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی جمعیت ہوگئی جن کی تعداد ستر کے قریب تھی۔ عیص میں ان نوواردوں کے لیے ذریعہ معاش کچھ نہیں تھا۔ اس لیے انھوں نے یہ تدبیر نکالی کہ قریش کا جو کاروان تجارت مکہ سے ملک شام کو جایا آیا کرتا تھا اس کو روک کر لوٹنا شروع کیا اور اس طرح مال غنیمت پر بسر اوقات کرنے لگے۔

جب قریش نے دیکھا کہ معاہدہ کی یہ شرط ان کے حق میں سخت زبون ہوئی تو حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ بھیجا کہ معاہدہ کی یہ شرط فسخ کر دی جائے۔ آیندہ جس مسلمان کی خواہش ہو مدینہ جانے میں آزاد ہوگا۔ ہم اس سے کوئی تعرض نہ کریں گے"۔ اسی کے ساتھ یہ بھی درخواست کی کہ آپ عیص کے مسلمانوں کو مدینہ بلالیں"۔ آپ نے تنسیخ شرط کو منظور فرمایا اور عیص کے غریب الدیار مسلمانوں کو اطلاع دی کہ معاہدہ کی وہ شرط منسوخ ہو چکی ہے۔ اب تم لوگ بے تأمل مدینہ آسکتے ہو"۔ چنانچہ عیص اور مکہ کے تمام پریشان حال مسلمان مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے اور قریش کے قافلہ کا راستہ بدستور کھل گیا (بخاری)

سَر ولیم میوؔر کا اعتراض

اب یہاں میور صاحب کتاب "لائف اوف محمدؐ" میں معترض ہیں کہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے معاہدہ کے الفاظ کو تو پورا کیا لیکن اس بات کی کوشش نہ کی کہ مسلمانوں کو قافلوں کے روکنے سے باز رکھ کر امن وامان کو ترقی دیتے اور یہ کہ ایسا کرنا معاہدہ کے رو سے آپ پر لازم بھی آتا تھا"۔

لیکن یہ امر موجب تأسف ہے کہ عیسائی معترضین مسلمانوں کی ادنیٰ سی بات پر بھی گرفت کرنے کے لیے موقع کے منتظر رہتے ہیں لیکن دشمنان اسلام کی چیرہ دستیوں کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ ولیم میور یا ان کا کوئی ہم مشرب بتائے کہ معاہدہ کے بعد بھی مکہ کے مقہور الحال مسلمانوں پر جو ظلم ڈھائے جا رہے تھے کیا قریش ان کے ارتکاب سے امن وامان کو ترقی دے رہے تھے؟ مکہ کے مسلمانوں کے لیے خدا کی زمین فراخی کے باوجود تنگ ہوگئی تھی۔ نہ ان کو مکہ میں امن

سے رہنے دیا جاتا تھا اور نہ مدینہ ہی ان کو اپنے آغوشِ شفقت میں لینے کو طیار تھا پس ایسی بے بسی کے عالم میں انہیں حق پہنچتا تھا کہ اپنی مخلصی کی کوئی تدبیر کرتے۔

اور ظاہر ہے کہ اگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم از روے معاہدہ ان مظلوموں کی کوئی امداد نہیں کر سکتے تھے تو آپ خدانخواستہ ایسے بے رحم بھی نہیں تھے کہ ان جُرم ناآشناؤں کو اپنی حفاظتِ جان اور راہِ عافیت اختیار کرنے سے روک دیتے۔ آپ نے معاہدہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے پیارے جان نثاروں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ میور صاحب حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندیٔ عہد اور مکہ کے مظلوم مسلمانوں کی استقامت اور صبر و تحمل کی مدح و تحسین کرتے لیکن مخالفین اسلام کی نظر میں تو اسلام کا ہر ہنر عیب میں داخل ہے اس لیے میور صاحب حضور رسرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے اب بھی راضی نہیں بلکہ ان کی یہ خواہش معلوم ہوتی ہے کہ آپ قریش کی سفاکیوں میں ان کی ہمنوائی اختیار کرتے اور مظلوموں کی ایذارسانی میں خود بھی ظالموں کو امداد پہنچاتے۔

باب ہفتم

بعض اکابر قریش اعدائے دین کا قبولِ اسلام

مکہ معظمہ کے جو جو اکابر و زعمائے قریش حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے وہ دو حال سے خالی نہ تھے۔ یا تو انجام کار سعادتِ ایمانی سے بہرہ اندوز ہوئے یا دینِ حق کی مخالفت میں تباہ و برباد ہو گئے۔ لیکن ہلاک ہونے والے اعدائے دین میں بھی کوئی ایسا نہ تھا جس کی اولاد اس کی ہلاکت کے بعد ایمان کی دولتِ جاوید سے شرف اندوز نہ ہوئی ہو۔ ذیل میں چند اُن قریشی اکابر کے اسلام لانے کے واقعات درج کیے جاتے ہیں جنہیں سالہا سال تک معاندانہ سرگرمیوں میں منہمک رہنے کے باوجود معاہدۂ حدیبیہ کے بعد توبہ و انابت کی توفیق ارزانی ہوئی اور رحمتِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے تمام جرائم پر عفو کا خط کھینچ دیا۔

فصل ۱۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کی سعادت اندوزئ ایمان

خدائے برتر نے اپنے کلام پاک میں صلح حُدیبیہ کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ یہ نہ صرف مکہ کے زیر نگیں ہونے کی تمہید تھی بلکہ اس لحاظ سے کہ دینِ فطرت کو اپنی اشاعت کے لیے جس امن و سکون کی ضرورت تھی وہ اس صلح کی برکت سے میسر آگیا اور لوگوں کے دل اسلام کی طرف

مائل ہونے لگے۔ قریش اور صحابۂ کرام میں اب تک جو آویزشیں ہوئیں ان میں خالد بن ولید نے کفر کی تائید میں بڑے کارنامے انجام دیے تھے۔ غزوۂ اُحد میں قریش کی ہزیمت خالد ہی کے حسن تدبیر سے مبدّل بہ فتح ہوگئی تھی۔ حُدَیبیہ کے موقع پر قریش کے طلایہ کی افسری بھی انہی کے سپرد تھی لیکن اب وقت آگیا تھا کہ قریش کا یہ سپہ سالار اعظم پیغام جنگ اور رزم پیکار کے بجائے اسلام کے حضورؐ میں اپنی نذرِ عقیدت پیش کرے۔

خالدؓ کی عاقبت اندیشی اور غور و تعمّق

ہجرت کے چھٹے یا ساتویں سال حضرت خالد بن ولیدؓ بن مغیرۂ قُرَشی مخزومی اور حضرت عمرو بن عاص بن وائل قُرَشی سہمی اور کعبۂ معلّی کے کلید بردار حضرت عثمان بن طلحہ (رضی اللہ عنہم) مشرف باسلام ہوئے۔ خالدؓ کا بیان ہے کہ جب ہمارے اور مسلمانوں کے مابین حُدَیبیہ کا معاہدہ ہوا تو اس کے بعد میں دل میں سوچا کرتا تھا کہ اب اپنی قسمت کس سے وابستہ کرنی چاہیئے۔ قریش میں تو غزوۂ خندق کے بعد کوئی قوت اور شوکت باقی نہ رہی تھی اور مسلمانوں سے ہماری مخالفت تھی۔ کبھی دل میں خیال آتا کہ حبشہ چلا جاؤں لیکن اس میں مشکل یہ تھی کہ شاہِ حبشہ مسلمان ہو چکے تھے۔ غرض طرح طرح کی اُدھیڑ بُن میں مصروف رہتا تھا۔ اس اثناء میں سرورِ ہر دو سرا علیہ الصلوٰۃ والسلام معاہدۂ حدیبیہ کی ایک شرط کے مطابق عمرہ کے لیے مکہ معظمہ تشریف لائے۔ جب آپ کے آنے کی خبر سنی تو میں شہر سے باہر چلا گیا تاکہ آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ کا سامنا نہ ہو۔

ولیدؓ کا خط خالدؓ کے نام

حضرت خالدؓ کا بیان ہے کہ میرا بھائی ولید بن ولید جو چند سال سے مسلمان ہو چکا تھا آنحضرتؐ کے ساتھ مکہ آیا تھا۔ وہ اپنے سہ روزہ قیام میں مجھے برابر تلاش کرتا رہا لیکن نہ پا سکا۔ آخر میرے نام ایک خط لکھ کر چھوڑ گیا جس میں لکھا تھا ”برادرِ من! باوجودیکہ تمہارے جرموں کی فہرست بڑی طویل ہے تاہم حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سراپا رحم و شفقت ہیں تمہیں معاف کر دیا ہے اور فرمایا ہے کہ خالد زیرک و دانا آدمی ہیں اور ان لوگوں میں نہیں ہیں جن پر اسلام کی صداقت اب تک مخفی رہی

ہو اور ارشاد فرمایا ہے کہ اگر خالدؓ اسلام لے آئیں اور اپنی شجاعت و سپہ گری کو دینِ متینِ اسلام کی تقویت میں صرف کریں تو ان کے حق میں بہت بہتر ہو گا۔ اس کے بعد خط میں لکھا تھا " بھائی! بہت جلد حاضرِ خدمت ہو کر اس دولتِ جاوید کو حاصل کرو۔ افسوس! تم دنیا کی سب سے بڑی سعادت سے محروم ہو۔"

صفوان اور عکرمہ کو قبولِ حق کی دعوت

حضرت خالدؓ کا بیان ہے کہ ان الفاظ میں صداقت کی جو روح تھی وہ اپنا کام کر گئی۔ اس خط نے میرے کشتِ دل میں محبتِ اسلام کی آبیاری کر دی چنانچہ مدینہ منورہ جانے کا عزم مصمم ہو گیا۔ اب میں اپنے دوست صفوان بن اُمیّہ کے پاس گیا اور کہا " اے ابا ذہب! کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم قریش اس وقت بالکل سرنگوں اور چاہِ ذلّت و پستی میں پڑے ہیں۔ اور دبدبۂ دولتِ محمدیؐ دنیا پر چھا رہا ہے۔ اس لیے میرے خیال میں اب ہماری سعادت اسی میں ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چل کر اپنے قصور معاف کرائیں اور ان کے دامن جلال سے اپنی قسمت وابستہ کر دیں کیونکہ ان کے عزّ و شرف میں ہمارا شرف ہے۔

صفوان بن اُمیّہ نے میرے خیال کی تائید نہ کی اور کہنے لگے " میں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت اُسی حالت میں کر سکوں گا جب میرے سوا قریش میں کوئی متنفس زندہ نہ رہے گا۔" اس کے بعد میں نے ابو جہل کے بیٹے عکرمہؓ سے ملاقات کر کے طریقِ حق اختیار کرنے کی دعوت دی۔ صفوان کی طرح انہوں نے بھی انکار کیا۔

جب ان دونوں کی موافقت سے ناامید ہوا تو کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ کے پاس گیا اور قبولِ حق کی تحریک کی۔ انہوں نے البتہ میری دعوت پر لبیک کہا، چنانچہ ہم دونوں مدینہ طیّبہ کو روانہ ہو گئے۔ جب موضع ہدّہ میں پہنچے تو عمرو بن عاصؓ سے ملاقات ہو گئی۔ وہ بھی مسلمان ہونے کے قصد سے مدینہ منورہ جا رہے تھے۔ ہم تینوں دیارِ حبیب میں پہنچے۔ جب ہماری آمد کی خبر مہاجروں کو ہوئی تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ مکّہ نے اپنے جگر گوشے ہماری طرف بھیجے ہیں۔"

خالدؓ کا شرف ایمانی

حضرت خالدؓ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ منورہ پہنچ کر غسل کیا۔ اُجلا لباس پہنا اور جمالِ محمدیؐ کے شرفِ ادراک کے لیے حریمِ نبوّت کا قصد کیا۔

راستے میں دیکھا کہ میرے بھائی ولید بن ولید میری ملاقات کو آرہے ہیں۔ ولید کہنے لگے بھائی! جلد چلو۔ تمہارے آنے کی خبر بارگاہِ معلّٰی میں پہنچ چکی ہے اور حضور تمہارے منتظر ہیں۔ جب میں مجلس ہمایوں میں حاضر ہوا اور آپ کی چشمِ مبارک مجھ پر پڑی تو آپ نے تبسم فرمایا۔ میں نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ! آپ نے بڑی خندہ پیشانی سے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کلمۂ شہادت پڑھا تو آپ نے فرمایا "خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کا راستہ دکھایا"۔ اس کے بعد فرمایا "خالد! مجھے تمہاری عقل و دانش سے بڑی امید تھی کہ حق تعالیٰ تمہیں طریقِ خیر کی ہدایت کریگا۔

اسلام تمام گذشتہ معاصی کا کفّارہ ہے

خالدؓ نے گزارش کی یا رسول اللہ! میں ہمیشہ حق کی مخالفت میں سرگرم رہا۔ حالتِ کفر میں آپ کی بے ادبیاں کیں اور عناد کا شیوہ اختیار کیے رکھا۔ آپ معاف فرما دیجیے اور دعا فرمائیے کہ حق تعالیٰ میرے گناہ بخشنے اور معاصیٔ سابقہ پر خطِ عفو کھینچ دے"۔ فرمایا مطمئن رہو، اسلام تمام ذنوبِ سابقہ کو معدوم کردیتا ہے"۔ اس کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ اور جناب عثمان بن طلحہؓ شرفِ ایمان سے بہرہ اندوز ہوئے (مسند امام احمد، سیرۃ ابن ہشام، اُسد الغابہ، مدارج النبوۃ)۔

اہلِ شرک کے لیے خطرہ

مشرف باسلام ہونے کے بعد حضرت عمرو بن عاص مکہ لوٹ آئے اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے مدینہ ہی میں مستقل اقامت اختیار کر لی حضرت عمرو بن عاص بھی کچھ ہی دنوں کے بعد ہجرت کرکے مدینہ پہنچ گئے۔ عکرمہ بن ابوجہل فتح مکہ کے ایام میں ایمان لائے تھے اور صفوان بن اُمیہ جن کا یہ مقولہ تھا کہ جب تک قریش کا ایک (غیر مسلم) متنفس بھی زندہ ہے میں محمدؐ کی متابعت نہیں کروں گا جنگ حُنین سے چند روز بعد مشرف بایمان ہوئے۔
یہ بھی یاد رہے کہ حضرت خالدؓ کا باپ ولید بن مغیرہ بدترین دشمنانِ دین میں سے تھا۔ بے سعادت باپ کی اولاد سعادت مند نکلی۔ سچ فرمایا ہے ربّ ذوالجلال نے يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ

اَلْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ (زندہ کو مُردے سے اور مُردے کو زندہ سے نکالتا ہے) حضرت خالدؓ جب تک ایمان نہیں لائے تھے مسلمانوں کے لیے سخت خطرناک تھے لیکن اسلام کے بعد وہ قریش اور دوسرے اربابِ شرک کے لیے سخت ترین خطرہ بن گئے۔ چنانچہ تاریخ بیں حضرات سے مخفی نہیں ہے کہ ان کی بے پناہ تیغ دو دم کس طرح اربابِ شرک کی قوت وجمعیت کا شیرازہ بکھیرتی رہی ہے۔

فصل ۲۔ حضرت عمروؓ بن عاص اسلام کے آغوش عاطفت میں

حضرت عمرو بن عاص قرشی رضؓ اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کے شدید ترین دشمن تھے اور غزوۂ خندق جس میں سارا عرب مسلمانوں کے خلاف اُمنڈ آیا تھا اس میں اہلِ مکہ کی طرف سے مسلمانوں سے لڑ کر (معاذ اللہ) اسلام کی بیخ کنی میں پورا زور صرف کر چکے تھے لیکن غزوۂ خندق کی ناکامی کے بعد وہ اسلام سے متاثر ہونے لگے تھے۔

اسلامی تعلیمات اور دنیا کے انجام پر غور و فکر!

ان کی عادت تھی کہ تعلیماتِ اسلام اور دنیا اور اس کے انجام پر اکثر غور کیا کرتے تھے۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ میں پیغمبر علیہ السلام کے اوضاع و اطوار، آپ کی تعلیمات اور اسلامی اُصُول وعقاید پر غور و فکر کیا کرتا تھا۔ آخر اس غور و خوض سے اسلام کی حقانیت کا آفتاب میرے کلبۂ دل پر ضو، افگن ہوا۔ پہلے تو میں داعیٔ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں سب سے پیش پیش رہتا تھا لیکن اب میری سرگرمیوں میں فرق و انحطاط آنا شروع ہوا۔ قریش نے میری سرگرمیوں کو روبزوال دیکھا تو اس کی وجہ دریافت کرنے کے لیے ایک شخص کو میرے پاس بھیجا۔

وقوعِ قیامت پر معقول استدلال

حضرت عمرو رضؓ کا بیان ہے کہ جب قریش کے قاصد نے آکر مجھ سے میری خلافِ اسلام سرگرمیوں کے اختتام کی علت دریافت کی تو میں نے جواب دیا کہ میرے خیال میں داعیٔ اسلام حق پر ہیں اور اسلامی اُصُول صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ اس شخص نے میرے ساتھ بحث کرنی شروع کر دی۔ میں نے کہا اچھا بتاؤ ہم بُت پرست

قریش حق پر ہیں یا اہلِ رُوم و فارس؟ اس نے کہا ہم حق پر ہیں"۔ میں نے کہا اچھا بتاؤ ہمیں عروج و اقبال اور عیش وتنعم زیادہ حاصل ہے یا ان لوگوں کو؟ اس نے کہا ان کو۔ میں بولا اگر اس عالم کے بعد دُوسری دنیا نہیں تو ہمارا حق پر ہونا ہمیں کیا نفع دے گا؟ اور ایسی حالت میں کہ ہم دنیا کے اندر بھی باطل پرستوں کے مقابلہ میں پست اور تنگ حال رہے اور کسی دوسرے عالم میں بھی کسی اجر اور معاوضہ کی کوئی امید نہیں تو ہماری حق پرستی کس کام آئی؟ پس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ بیان کہ مرنے کے بعد ایک اور عالم ہوگا جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے گی نہایت صحیح اور قرینِ عقل معلوم ہوتا ہے (اصابہ)۔

حبشہ جا کر مستقبل کا انتظار کرنے کی تجویز

غزوۂ خندق میں اعدائے اسلام کی ہزیمت و فرار نے حضرت عمروؓ بن عاص کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا پورا یقین دلایا تھا۔ جب وہ غزوۂ خندق سے ناکام و نامراد مکہ واپس آئے تو انہوں نے اپنے قریشی احباب و رفقاء کو جمع کر کے کہا "مجھے یقین ہے کہ محمدؐ کامیاب اور سربلند ہوں گے۔ اس لیے میری ایک تجویز قبول کرو۔ پوچھنے لگے وہ کیا تجویز ہے؟ بولے مناسب ہے کہ ہم حبشہ جا کر مستقبل کا انتظار کریں۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری قوم پر غالب آگئے تو ہم لوگ حبشہ ہی میں اقامت گزیں رہیں گے کیونکہ تاجدارِ حبشہ کے ماتحت رہنا محمدؐ کی ماتحتی سے کہیں زیادہ خوشگوار ہے۔ اور اگر ہماری قوم محمدؐ پر غالب آگئی تو مکہ واپس چلے آئیں گے"۔ ان کے ساتھیوں نے اس رائے سے اتفاق کیا۔

شاہِ حبشہ کے لیے تحفہ

حضرت عمرو ابن عاص اس پختہ ارادے کے بعد سوچنے لگے کہ بادشاہ کے لیے کوئی تحفہ لے جانا چاہیے۔ مکہ معظمہ کا بہترین تحفہ مدبوغ چمڑا تھا۔ وہ بہت سا چمڑا لے کر اپنے ساتھیوں کی رفاقت میں حبشہ پہنچے اور دربار

ــــــــ

؎ نجاشی شاہ حبشہ سنہ ۶ھ میں پیغمبر علیہ السلام کی دعوتِ اسلام کو لبیک کہتے ہوئے صدقِ دل سے مسلمان ہو چکا تھا لیکن حضرت عمرو بن عاصؓ کو شاید اس کی اطلاع نہیں تھی ۱۲

شاہی میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت عمرو بن اُمیہ ضمریؓ بادشاہ سے ملاقات کر کے باہر نکلے تھے ان کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرینِ حبشہ کی کسی ضرورت کے لیے بادشاہ کے پاس بھیجا تھا۔ عمرو بن عاص نے ارادہ کیا کہ بادشاہ سے عمرو بن اُمیہ ضمریؓ کو مانگیں۔ اگر وہ دے دے تو ہم لوگ ان کی گردن مار دیں تاکہ قریش کو معلوم ہو جائے کہ ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قاصد کو قتل کر کے ان کا انتقام لے لیا ہے۔

قاصد نبویؐ کی حوالگی کے سوال پر بادشاہ کا غضب

ابنِ عاص دربارِ شاہی میں باریاب ہوئے۔ بادشاہ نے خوش آمدید کہتے ہوئے پوچھا اپنے وطن کا کوئی تحفہ لائے ہو؟ ابنِ عاص نے کہا جہاں پناہ! بہترین قسم کا چمڑا لایا ہوں۔ یہ کہہ کر چمڑا پیش کیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ انہوں نے اس کی مسرت و شادمانی سے فائدہ اٹھانا چاہا چنانچہ عرض کیا شاہا! ابھی میں نے ایک شخص کو دربار سے نکل کر جاتے دیکھا ہے۔ یہ ہمارے دشمن کا سفیر ہے۔ ہمارے دشمن نے ہمیں بڑی بڑی تکلیفیں پہنچائی ہیں اس لیے التماس ہے کہ اس شخص کو قتل کے لیے میرے حوالے کر دیا جائے"۔

بادشاہ یہ درخواست سُن کر سخت برہم ہوا اور عالمِ برافروختگی میں گھونسا تان کر اس زور سے اپنی ناک پر مارا کہ وہ سمجھے کہ ناک کا بانسہ ٹوٹ گیا ہوگا۔ ابن عاص بادشاہ کے اس قہر و غضب پر اس درجہ نادم ہوئے کہ اگر زمین شق ہو جاتی تو اس میں سما جاتے۔ وہ چاہِ ندامت میں غرق ہونے کے بعد عرض پیرا ہوئے جہاں پناہ! اگر میں سمجھتا کہ حضور پر یہ درخواست اتنی شاق ہوگی تو میں اس کی جسارت نہ کرتا۔

غلبۂ رسولؐ کی پیشین گوئی

اس کے بعد بادشاہ نے ابن عاص سے کہا کیا تمہاری یہ خواہش ہے کہ میں اُس ذات گرامی کے سفیر کو بغرضِ قتل تمہارے حوالے کر دوں جس کے پاس وہ ناموسِ اکبر آتا ہے جو موسیٰ نبی کے پاس آیا کرتا تھا؟ انہوں نے کہا جہاں پناہ! کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) واقعی خدا کے فرستادہ ہیں؟ وہ بولا عمرو! تمہاری حالت سخت

قابلِ افسوس ہے۔ وہ یقیناً خدا کے برگزیدہ رسول ہیں اور اگر میری بات مانو تو ان کی پیروی اختیار کرو۔ خدا کی قسم وہ حق پر ہیں۔ اور تم عنقریب دیکھ لوگے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام فرعون پر غالب آئے تھے اسی طرح حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے تمام مخالفوں پر غالب آئیں گے۔"

بادشاہ کے ہاتھ پر ابن عاصؓ کی بیعتِ اسلام

یہ سُن کر ابن عاصؓ نے کہا اچھا اگر یہ بات ہے تو پھر آپ ہی مجھ سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اسلام کی بیعت لے لیجیے" چنانچہ بادشاہ نے ہاتھ پھیلایا اور انہوں نے اس کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی۔

یاد رہے کہ اس نومسلم بادشاہ کا نام نیگس تھا جو عربوں میں نجاشی کے نام سے مشہور تھا۔ نجاشی جس کی سعادتِ ایمانی اور حق شناسی کی طرح توصیف خود کلامِ الٰہی کی اس آیت میں مذکور ہے:

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى
الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ
مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ
الْحَقِّ ۚ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا
فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۔
(۵ : ۸۴)

اور جب یہ (عیسائی) وہ کلام سنتے ہیں جو
(ہمارے اس) رسول پر نازل ہوا ہے تو تم دیکھتے
ہو کہ ان کی آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں کیونکہ
انہوں نے (اس کلام کی) سچائی پہچان لی ہے
(وہ قرآن کو سن کر) دعا مانگنے لگتے ہیں کہ اے
ہمارے پروردگار ہم (اس کلام پر) ایمان لے
آئے۔ پس (ہمیں حق کی) تصدیق کرنے والوں کے ساتھ ہمیں بھی لکھ لے۔

حبشہ سے عازمِ مدینہ

حضرت عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ جب میں دربارِ شاہی سے اُٹھ کر ساتھیوں کے پاس پہنچا تو میرے خیالات کی دنیا ہی بدل چکی تھی۔ لیکن میں نے اپنا رازِ دل ساتھیوں پر ظاہر نہ کیا اور مدینہ منورہ کی راہ لی۔ راستہ میں خالد بن ولیدؓ

مکہ سے آتے ہوئے ملے۔ میں نے کہا کہو بھائی خالد! کہاں کا قصد ہے؟ خالدؓ نے کہا خدا کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے نبی ہیں۔ آخر ہم کب تک گمراہی میں پڑ کر حق کی مخالفت کرتے رہیں گے؟ میں تو انہی کے پاس بغرض تلافیٔ مافات مدینہ جا رہا ہوں۔ میں نے کہا بھائی! خوش ہو کہ میں نے بھی اسلام ہی کے حلقۂ سعادت میں داخل ہونے کی غرض سے مدینہ کا قصد کیا ہے غرض ہم مدینہ منورہ پہنچ کر مشرف بایمان ہوئے اور حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے تمام قصور معاف کر دیے۔ یہ فتح مکّہ سے پہلے کا واقعہ ہے (مسند احمد)۔

حضرت عمرو بن عاصؓ کا بیان ہے کہ اوائل میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و عداوت رکھنے میں مجھ سے زیادہ کوئی سخت نہ تھا یہاں تک کہ اگر آپ پر قابو پالیتا تو آپ کے قتل سے بڑھ کر مجھے کوئی چیز محبوب نہ تھی۔ لیکن اگر میں اس حالت میں مر جاتا تو یقیناً جہنمی ہوتا۔ اس کے بعد جب ربِّ ذوالمنن نے مجھے سعادتِ ایمان سے بہرہ ور فرمایا تو میں حضرت سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! ہاتھ لائیے' میں بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے اپنا داہنا ہاتھ بڑھایا لیکن میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کو کھینچ لیا۔ آپ نے فرمایا عمرو! کیا بات ہے؟ میں نے کہا میں آپ سے ایک شرط کرنا چاہتا ہوں"۔ فرمایا وہ کیا شرط ہے؟ میں نے گزارش کی شرط یہ ہے کہ میری مغفرت ہو جائے"۔ آپ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام تمام سابقہ گناہوں کو معدوم کر دیتا ہے؟ اور ہجرت بھی پہلے گناہوں کو محو کر دیتی ہے؟

سیّدِ عالم ؐ کے علوِّ شان کی تعریف سے اعترافِ عجز

ابنِ عاصؓ فرماتے ہیں کہ میں دائرۂ اسلام میں داخل ہوا۔ اس وقت روئے زمین پر نہ تو سیّدِ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ مجھے کوئی محبوب تھا اور نہ آپ سے بڑھ کر میری نظر میں کسی کی عزّت و توقیر تھی۔ حضورؐ کی عظمت و جلال نے میری آنکھیں خیرہ کر دیں اور اگر کوئی شخص مجھ سے آپ کے علوِّ شان اور عظمت اور جلالتِ قدر کی تعریف کرنے کو کہے تو میری زبان آپ کے محامد اور اوصاف کے بیان کرنے سے قاصر ہے (مسلم)۔ حضرت عمرو بن عاصؓ کے

چھوٹے بھائی ہشام بن عاص ان سے کئی سال پہلے ایمان لا چکے تھے (حاکم)۔

فصل ۳۱۔ سرچشمۂ ایمان سے حضرت عثمانؓ بن طلحہ کی سیرابی

کعبۂ معلّٰی کے کلید بردار حضرت عثمان بن طلحہ عبدریؓ مشہور دشمنانِ اسلام میں داخل تھے۔ اس عداوت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کا باپ اور چچا جنگِ اُحد میں مسلمانوں کے ہاتھ سے ہلاک ہوئے تھے (اصابہ)

دعوتِ اسلامی کے جواب میں خود داعیٔ اسلامؐ کو ملزم گرداننا

ہجرت سے پہلے ایک مرتبہ داعیٔ حق صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہؓ کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اس دعوت کو ٹھکرا دیا اور بڑی ترش روئی سے جواب دیا کہ محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے تمہاری حالت پر سخت حیرت اور افسوس ہے کہ خود تو تم نے اپنے قومی دین کی مخالفت میں ایک نیا مذہب اختراع کر لیا ہے اور پھر مجھ سے امید رکھتے ہو کہ میں تمہاری متابعت اختیار کروں (طبقات ابن سعد)۔

لیکن تقدیر کھڑی ہنس رہی تھی کہ آج جس دین کی متابعت باعثِ ننگ و عار ہے، کل کو اسی کی حلقہ بگوشی تمہارے لیے باعثِ صد ناز و افتخار ہوگی؟ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جناب عثمانؓ نے ۸ھ میں معاہدۂ حدیبیہ کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ کی رفاقت میں مدینۃ الرسول کو ہجرت کی اور سرورِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعتِ اسلام کر کے سعادتِ ابدی سے بہرہ اندوز ہوئے۔ فتح مکہ میں آپ کے ہمراہ تھے۔ صحیحین میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن جب ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کعبۂ معلّٰی میں داخل ہوئے تو عثمان بن طلحہ اور بلال اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ تھے (اصابہ)۔

مفخرِ موجودات کو داخلۂ کعبۃ اللہ سے روکنا

مشرف باایمان ہونے سے پہلے جناب ابن طلحہؓ کے دل میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بغض و

عناد غایتِ قصوٰی کو پہنچا ہوا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایامِ جاہلیت میں دوشنبہ اور جمعرات دو دن کعبۂ معلّیٰ کا دروازہ کھولا جاتا تھا اور لوگ اندر داخل ہونے کا شرف حاصل کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لوگوں کے ساتھ اندر جانے کا قصد فرمایا لیکن عثمان بن طلحہؓ نے آپ کو سختی سے روک دیا۔ آپ نے بہت سمجھایا کہ اس بندش کی کوئی معقول وجہ نہیں لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور آپ کو کسی طرح داخلہ کی اجازت نہ دی۔

کلیدِ کعبہ کا مالک و مختار ہونے کی پیشین گوئی

آپ نے اس امتیازی سلوک پر صبر کا گھونٹ پی کر فرمایا عثمان! آج تم مجھے بیت اللہ میں قدم رکھنے سے روکتے ہو لیکن ایک دن ایسا بھی آئے گا جب اس کی کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا دوں گا اور جس سے چاہوں گا روک لوں گا۔" عثمانؓ نے سخت برافروختگی اور نفرت کے ساتھ تیور بدل کر جواب دیا کیا قریش اس وقت ایسے ہی ذلیل اور درماندہ ہو جائیں گے کہ نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی؟ خدا کے برگزیدہ رسولؐ نے نہایت نرمی اور متانت سے جواب دیا کہ نہیں۔ اس وقت قریش کو عزت نصیب ہوگی (ابن سعد)۔ چنانچہ فتحِ مکہ معظمہ کے دن یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی طرف سے کلید بخشی کی درخواست

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مکہ معظمہ پر تسلط ہو جانے کے بعد ایک دن حضور سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبۂ معلّیٰ میں داخل ہونے کا قصد فرمایا اور عثمان بن طلحہؓ کو دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔ وہ کنجی لانے کو گھر گئے اور ماں سے کنجی مانگی۔ غیر مسلمہ ماں نے یہ معلوم کر کے کہ بیٹا کنجی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے طلب کرتا ہے دینے سے انکار کیا۔ حضرت عثمانؓ نے ماں کو بہتیرا سمجھایا اور منت سماجت کی لیکن بے وقوف بڑھیا کسی طرح کنجی دینے پر راضی نہ ہوئی۔ آخر تنگ آ کر کہنے لگے ماں! بہتر ہے کہ چابی دے دو ورنہ خدا کی قسم! یہ تلوار تمہاری پیٹھ میں اتار دوں گا۔ ماں نے خوف زدہ ہو کر کنجی دے دی۔ غرض وہ کنجی لائے اور سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں

دے دی اور آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے۔

جب آپ باہر تشریف لائے تو آپ کے عمّ محترم حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! حاجیوں کا سقایہ مجھ سے متعلق ہے۔ بیت اللہ کی کنجی بھی مجھے عنایت ہو۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے بھی کلید بردار بنائے جانے کی درخواست کی۔ یہ دیکھ کر عثمان بن طلحہؓ کو یقین ہوگیا کہ اب کنجی واپس نہ ملے گی۔ لیکن آپ نے اپنے چچا اور عم زاد کی درخواستوں کی طرف کوئی التفات نہ فرمایا اور کنجی عثمان بن طلحہؓ کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ لو یہ ہمیشہ کے لیے لو۔ ظالم کے سوا تم سے کوئی نہ لے گا۔" اس ارشاد کے بموجب خانۂ کعبہ کی کنجی حضرت عثمان بن طلحہؓ کے خاندان میں چلی آتی ہے (طبقات ابن سعد واستیعاب)۔

عثمان بن طلحہؓ اس وقت تک مدینہ طیبہ میں رہے جب تک سرورِ کون ومکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحلت گزینِ عالمِ جاوداں نہ ہوئے۔ آپ کے وصال کے بعد وہ فرائض کلید برداری کی وجہ سے پھر مکہ معظمہ چلے آئے اور یہیں ۴۲ھ میں وفات پائی (استیعاب)۔

فصل ۴۔ ابوسفیان بن حارث سے درگذر

حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا حارث بن عبد المطلب کے بیٹے ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں داخل تھے جو توحید کی تبلیغ اور بت پرستی کی مذمت کے باعث داعیٔ حق صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہو گئے تھے۔ ابوسفیان بن حارث ان لوگوں میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے جنھوں نے مکہ معظمہ میں اہل ایمان پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا حالانکہ ذات نبوی کے ساتھ ان کو متعدد نسبتیں حاصل تھیں۔ وہ نسبی اور رضاعی دونوں حیثیتوں سے آنحضرت کے بھائی تھے۔ انہوں نے بھی آپ کی طرح حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ آپ کے ہمسن تھے اور ظہورِ اسلام سے پہلے دونوں میں بڑی محبت رہ چکی تھی (ابن سعد)۔

مخالفتِ رسولؐ کو مقصدِ حیات بنانا لیکن ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد

ابوسفیان بن حارث نے تمام رشتے ناتے توڑ دیے اور اپنے کشت زارِ دل میں عناد و فساد کی تخم ریزی شروع کر دی۔ انہوں نے بھی ابولہب اور عبداللہ بن ابوامیہ کی طرح خویش ہونے کے باوجود داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کو اپنا مقصدِ حیات بنا لیا تھا۔ چنانچہ فتح مکہ سے پہلے اسلام اور کفر میں جہاں کہیں آویزش ہوتی ابوسفیان بن حارث اس میں پیش پیش تھے (مستدرکِ حاکم)۔

شاعری اور سخنوری کا مطمحِ نظر

ابوسفیان بن حارث شاعر بھی تھے لیکن ان کی ساری سخنوری اور قادر الکلامی آنحضرت کی ہجو تک محدود تھی۔ آپ کی توہین میں نظمیں کہہ کر گلی کوچوں میں سناتے اور دشمنانِ دین کو خوش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ہجرت کے بعد انہوں نے آپ کی ہجو میں ایک نظم لکھی جو غیر اسلامی حلقوں میں بہت مقبول ہوئی۔ یہ نظم مدینہ منورہ بھی پہنچی اور وہاں کے یہودیوں اور منافقوں میں اس کا بہت چرچا ہوا۔ شدہ شدہ طوطیٔ اسلام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس کا جواب لکھا۔ اس جواب کے آخری دو شعر یہ ہیں:

الا ابلغ ابا سفیان عنی	ابوسفیان کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دو
مغلغلۃ فقد برح الخفاء	کہ پردہ اٹھ گیا ہے۔
ھجوت محمدا فاجبت عنہ	تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہجو کی، میں نے اس کا جواب دیا۔
و عند اللہ فی ذاک الجزاء	اور اس جواب میں مجھے عنداللہ اجر ملے گا (اسدالغابہ)

حضرت حسان رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوسفیان بن حارث کی ہجو کرنے کی اجازت مانگا کرتے لیکن آپ ہر دفعہ انکار فرما دیتے تھے (مستدرکِ حاکم)۔

بیوی کی ملامت اور پند موعظت

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کل تیئیس سال تک منصبِ نبوت پر فائز رہے۔ ابوسفیان ان میں سے بیس برس تک اپنی معاندانہ سرگرمیوں میں مصروف رہے تھے۔ جن ایام میں آپ تسخیرِ مکہ کے قصد سے ارضِ حرم کی طرف سے ترکتاز کرنے والے تھے اور مکہ پر لشکرِ اسلام کی یلغار کا خطرہ محسوس کیا جا رہا تھا ایک دن

ابوسفیان بن حارث اپنی رفیقۂ حیات سے کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک لشکر جرار کے ساتھ مکہ پر پیش قدمی کرنے والے ہیں اس لیے مناسب ہے کہ ہم کسی طرف بھاگ جائیں ورنہ ذلت سے مارے جائیں گے۔ سعادت مند خاتون نے جواب دیا کہ عرب اور عجم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جھنڈے تلے جمع ہو رہے ہیں لیکن تم نے بھائی ہونے کے باوجود ان کا ساتھ نہ دیا بلکہ اپنی ساری عمر انہی کی مخالفت اور ایذا رسانی میں گزار دی۔

عفوِ تقصیرات کا عزم اور حضورِ خیر الانامؐ سے مواجہہ

بیوی کی یہ نصیحت اعماق دل میں اتر گئی۔ گزشتہ زندگی کی عداوتِ اسلام پر سخت نادم و متاسف ہوئے اور معاً سرورِ دوجہان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عفوِ تقصیرات کی درخواست کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اس وقت اسلام کا مقدمۃ الجیش مقام ابواء پر پہنچ چکا تھا۔ چونکہ ابن حارث اشتہاری مجرموں میں سے تھے انھیں ہر لمحہ جان کا خطرہ لگا ہوا تھا۔ ڈرتے ڈرتے چوری چھپے اپنے تئیں کسی طرح معسکرِ اسلامی تک پہنچایا۔ جب یہ لشکرِ اسلام میں پہنچے ہیں تو اتفاق سے خود مخدومِ انام صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مواجہہ ہو گیا۔

سیّدِ عالمؐ کی روگردانی

آنجنابؐ کے قلبِ مبارک پر ابن حارث کی طرف سے جو سیکڑوں زخم تھے وہ سامنا ہوتے ہی تراوش کرنے لگے۔ آپ نے معاً چہرۂ مبارک پھیر لیا۔ ابوسفیان اُس رُخ پہ ہو لیے تو آپ نے چہرۂ انور دوسری طرف موڑ لیا۔ آپ کی بیزاری اور ناگواری کے اس منظر کو دیکھ کر عاشقانِ رسول ابوسفیان رضؓ کی طرف لپکے اور ابوسفیان کو یقین ہوا کہ اب کام تمام ہوا۔ لیکن انہوں نے رسولؐ اللہ کی قرابت کا واسطہ دے کر صحابہؓ سے جان بچائی۔

حضرت اُمِّ سلمہ رضؓ کو شفیع بنانے کا خیال

اب ابوسفیان رضؓ کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اپنی پھوپھی کی بیٹی اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہ رضؓ کو جو اس سفر میں آنحضرت کے ساتھ تھیں شفیع بنائیں۔ چنانچہ ان کے پاس جا کر سفارش

کرنے کے لیے منت سماجت کرنے لگے۔ اُم المومنین نے اس کی حامی بھری اور کسی موزوں وقت میں بارگاہِ نبوت میں گزارش کی یا رسول اللہ! یہ صحیح ہے کہ ابوسفیان کی ساری زندگی آپ کی مخالفت و ایذا رسانی میں گزری ہے۔ مگر پھر بھی وہ آپ کے بھائی ہیں۔ ان کو مایوس نہ کیجیے۔ فرمایا انہوں نے گذشتہ بیس برس کی مدت میں میری توہین اور آبرو ریزی کا کون سا موقع ہاتھ سے جانے دیا۔ یہ سن کر اُمّ المومنین خاموش ہوگئیں۔ لیکن جب دوبارہ عرض معروض کی تو آپ کا دل بھر آیا اور معاً رنج و نفرت کے جذبات مہر و محبت سے بدل گئے اور انہیں حاضری کی اجازت دی۔

سرچشمۂ ایمان سے سیرابی

ابوسفیانؓ نے حاضرِ خدمت ہو کر کلمۂ توحید پڑھا اور مشرف باسلام ہوئے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ایک ہجو کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ابوسفیان! تم نے مجھے کہ سے کب نکالا تھا؟ ابوسفیانؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ اب زیادہ ملامت کر کے مجھے شرمسار نہ کیجیے۔ فرمایا اب کوئی ملامت نہیں۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو حکم دیا کہ اپنے بھائی کو لے جا کر وضو کرنے اور نماز پڑھنے کا طریقہ سکھاؤ اور لشکر میں اعلان کرا دیا کہ ابوسفیان بن حارث سے خدا اور اس کا رسول راضی ہوگئے۔ سب مسلمان بھی راضی ہو جائیں (ابن سعد)۔

جان پر کھیل جانے کا قصد

دوسری روایت میں ہے کہ اس وقت ابوسفیان کے ساتھ ان کا بیٹا بھی تھا۔ جب انھیں علم ہوا کہ رسول اللہ ان سے راضی نہیں ہوئے تو انہوں نے قسم کھائی کہ اگر رسول اللہ حاضری کا اذن نہیں دیں گے تو میں بیٹے کو لے کر کسی طرف نکل جاؤں گا اور وہیں بھوکا پیاسا اپنے آپ کو ہلاک کر دوں گا۔ جب ان کا یہ مقولہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک تک پہنچا تو آپ کا رنج و ملال عفو و رحم سے بدل گیا (رواہ حاکم فی المستدرک)۔

ان شاء اللہ العزیز آیندہ صفحات پر ناظرین کرام کو معلوم ہوگا کہ حضرت ابوسفیان بن حارثؓ نے غزوۂ حنین میں اپنی استقامت و شجاعت کا بہترین ثبوت دیا۔ اخیر دم تک مرکب نبوی کی رکاب

تھام کر اعداء کے سامنے سینہ سپر رہے اور شفیقِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جاں نثاری پر اسد اللہ اور اسد الرسول کا معزز خطاب عطا فرمایا تھا۔

فصل ۵۔ عبد اللہ بن ابو امیہ کو معافی

ابو جہل کا مثنیٰ

عبد اللہ بن ابو امیہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت عاتکہ بنت عبد المطلب کے فرزند اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے۔ انبیاء و رسل کے لیے رسالت کی تبلیغ کچھ ایسی کٹھن گھاٹی تھی کہ یہاں سے گزرتے وقت اعزاء و اقارب بھی دشمن جان ہو جاتے تھے۔ جب آغازِ بعثت میں حاملِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا تو آپ کے پھوپھا ابو امیہ اور اس کے بیٹے عبد اللہ نے بڑی مخالفت کی۔ بالخصوص عبد اللہ تو ستیدہ وجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں ابو جہل کا مثنیٰ تھا۔

ابو طالب کو قبولِ اسلام سے باز رکھنا

جب امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے والد ابو طالب کی زندگی کے آخری لمحوں میں سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کو کلمۂ شہادت پڑھنے کی ترغیب دی تو عبد اللہ بن ابو امیہ اور ابو جہل نے یہ کہہ کر ان کو قبولِ اسلام سے باز رکھا تھا کہ کیا آخری وقت میں عبد المطلب کی ملت سے پھر جاؤ گے؟ چنانچہ انہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا (بخاری)۔ تفصیل کے لیے راقم السطور کی کتاب "سیرت کبریٰ" کی فصل ۱۸۳ ملاحظہ ہو۔

چشمہ جاری کرنے اور محل برآمد کرنے کا مطالبہ

عبد اللہ بن ابی امیہ کی عداوتِ اسلام اور قساوتِ قلبی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت بشیر و نذیر صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتے تھے کہ جب تک تم ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کر دو یا تمہارے لیے بطور معجزہ ذہب کا کوئی زرنگار محل تیار نہ ہو جائے اس وقت تک ہم تمہیں خدا کا فرستادہ ماننے کو تیار نہیں ہوں گے چنانچہ آیت قرآنی:

لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا — ہم اس وقت تک تم پر ایمان نہیں لائیں گے
مِنَ الْاَرْضِ یَنْبُوْعًا ه — جب تک ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ جاری نہ کر دو

عبداللہ ہی کے بارہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

جب لوگوں کو قبول اسلام سے باز رکھنے کے لیے قریش کی تمام ترغیبیں اور ایذا رسانیاں ناکام رہیں تو انہوں نے اپنے تمام قبائل کے سربرآوردہ افراد کو جمع کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کن گفتگو کرنے کا قصد کیا۔ چنانچہ مکہ کے تمام بڑے بڑے رؤساء عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ عبداللہ بن ابی امیہ، ابوسفیان بن حرب، عمرو بن ہشام (معروف بہ ابوجہل) نضر بن حارث، ابوالبختری بن ہشام، اسود بن مطلب، زمعہ بن اسود، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، منبہ بن حجاج، نبیہ بن حجاج، اُمیّہ بن خلف وغیرہم کعبۂ معلّٰی کے پاس جمع ہوئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بلا کر ایسے ناممکن الوقوع مطالبات پیش کیے جائیں کہ عاجز و پریشان ہو کر لاجواب ہو جائیں۔

سیدالمرسلینؐ صنادیدِ قریش کی مجلس میں

اس قرار داد کے بعد انہوں نے آپ کو بلا بھیجا۔ چونکہ آپ ان لوگوں کے قبولِ حق کے سخت متمنی تھے، آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید قبولِ حق کا قصد ہے۔ چنانچہ آپ اس مجلس میں تشریف لے گئے۔ یہ لوگ کہنے لگے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم کو گفتگو کے لیے بلایا ہے۔ تم سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ ہمارے شہر مکہ میں ہر قسم کی تنگی ہے۔ پانی کی قلت اور بسر اوقات کی مشکلات ہیں کھیتی یہاں نہیں ہوتی۔ ذرائع معاش بالکل مفقود ہیں۔ سو تم اپنے خدا سے جس نے تمہیں پیغمبر بنایا ہے دعا کرو کہ وہ مکہ کے تمام پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دے اور یہ پہاڑی خطہ وسیع زرعی زمین بن جائے ملک شام اور عراق کی طرح یہاں بھی دریا اور نہریں جاری ہو جائیں۔

اور اگر یہ نہ ہو تو اپنے خدا سے کہہ کر ہمیں پُرفضا اور خوش سواد باغات اور سونے چاندی کے محل بنوا دو۔ اور اگر ہمارے لیے کچھ نہیں کرنا چاہتے تو پھر اپنے لیے ہی خدا سے کہو کہ وہ تمہیں بڑے بڑے باغات لگا دے۔ اسی طرح ایک خزانہ ہو جس میں سونے چاندی کی افراط ہو اور اگر

یہ نہ ہو تو ہمارے مرے ہوئے آباؤ اجداد کو زندہ کر دو۔ زندہ ہونے والوں میں عبدمناف کے والد قُصَیّ ضرور ہوں کیونکہ وہ بزرگان قریش میں سب سے بڑے سردار تھے۔ ہم ان سے تمہاری نسبت بھی دریافت کر لیں گے۔

اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اپنے خدا سے دعا کرو کہ آسمان سے ایک فرشتہ تمہاری تصدیق کے لیے نازل کرے اور وہ فرشتہ ہر وقت تمہارے ساتھ رہے اور بتایا کرے کہ یہ شخص واقعی خدا کا فرستادہ ہے اور ہم لوگوں کو تمہاری مخالفت سے روک دے۔ اگر یہ بھی مشکل ہو تو پھر جیسا تم خود کہا کرتے ہو کہ میرا رب دم بھر میں جو چاہے کر دے، آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے سروں پر گرا دو"

آپ نے ان ہزلیات کے جواب میں فرمایا کہ میں تو خدا کا بندہ اور رسول ہوں۔ کوئی کام اپنی مرضی اور اختیار سے نہیں کر سکتا۔ اور یہ سب کچھ جو تم نے کہا اس کا پورا کرنا خدائے برتر کے دست قدرت میں ہے۔ چاہے تو ظاہر کر دے اور بمقتضائے حکمت کے خلاف سمجھے تو ظاہر نہ فرمائے"۔ یہ کہہ کر آپ کھڑے ہو گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن ابوامیہ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ابوجہل وغیرہ کی طرح یہ بھی آپ کے شدید ترین دشمن تھے۔

سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جانے کا مطالبہ

عبداللہ کہنے لگے محمدؐ! تمہاری قوم نے تمہارے سامنے اتنی باتیں پیش کیں، تم نے کوئی بات قبول نہ کی۔ پہلے انہوں نے اپنے فائدے کی باتیں کہیں، تم نے وہ پوری نہ کیں۔ پھر انہوں نے تم سے ایسے امور کا مطالبہ کیا جن کا نفع سراسر تمہاری ذات کو تھا تم نے اس کو بھی قبول نہ کیا۔ اگر تم ان فرمائشوں کی تکمیل کر دیتے تو لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ واقعی خدا کے ہاں تمہاری بڑی قدر و منزلت ہے اور ہر کوئی تمہاری پیروی اختیار کرتا۔ پھر انہوں نے یہ خواہش کی کہ جس عذاب الٰہی سے تم ان کو ڈرایا کرتے ہو وہی لے آؤ یہ بھی تم نے نہ کیا۔

اس کے بعد عبداللہ کہنے لگے ان حالات میں خدا کی قسم! میں تو تم پر اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جب تک تم میرے دیکھتے دیکھتے سیڑھی لگا کر آسمان پر نہ چڑھ جاؤ۔ اگر تم چڑھ سکو

تو تمہارا فرض ہوگا کہ وہاں سے چار فرشتے اپنی تصدیق کے لیے لاؤ لیکن واللہ! اگر تم یہ سب کام کر دکھاؤ تو میں اس صورت میں بھی تمہاری تصدیق نہ کرونگا۔" آپ وہاں سے کمال افسردگی کے ساتھ مراجعت فرمائے ہوئے کیونکہ آپ قوم کی ہدایت و بہبودگی کی امید پر تشریف لے گئے تھے مگر یہاں معاملہ برعکس ظاہر ہوا۔ (سیرۃ ابن ہشام)

آستانِ نبویؐ میں حاضری کا قصد

لیکن باوجود اس قساوت کے دینِ فطرت کی کشش نے عبداللہ کو آخرکار اپنی طرف کھینچا اور انہوں نے اس گفتگو کے پندرہ بیس برس بعد خود بخود بلا تحریک آستانِ نبویؐ کی حاضری کے لیے مدینہ منورہ جانے کا قصد کیا۔ اس وقت لشکرِ اسلام تسخیرِ مکہ کے قصد سے بلد الامین کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ جب عبداللہ مدینہ منورہ کو جا رہے تھے تو مکہ اور مدینہ کے درمیان ثنیۃ العقاب کے مقام پر لشکرِ اسلام کو خیمہ زن دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ عبداللہ کی حقیقی بہن اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ بھی پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ سب سے پہلے ہمشیرہ سے ملے۔ اُم المومنین کو یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ عناد پرور بھائی قبولِ اسلام کے قصد سے آیا ہے۔

محبوبِؐ رب العالمینؐ کا ملنے سے انکار

عبداللہؓ کی فردِ قرار دادِ جرائم بڑی طویل تھی اس لیے انہیں بلا وسیلہ سرکارِ دو عالمؐ کے سامنے جانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ آخر حضرت اُم سلمہؓ کی وساطت سے باریابی کی درخواست کی۔ انسان کے لیے بیگانوں کی ایذا رسانیاں اتنی روح فرسا نہیں ہوتیں جس قدر خویشوں کی معمولی سی سرد مہری بھی باعثِ کلفت ہوتی ہے چہ جائیکہ کسی عزیز نے پندرہ بیس سال کا طویل زمانہ ستیزہ کاریوں اور عداوت کوشیوں میں گزارا ہو۔ جس وقت اُم المومنینؓ نے بارگاہ نبوی میں اپنے بھائی عبداللہ کی آمد کا ذکر کیا تو ان کی عناد پسندیوں کا نقشہ حضورؐ کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا اس لیے ملنے سے انکار کر دیا۔ اُم المومنین عرض پیرا ہوئیں یا رسول اللہ! یہ سب کچھ صحیح ہے لیکن وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا اور آپ کا سسرالی عزیز ہے۔ آپ دریائے کرم ہیں اس کی خطاؤں کو معاف کر دیجیے۔" آپ نے فرمایا عبداللہ نے مکہ میں

میرے لیے کیا کچھ اُٹھا رکھا تھا؛ غیروں نے مجھے اتنی تکلیفیں نہیں دیں جتنی عبداللہ نے پہنچائی ہیں"۔

عبداللہ کی گریہ وزاری

یہ سن کر حضرت اُم سلمہؓ خاموش ہو گئیں اور ارادہ کیا کہ کسی دوسرے موزوں وقت میں پھر عرض معروض کریں گی۔ جب عبداللہ کو آپ کے انکاری جواب کا علم ہوا تو رونے لگے اور کہا کہ اگر میرے لیے عفو و بخشش کا دروازہ بند ہے تو میں جان پہ کھیل جاؤں گا۔" لیکن اس کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بحرِ کرم موج زن ہوا۔ عبداللہ کو باریابی کی اجازت مل گئی۔ آپ نے ان کے تمام قصور معاف فرما دیے اور وہ سعادتِ ایمان سے بہرہ اندوز ہو کر دین و دنیا میں سرفراز ہوئے (ابن ہشام)۔

فرمایشی معجزوں کا ظہور مصلحتِ الٰہی کے خلاف تھا

اربابِ عقل و دانش سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے شدید ترین منکر کا گرویدۂ اسلام ہونا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا بڑا معجزہ تھا جو آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھ جانے کے معجزہ سے بھی زیادہ مہتم بالشان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہادئ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس بات کی بڑی آرزو تھی کہ تمام قریش جلد سے جلد ایمان لے آئیں اور اسی آرزو کا اقتضاء تھا کہ بعض اوقات آپ کے دل میں بھی من جانب اللہ قریش کے مطلوبہ معجزات کے ظہور کی خواہش پیدا ہونے لگتی تھی۔ لیکن علم الٰہی میں ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ وقت معہود سے پہلے کوئی کام عرصۂ شہود میں نہیں آسکتا۔ خدائے لایزال کی ازلی قرارداد یوں مقدر تھی کہ عامۂ قریش فتح مکّہ کے بعد حلقۂ اسلام میں داخل ہوں اور اس اکیس برس کی مدت میں جو آپ کی بعثت اور فتح مکہ کا زمانہ ہے قریش میں سے جو جو اعدائے دین خدائے علیم کے علمِ ازلی میں شقی قرار پا چکے ہیں وہ اہلِ مکہ کے قبولِ اسلام سے پہلے جنگِ بدر میں یا دوسرے حادثوں میں بحالتِ کفر ہلاک ہو جائیں۔ اس لیے ان مطلوبہ معجزوں کا ظہور اس وقت مصلحتِ الٰہی کے خلاف تھا۔

یہی وجہ تھی کہ جب قریش نے آپ سے متذکرۂ صدر معجزات کا ظہور چاہا اور آپ کے دل میں بھی یہی آرزو ہوئی کہ یہ معجزات ظاہر ہوں تاکہ آپ کی قوم راہِ راست پر آجائے اس وقت یہ آیت

نازل ہوئی:

وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ ط وَلَوْ شَآءَ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ٥ (۶: ۳۵)

اگر آپ پر ان (منکروں) کی سرکشی اور روگردانی گراں گزرتی ہے (تو آپ سے جو کچھ ہو سکے ان کی ہدایت یابی کے لیے کر دیکھیے۔ یہ کبھی باز آنے والے نہیں) اور اگر آپ کو از خود یہ قدرت ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈ نکالیں یا آسمان پر جانے کی کوئی سیڑھی لگا سکیں (تو اس پر چڑھ جائیے) اور انہیں کوئی نشان لا دکھائیے (لیکن وہ پھر بھی روگرداں ہی رہیں گے) اگر خدا چاہتا تو ان سب کو راہ ہدایت پر جمع کر دیتا (مگر ایسا مقدر نہیں ہے) پس آپ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیے جو (حقیقت کا) علم نہیں رکھتے۔

خرقِ عادت خالقِ کردگار کا فعل ہے

اصل یہ ہے کہ خرقِ عادت نبی کا فعل نہیں بلکہ خود خالقِ کردگار کا فعل ہے۔ جب خدائے کردگار نے چاہا کہ کسی نشان کا ظہور ہو تو انبیاء علیہم السلام کے دل پر اس کا القا ہوتا تھا اور پھر وہ معجزہ ان کے ہاتھ پر ہوتا تھا۔ آیۂ مذکورہ کا خلاصۂ مفہوم یہ ہے کہ اعجاز نمائی آپ کے اختیار میں نہیں اور نہ ان لوگوں کا قبول اسلام معجزہ کا لازمی نتیجہ ہے۔ یہ لوگ فرمائشی معجزے دیکھنے کے بعد بھی بدستور اہلِ شقاوت میں رہیں گے۔" جیسا کہ کچھ مدت کے بعد انہی لوگوں کی فرمائش پر معجزۂ شق القمر دکھایا گیا۔ پھر بھی یہ اشقیاء سرتابی سے باز نہ آئے۔

فصل ۶- ابان بن سعید رضؓ کا قبولِ اسلام

حضرت ابان رضؓ کا باپ سعید بن عاص بن اُمیّہ اکابرِ قریش میں سے تھا جس کا سلسلۂ نسب چوتھی پشت میں عبد مناف پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

مسلمان بھائیوں سے عناد

جب خالد بن سعید اور ان کے بھائی عمرو بن سعید (رضی اللہ عنہما) دعوتِ حق کے آغاز میں اسلام کے سرچشمۂ ہدایت سے سیراب ہوئے تو ابان ان کے دشمن ہو گئے اور ان کے خلاف ایک نظم لکھی جس میں ان کے مشرف باسلام ہونے پر اظہارِ ملال اور طعن کیا تھا۔ اس نظم کا ایک شعر یہ ہے:

اَلَالَیْتَ مَیْتًا بِالظُّرَیْبَۃِ شَاھِدٌ لِمَا یَفْتَرِی عَمْرٌو وَخَالِدٌ

(کاش ظُریبہ میں موت کی نیند سونے والا (باپ) دیکھتا کہ عمرو اور خالد نے دین میں کیا افترا پردازی کی ہے)

مومن بھائی کا منظوم جواب

حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ نے بھی ان اشعار کا جواب نظم میں دیا جس کا آخری شعر یہ ہے:

وَدَعْ عَنْکَ مَیْتًا قَدْ مَضٰی بِسَبِیْلِہٖ وَاَقْبِلْ عَلَی الْحَقِّ الَّذِیْ ھُوَ اَظْہَرُ

(اب اس مرنے والے کا تذکرہ چھوڑ دو جو اپنا راستہ لے چکا اور اس حق کی طرف آؤ جس کی سچائی بالکل عیاں ہے)۔

سعید بن عاص کے پانچ بیٹے تھے۔ دو مسلم اور تین غیر مسلم۔ ابان، عاص اور عبیدہ جنگ بدر میں شرکت کی حمایت میں مسلمانوں کے خلاف مصاف آرا تھے۔ ان میں سے عاص اور عبیدہ جنگ کی بھینٹ ہو گئے اور ابان بچ رہے۔ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدۂ حُدَیبیہ سے پہلے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو بطور ایلچی مکہ معظمہ روانہ فرمایا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وہاں آ کر ابان بن سعید ہی کے مہمان ہوئے تھے جیسا کہ باب سابق بعرضِ تسوید میں آیا۔ گو ابان ہنوز سعادتِ ایمان سے محروم تھے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عزیزوں میں سے تھے اس سبب سے جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے انہی کے پاس اقامت گزیں ہونا پسند فرمایا۔

راہب کی طرف سے قبولِ اسلام کی تحریک

آخر وہ ساعتِ سعید آ پہنچی جبکہ حق کا دشمن زبانِ تیغ کے بجائے دربارِ رسالت میں اپنا نذرانۂ عجز و عقیدت پیش کرتا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ ابان بغرضِ تجارت شام گئے۔ وہاں بکا نام ایک مشہور راہب سے ملاقات ہوئی۔ دورانِ گفتگو میں اس سے بیان کیا کہ میں مکہ کا باشندہ قبیلۂ قریش میں سے ہوں۔

ہمارے قبیلہ کا ایک شخص فرستادۂ خدا ہونے کا مدعی ہے اور کہتا ہے کہ مجھے بھی خدا نے موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) کی طرح رسول بنا کر بھیجا ہے۔ راہب نے نام پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ بچپن میں احمد نام رکھا گیا تھا لیکن آج کل محمدؐ کے نام سے مشہور ہے۔ راہب نے نام سننے کے بعد صحفِ سماوی کے رو سے نبی آخرالزمان کا سن اور نسب اور دوسری علامتیں بتائیں۔ ابان نے کہا کہ اس میں تو یہ تمام باتیں موجود ہیں"۔

یہ سن کر راہب نے کہا اگر یہ بات ہے تو یاد رکھو کہ وہ شخص بہت جلد تمام عرب پر غلبہ و اقتدار حاصل کرے گا اور اس کا دین تمام دنیا پر چھا جائے گا اور سمجھایا کہ دُنیوی طمطراق کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں اس لیے مناسب ہے کہ فرصت کو غنیمت سمجھو اور مراجعت کے بعد ان پر ایمان لانے میں عجلت سے کام لو اور اس برگزیدہ ہستی تک میرا سلام پہنچاؤ"۔

ابان دیارِ حبیبؐ میں

حضرت ابان رضؓ کو مکہ معظمہ آکر بہت دنوں تک ہم چشموں کی طعنہ زنی کے خوف سے علانیہ قبولِ اسلام کی ہمت نہ ہوئی، مگر انجام کار ان کا جذبۂ حق تمام خدشات پر غالب آیا اور مدینہ منورہ جانے کی ٹھان لی۔ حسنِ اتفاق سے انہی دنوں ان کے بھائیوں عمرو اور خالد رضی اللہ عنہما نے حبشہ سے رجعت فرما ہوتے وقت انہیں مدینہ مطہرہ چلنے کی دعوت دی۔ یہ تو پہلے سے مستعد بیٹھے تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے دیارِ حبیب میں پہنچے اور مشرف بایمان ہو کر سعادتِ دارین سے بہرہ مند ہوئے۔ دنیا کے مربیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ان کے تمام قصور معاف کر دیے بلکہ کچھ دنوں کے بعد انہیں بحرین کے برّی اور بحری دونوں حصّوں کی حکومت بھی عطا فرمائی۔ (استیعاب)۔

باب ہشتم

قریشی اعداء پر احسانات

فصل اوّل - پانی روکنے پر

جب مشرکین قریش بدر کے میدانِ جنگ میں اُترے تو ان کے بہت سے آدمی لڑائی شروع ہونے سے پہلے اس حوض پر پانی پینے چلے آئے جو اسلامی لشکر میں تھا اور مسلمانوں نے اپنی ضروریات کے لیے تیار کیا تھا۔ صحابۂ کرامؓ نے ان لوگوں کو ہٹا دینا چاہا۔ کوئی اور ہوتا تو وہ قطعاً گوارا نہ کرتا کہ دشمنوں کو کسی شکل میں فائدہ اُٹھانے کی اجازت دی جائے لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی پینے سے منع نہ کرو۔ پینے دو۔

پانی پینے والوں میں اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے برادر زادہ حکیم بن حزام بھی تھے۔ قدرت خدا کی کرشمہ سازی ملاحظہ ہو کہ حکیم بن حزامؓ جو آیندہ چل کر اسلام لے آئے' ان کے سوا تمام وہ آدمی جنگ بدر کی بھینٹ چڑھ گئے جنھوں نے حوض سے پانی پیا تھا۔ مشرف بایمان ہونے کے بعد حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب کبھی قسم کھانی ہوتی تھی تو کہا کرتے تھے قسم ہے اس ذاتِ برتر کی جس نے مجھے بدر کی لڑائی میں ہلاکت سے بچایا۔

(سیرت ابن ہشام)

فصل ۲۔ نادار اسیروں کو بلا فدیہ رہائی بخشنا

مدینہ منورہ میں بدر کے اسیرانِ جنگ مختلف صحابہ کے گھروں میں رکھے گئے تھے اور شفیقِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ جو کوئی اپنے قیدی کو بلا فدیہ آزاد کرنا چاہے وہ ہر طرح سے اس کا مجاز ہے۔ چنانچہ ایک قرشی قیدی مطلب بن حرث مخزومی انصار کے قبیلہ بنو خزرج کی حراست میں تھا۔ انہوں نے اس کو فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیا اور وہ مکہ معظمہ پہنچ گیا۔ ایک قیدی صیفی بن ابو رفاعہ مخزومی تھا جب مکہ معظمہ سے کوئی شخص اس کا فدیہ لے کر نہ آیا تو اس نے وعدہ کیا کہ اگر مجھے چھوڑ دو تو میں مکہ پہنچ کر خود اپنا فدیہ بھیج دوں گا۔ چنانچہ صحابہؓ نے اس کو رہا کر دیا لیکن مکہ پہنچ کر اس نے کچھ نہ بھیجا۔

وہب بن عُمیر کی رہائی

عمیر بن وہب جمحی کا بیٹا بھی جس کو وہب بن عُمیر کہتے تھے اسیرانِ بدر میں داخل تھا۔ جب غزوۂ بدر کے بعد عُمیر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی نیت سے مدینہ منورہ آئے اور آپ کی جاں ستانی کے بجائے خود ہزار جان سے آپ کے جاں نثار بن گئے تو آپ نے حکم دیا کہ ان کے بیٹے کو چھوڑ دو۔ چنانچہ وہب بن عُمیر کو بھی رہا کر دیا گیا۔ معاویہ بن مغیرہ اُمَوی (جو خلیفہ عبدالملک بن مروان کا نانا تھا) جنگِ بدر میں قید ہوا تھا۔ شفیقِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ لیے بغیر چھوڑ کر اس پر بھی احسان کیا لیکن یہ احسان فراموش جنگ اُحد میں پھر مسلمانوں کے مقابلے پر آموجود ہوا۔ آخر حضرت زبیر بن عوامؓ کی تلوار نے اس کو زندگی کی رسوائی سے نجات بخشی۔ ان کے علاوہ جو جو قیدی مفلس و نادار تھے اور ان کا فدیہ لے کر کوئی نہ آیا آپ نے ان سب کو آزاد کر دیا۔ وہ ممنونِ احسان ہو کر اور آپ کو دعائیں دیتے ہوئے مکہ واپس گئے (سیرت ابن ہشام)۔

ابوعزہ شاعر کی مخلصی

ان ایام میں مکہ معظمہ کے اندر دو مشہور شاعر تھے۔ ابوعَزّہ عمرو بن عبداللہ جمحی اور مسافع بن عبد مناف بن وہب۔ ابوعَزّہ عمرو بھی

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہوا تھا۔ یہ شخص بڑا مفلوک الحال تھا اور اس کے گھر میں بہت سی جوان بیٹیاں بن بیاہی بیٹھی تھیں۔ قید ہو جانے کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض پیرا ہوا، جناب والا! آپ جانتے ہیں کہ میں بڑا محتاج اور کثیر العیال ہوں مجھے چھوڑ کر مجھ پر احسان فرمائیے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر بھلا کون محسن اور احسان نواز ہو سکتا تھا۔ آپ نے اس کو آزاد کر دیا۔ لیکن یہ اقرار لے لیا کہ آیندہ ہمارے مقابلے میں قریش کی کسی طرح مدد نہیں کروں گا۔ اس نے آپ کی بہت تعریف کی اور دُعائیں دیتا ہوا رخصت ہوا۔ (ابن جریر طبری)۔ ابوعزہ نے آنحضرتؐ کی مدح میں جو اشعار کہے وہ سیرت ابن ہشام (جلد ۲ صفحہ ۳۱۵) میں درج ہیں۔

لیکن اس کے بعد جنگ اُحُد کے موقع پر عبداللہ بن ابی ربیعہ، صفوان بن اُمیّہ، عکرمہ بن ابوجہل اور قریش کے چند دوسرے سربرآوردہ افراد اس کے پاس پہنچے اور کہنے لگے اے ابا عزہ! تم بڑے معجز بیان شاعر ہو۔ اپنی قوت گویائی سے ہماری مدد کرو۔ ہمارے ساتھ چل کر لوگوں کے دل گرما دو۔ عمرو جمحی نے جواب دیا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احسان کے نیچے دبا ہوا ہوں۔ میں محسن کشی نہیں کر سکتا"۔

صفوان بن اُمیّہ نے کہا ابا عزہ! ان باتوں کو جانے دو اور ہمارا کہا مانو۔ پہلے ہمارے ساتھ قبائل میں چل کر محمدؐ کے خلاف جذبۂ نفرت پھیلاؤ۔ پھر لڑائی میں بھی شرکت کرو۔ اگر تم زندہ سلامت لوٹ آئے تو تمہیں اتنا زر و مال دیا جائے گا کہ نہال ہو جاؤ گے ورنہ تمہاری بیٹیوں کی کفالت ہمارے ذمہ ہو گی۔ عمرو سخت تلاش تھا ان کے چکمے میں آ کر مان گیا۔ اب قریش نے مسافع کو بنو مالک کے پاس اور عمرو جمحی کو بنو کنانہ کے پاس روانہ کیا۔ انھوں نے اپنی آتش بیانی سے قبائل میں آگ لگا دی (تاریخ محمد ابن جریر طبری)۔

فصل ۳ مکہ معظمہ میں اناج کا قحط اور رحمتِ عالم کی رحم دلی

ان قبائل میں جو اسلام کے شدید ترین دشمن تھے، قبیلہ بنو حنیفہ عداوت میں پیش پیش تھا۔ مسیلمہ کذاب نے آیندہ چل کر اسی قبیلہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ جن ایام میں عرب کا ایک ایک قبیلہ اطاعت یگانہ پرچم اسلام کے نیچے جمع ہو رہا تھا۔ اگر کسی قبیلہ نے اخیر تک سرتابی کی تو وہ بنو حنیفہ کا قبیلہ تھا۔ ثمامہ بن اُثال حاکم یمامہ اس قبیلہ کے ایک بڑے سردار تھے۔

ثمامہ رض کا گرفتار ہو کر مدینہ آنا

اتفاق سے ثمامہ مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئے۔ گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے اور مسجد کے ستون سے باندھ دیے گئے۔ اس کے بعد حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا ثمامہ! کیا حال ہے؟ بولے "اے محمدؐ! اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایک خونی کی جان لیں گے اور اگر احسان کر کے چھوڑ دیں گے تو ایک احسان شناس پر احسان کریں گے۔ اور اگر زر فدیہ چاہیں تو جس قدر مال و دولت آپ چاہیں حاضر کرنے کو تیار ہوں"۔

ثمامہ رض کی رہائی

یہ سُن کر آپ مراجعت فرما ہوئے۔ دوسرے دن بھی یہی گفتگو ہوئی لیکن ان کے متعلق کوئی فیصلہ کیے بغیر آپ لوٹ آئے۔ تیسرے دن پھر تشریف لے گئے اور مزاج پرسی کی۔ ثمامہؓ نے کہا اگر مجھے چھوڑ دو تو عمر بھر احسان مند رہوں گا اور اگر زرِ فدیہ کی خواہش ہو تو جتنے مال کا مطالبہ کرو، دینے کو تیار ہوں"۔ یہ سن کر آپ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو آزاد کر دو۔

قبولِ اسلام

اس خلاف توقع لطف و کرم پر ثمامہ نہایت متاثر ہوئے۔ آزاد ہوتے ہی ایک باغ میں جو مسجد نبوی کے قریب تھا پہنچے۔ غسل کر کے مسجد میں واپس آئے اور بولے "میں اس امر کا شاہد ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں، اور اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! قبولِ اسلام سے

پہلے روئے زمین پر مجھے آپ سے زیادہ کسی سے نفرت وعداوت نہ تھی لیکن اب آپ سے بڑھ کر دنیا میں مجھے کوئی محبوب نہیں۔ کل تک میں دین اسلام کو مذاہب عالم میں بدترین مذہب سمجھتا تھا لیکن آج میری نظر میں اسلام بلا عالم میں سب سے بہتر دین ہے۔ اسی طرح شہر مدینہ میرے نزدیک دنیا کے تمام بلاد میں سب سے زیادہ نفرت انگیز جگہ تھی لیکن اب یہی میرے لیے سب سے زیادہ پسندیدہ مقام ہے (بخاری و مسلم)۔

آلِ ہاشم سے قریش کا سلوک

قریش مکہ نے خدا کے برگزیدہ رسول اور آپ کے جاں نثاروں پر جو تعدّیاں اور ظلم رانیاں کی تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ مسلسل تین سال تک آپ کے قبیلہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کا اس طرح مقاطعہ کر رکھا تھا کہ اناج کا ایک دانہ تک نہیں پہنچنے دیتے تھے۔ ہاشمی بچے بھوک سے تڑپتے اور بلبلا اُٹھتے تھے لیکن ان ظالموں کے پتھر دل کسی طرح نہ پسیجتے تھے بلکہ گریہ و بکا سن کر رحم کرنے کے بجائے ہنستے اور خوش ہوتے تھے۔

عمرہ کے لیے حضرت ثمامہؓ کا مکہ آنا

لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جفا کاریوں کے جواب میں کفار قریش کے ساتھ جو سلوک کیا وہ آپ ہی کا حصہ تھا شہر مکہ میں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی ہر چیز باہر سے آتی ہے۔ وہاں غلہ یمامہ سے آتا تھا۔ یمامہ کے حاکم حضرت ثُمامہؓ بن اثال نے مشرف باسلام ہونے کے بعد بارگاہِ نبوی میں گذارش کی یا رسول اللہ! مجھے آپ کے سواروں نے اس وقت گرفتار کیا جب میں عُمرہ کی نیت سے عازمِ مکہ تھا۔ اب آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں اب جا کر عمرہ کر لو چنانچہ وہ اس غرض سے وارد مکہ ہوئے۔

حضرت ثمامہؓ کو بے دینی سے مطعون کرنا

جب عمائدِ قریش کو معلوم ہوا کہ ثمامہؓ آئینِ بُت پرستی سے بیزار ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں تو ان کو تبدیلِ مذہب پر عار دلانے اور بے دین کہہ کر پکارنے لگے۔ حضرت ثمامہؓ نے غصّہ سے

کہا کہ بے دین تو تم ہو جو رب العلمین کی جگہ پتھروں کو پوجتے ہو۔ میں نے تو دنیا کا سچا آسمانی دین قبول کیا ہے۔ اس کے بعد کہنے لگے' اے اہل مکہ! کان کھول کر سُن لو کہ آیندہ جب تک محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت نہیں ہوگی' یمامہ کے اناج کا ایک دانہ بھی مکہ میں نہ آنے پائے گا (بخاری ومسلم)۔

مکہ کو اناج کی برآمد پہ پابندی

جب حضرت ثمامہؓ ارضِ حرم سے یمامہ واپس گئے تو انہوں نے مکہ معظمہ کی طرف غلہ کی برآمد یک لخت بند کر دی۔ اس بندش سے بلدالامین میں اناج کا قحط پڑ گیا اور دشمنانِ دین میں کہرام مچ گیا۔ آخر قریش نے سخت اضطراب اور بدحواسی کے عالم میں اسی مرجعِ خلائق آستانہ کی طرف رجوع کیا جہاں سے کبھی کوئی حاجت مند اور سائل محروم نہیں گیا تھا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحم آگیا اور آپؐ نے ثمامہؓ کے نام پیغام بھیجا کہ بندش اُٹھا لو۔ چنانچہ پھر حسبِ معمول اناج کی روانگی شروع کر دی گئی۔ (سیرت النبی بحوالہ سیرت ابن ہشام)۔

ثمامہؓ کے نام آنحضرتؐ کا دعوتی مکتوب

واضح ہو کہ حضرت ثمامہؓ کے مشرف باسلام ہونے سے پہلے ۶؁ھ یا ۷؁ھ میں رسولِ دین صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں اور فرماں رواؤں کے نام جو دعوتی مراسلے بھیجے تھے وہ ثمامہ بن اثال حنفی اور ہوذہ بن علی حنفی کو بھی ارسال فرمائے تھے جو بقول ابن ہشام یمامہ کے ملوک تھے۔ آپ نے ان دونوں کے پاس سلیط بن عمرو بن عبد شمس عامری رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا جو سُہیل بن عمروؓ کے بھائی تھے۔ ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام مطبوعہ مصر جلد چہارم صفحہ ۲۵۴۔ سلیط بن عمرو بھی مہاجرینِ حبشہ میں داخل تھے۔ انہوں نے ۱۴؁ھ میں جرعۂ مرگ نوش فرمایا تھا۔

باب نہم (۹)

قریش کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی

فصل اوّل۔ حرم میں خزاعہ کا قتل و غارت

دہ سالہ معاہدہ کا دو ہی سال میں توڑ دینا

قریش نے حدیبیہ میں پیغمبر علیہ السّلام سے دس سال کا جو معاہدہ کیا تھا اس کو دو ہی سال کے اندر توڑ دیا۔ اس معاہدہ کی ایک شرط یہ تھی کہ طرفین ایک دوسرے کے حلیفوں اور ہم عہدوں سے کوئی تعرض نہ کریں گے اور ہر شخص اور ہر قبیلہ اس کا مجاز ہو گا کہ قریش کے عہد و حلف میں شمول اختیار کرے یا رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں داخل ہو۔ گو خزاعہ ہنوز حلقۂ اسلام میں داخل نہیں تھے مگر وہ شروع سے آنحضرت کی طرف میلان رکھتے تھے۔ معاہدۂ حدیبیہ کے بعد خزاعہ آپ کے اقرار و پیمان میں داخل ہو گئے اور قبیلہ بنو بکر قریش کے عہد میں شامل ہوا۔

ان دونوں قبیلوں میں زمانۂ جاہلیت سے نزاع اور عداوت چلی آتی تھی اور ان میں کئی مرتبہ محاربے اور مقاتلے برپا ہو چکے تھے۔ آخر اسلام ظاہر ہوا اور ان دونوں قبیلوں نے اسلامی معاملات میں پڑ کر اپنی قدیم عداوت کو بھلا دیا۔ پھر جب حدیبیہ میں ایک میعادی صلح ہو گئی اور اہلِ ایمان اور ارباب کفر ایک دوسرے سے بے خوف ہو گئے تو بنو بکر کے سردار نوفل بن معاویہ نے خزاعہ سے

پرانی عداوت کا بدلہ لینا چاہا چنانچہ بنو بکر خزاعہ پر چڑھ گئے اور ساتھ ہی قریش سے مدد مانگی۔ رؤسائے قریش نے ان کی ہر طرح سے مدد کی اور بنو بکر سے مل کر خزاعہ پر شبخون مارا چنانچہ آتش حرب شعلہ زن ہوئی اور بہت کچھ کشت و خون ہوا۔

اکابرِ قریش کا بھیس بدل کر خزاعہ پر ہتھیار چلانا

اس حملہ میں عکرمہ بن ابو جہل، صفوان بن امیہ، سُہیل بن عمرو، حویطب بن عبد العزیٰ، مکرز بن حفص اور قریش کے ان جوانوں نے بڑی اولوالعزمی کا ثبوت دیا جو پیغمبر علیہ السلام کے موروثی دشمن تھے۔ انھوں نے راتوں رات بھیس بدل کر بنو بکر کی امداد میں ہتھیار چلائے۔ خزاعہ تاب مقابلہ نہ لا کر حرم میں جا چھپے۔ لیکن نوفل کے جوشِ انتقام نے ان کو حرم میں بھی پناہ نہ لینے دی۔ خزاعہ کے بیس آدمی موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ اس کے بعد بنو بکر ایک خزاعی کے گھر میں گھس گئے اور اس کو لوٹ لیا۔ لوگوں نے نوفل بن معاویہ سے کہا کہ خدا سے ڈرو اور حرم کی حرمت کو پس پشت نہ ڈالو۔ وہ بولا میں حرم کی حُرمت سے بے حس نہیں ہوں، لیکن کیا کروں۔ مجھے سردست ان پابندیوں پر عمل پیرا ہونے کی فرصت نہیں۔ الغرض بنو بکر قتل و غارت سے فراغت پا کر باطمینانِ خاطر اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

نقضِ عہد کا انجام

قریش کا گمان تھا کہ ان کی شرکتِ جنگ کا حال کسی پر ظاہر نہ ہوگا، لیکن حاملِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی رات بذریعہ وحی اس کا علم ہو گیا۔ نماز صبح کے بعد آپ نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ مکہ میں افسوسناک حادثہ رونما ہوا ہے۔ قریش نقضِ عہد کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اُمّ المومنین نے پوچھا یا رسول اللہ! اس عہد شکنی کا کیا نتیجہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا ان شاء اللہ بہ مُثمر خیر ہوگا۔ چند روز کے بعد عمرو بن سالم خزاعی اور بدیل بن ورقاء خزاعی اپنی قوم کے چند آدمیوں کو لے کر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ پہنچے اور بنو بکر کی چیرہ دستی اور ظلم اور قریش کی عہد شکنی کی شکایت کر کے آپ سے امداد کے خواستگار ہوئے۔ آپ کو خزاعہ کے واقعاتِ مظلومی سن کر بہت رنج ہوا لیکن

آپ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اطمینان رکھو، فتح و نصرت کے دن قریب آپہنچے ہیں (تاریخ ابن خلدون و مدارج النبوت)۔

فصل ۲ - تجدیدِ معاہدہ کے لیے ابوسفیان کی ناکام کوشش

قریش نقضِ عہد کی حماقت تو کر بیٹھے لیکن بعد میں وہ اپنے اس فعل سے سخت نادم و پشیمان ہوئے۔ اب انہیں اس کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا کہ اپنے سردار ابوسفیان بن حرب کو بغرضِ اعتذار مدینہ مطہرہ بھیجیں اور وہ جا کر آنحضرت کو یقین دلائیں کہ یہ حرکت ان کے مشورے سے سرزد نہیں ہوئی، اور جا کر عقدِ صلح کو مؤکد کریں اور اگر ہو سکے تو اس کی مدت کسی قدر بڑھا دیں۔ حالانکہ معاہدۂ حُدیبیہ کا جو حشر ہوا وہ کسی جدید معاہدے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا تھا۔

فراشِ نبویؐ پر باپ کے بیٹھنے کی ناگواری

ابوسفیان مدینہ منورہ پہنچ کر سب سے پہلے حریمِ نبوت میں اپنی دخترِ فرخندہ اختر اُم المومنین حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے جنہوں نے مکہ معظمہ سے حبشہ کو ہجرت کی تھی اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے شرفِ زوجیت سے سرفراز فرما کر دارالہجرت میں بلا لیا تھا۔ جب ابوسفیان آنحضرت کے بستر پر بیٹھنے لگے تو اُم المومنین اُم حبیبہؓ نے بڑی عجلت سے آپ کا فراشِ مبارک لپیٹ کر انہیں دوسری چیز بیٹھنے کو دی۔ ابوسفیان اس پر ناخوش ہوئے اور کہنے لگے بیٹی! کیا تم نے مجھے اس بستر کے لائق نہیں سمجھا یا بستر میرے لائق نہیں ہے؟ اُم المومنین معذرت کرنے لگیں کہ یہ سیّدِ کائنات کا بستر ہے اور آپ نجاستِ شرک سے آلودہ ہیں۔ اس لیے مجھے گوارا نہیں کہ آپ اس فرشِ اطہر پر بیٹھیں۔

ابوسفیان نے جھلا کر کہا لڑکی! میں دیکھتا ہوں کہ تو مجھ سے علیحدہ ہونے کے بعد شر اور فتنہ میں مبتلا ہو گئی ہے۔ انھوں نے فرمایا میں مبتلائے فتنہ نہیں بلکہ نورِ اسلام سے منور ہو گئی ہوں۔" ابوسفیان پر بیٹی کے یہ کلمات اور بھی شاق گزرے اور وہ برافروختہ ہو کر وہاں سے

چل دیے۔ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اُمّہات المومنینؓ کے لوحِ دل پر سرورِ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے نقش کہاں تک مرتسم تھے۔

سرورِ دوجہاںؐ اور شیخینؓ سے ملاقاتیں

ابوسفیان یہاں سے نکل کر بارگاہِ نبوی میں پہنچے اور آپ سے تجدیدِ معاہدہ کی درخواست کی لیکن آپ نے نفیاً یا اثباتاً اس درخواست کا کوئی جواب نہ دیا۔ ابوسفیان ناامید ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ خیال کر کے کہ پیروانِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ابوبکر صدیقؓ کو سب سے زیادہ تقرب و وجاہت حاصل ہے' ان کے درِ دولت پر پہنچے اور بہت کچھ خوشامد کر کے کہنے لگے کہ کسی طرح معاہدہ کی تجدید کرا دیجیے۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ کسی شخص کی مجال نہیں کہ رسول اللہ کو کوئی مشورہ دے سکے۔ یہاں سے بے نیلِ مرام حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس گئے۔ انہوں نے صورت دیکھتے ہی کہا اگر مجھے معلوم ہو گیا ہوتا کہ اہلِ مکہ کی نسبت رسول اللہ کا کیا قصد ہے تو میں آج ہی تم سے نبٹ لیتا۔ ابوسفیان سر پہ پاؤں رکھ کر وہاں سے بھاگے۔

حضرت علیؓ کے کاشانۂ زہد میں

ابوسفیان وہاں سے خائب و خاسر اور سخت مایوس ہو کر حضرت علیؓ کے کاشانۂ زہد پر پہنچے اور بولے علی! تم میرے قریبی رشتہ دار ہو ذرا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تجدیدِ معاہدہ کے لیے سفارش کر دو تاکہ میں یہاں سے ناکام واپس نہ جاؤں۔ انہوں نے انکار کیا اور فرمایا ہماری مجال نہیں کہ حضورؐ کی مرضی کے خلاف کوئی بات زبان پر لائیں۔ اس کے بعد ابوسفیان سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی منت سماجت کر کے کہنے لگے فاطمہ! تمہاری خواہر زینب (سلام اللہ علیہا) نے ابوالعاصؓ کو امان دی تھی اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس امان کو بحال رکھا تھا۔ تم ہمارے لیے سعی سفارش کر دو۔" سیدہؓ نے فرمایا میں اس امر میں بالکل بے اختیار ہوں۔

اس وقت جناب حسن بن علی رضی اللہ عنہما ایک طفلِ خورد سال تھے جو خاتونِ جنتؓ کے سامنے کھیلتے پھرتے تھے۔ ابوسفیان نے خوشامدانہ لہجہ میں کہا اے بنتِ محمدؐ! ذرا اپنے

بچے سے کہہ دو کہ چل کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے میری سفارش کر دے اور ایک دفعہ زبان سے اتنا کہہ دے کہ میں نے دونوں جماعتوں میں بیچ بچاؤ کر دیا تو یہ بچہ ابدالدہر تک عرب کا سردار تسلیم کیا جائے گا۔" جناب سیدہ رضؓ نے فرمایا یہ بچہ ابھی اس قابل نہیں کہ کسی کی سفارش کرے یا لوگوں میں مفاہمت کرائے۔ اس کے علاوہ کسی کی مجال نہیں کہ رسول خدا ؐ کی مرضیِ مبارک کے خلاف کوئی وعدہ کر سکے۔

حضرت علیؓ کا ابوسفیان کو مزاح میں ٹرکانا

ابوسفیان جناب علی مرتضیٰ رضؓ سے کہنے لگے برادرِ عزیز! معاملہ نازک صورت اختیار کر گیا ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ اس گتھی کے سلجھانے کی اب کیا تدبیر ہو سکتی ہے۔ حضرت علی رضؓ نے فرمایا ابوسفیان! میں تمہیں ایک تدبیر بتلاتا ہوں۔ یہ سن کر ابوسفیان کا ساغرِ دل خوشی سے چھلک گیا اور کہا ہاں ہاں بتائیے وہ کیا تدبیر ہے؟ فرمایا ابوسفیان! تم بنو کنانہ کے سردار ہو۔ تمہیں کسی سے متعارف کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اٹھ کر سیدھے مسجد میں جاؤ اور خود ہی باآوازِ بلند کہہ دو کہ میں زمانۂ صلح کی مدت کی توسیع اور ازسرِ نو عہد و پیمان کو مضبوط کرنے آیا ہوں، اور یہ کہہ کر اپنے شہر کا راستہ لو۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ اس سے معاملہ روبراہ ہو جائے گا؟ حضرت علی رضؓ نے جواب دیا کہ روبراہ ہو یا نہ ہو، اس کے سوا اب چارہ ہی کیا ہے۔

مسجدِ نبویؐ میں یک طرفہ تجدیدِ صلح

ابوسفیان نے حضرت علی رضؓ کے کہنے کے بموجب مسجدِ نبوی میں جا کر خود ہی معاہدۂ صلح کی تجدید کر دی اور مکہ کرمہ واپس آ کر قریش سے بیان کیا کہ میں علی رضؓ کے مشورے کے بموجب مسجد میں تجدیدِ صلح کر آیا ہوں۔ لوگ پوچھنے لگے کہ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی تمہارے اعلان کو قبول کیا ہے؟ کہا نہیں۔ لوگ کہنے لگے تو عجب نہیں کہ علی رضؓ نے تمہارے ساتھ مذاق کیا ہو۔ اب نہ یہ صلح ہے کہ ہم مطمئن رہ سکیں اور نہ جنگ ہے کہ رزم و پیکار کا سامان کیا جائے (تاریخ طبری، تاریخ ابن خلدون، مدارج)۔

(۱۰)

باب دہم

عساکرِ نبوی کی یلغار مکہ پر!

فصل اوّل۔ مخبری کرنے والے صحابی کا عذر قبول کرنا

سفر کی مخفی طیاریاں

ابوسفیان کی واپسی کے بعد حضرت خیرالورٰی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اخفاء کے ساتھ سفر کی تیاری شروع کی۔ آپ نے صحابۂ کرامؓ کو بھی تیاریٔ غزا کا حکم دیا لیکن بر سبیلِ جزم و یقین لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ کہاں کا قصد ہے۔ آپ نے رازداری کے ساتھ اطرافِ مدینہ کے قبائل کو خطوط لکھوائے کہ جو کوئی خدا اور روزِ جزا پر ایمان رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ مسلح ہو کر یکم رمضان کو مدینہ پہنچ جائے۔ ان خطوط کے سوا آپ نے ہر قسم کا سلسلۂ رسل و رسائل بند کر دیا تاکہ قریش کو آپ کے عزمِ یلغار کی خبر نہ ہو تاہم بعض اخص صحابہ کو اس کا علم ہو گیا کہ آپ مکہ پر چڑھائی کرنے والے ہیں۔

ایک بدری صحابی کا مخفی مکتوب بنام قریشِ مکہ

ان ایام میں جب کہ آپ تجہیزِ لشکر میں مصروف تھے سارہ نام مکہ کی ایک عورت مدینہ آئی ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دیکھ کر اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تم مسلمان ہو کر آئی ہو؟ اس نے نفی میں جواب دیا۔ پوچھا پھر کس کام کو آئی ہو؟ بولی محتاج و نادار ہوں۔

اور بولے خدا گواہ ہے کہ میں نے یہ کام براہِ ارتداد نہیں کیا بلکہ اس اقدام کی علت میرا یہ خیال تھا کہ مکہ معظمہ میں میرے سوا تمام مہاجرین کے اقربا، موجود ہیں جن کی وجہ سے ان کے اقارب ان کے عیال واطفال کی حفاظت کرتے ہیں اور میں غیر ملک کا رہنے والا ہوں اور قریشی نہیں ہوں جس کی بنا پر امید ہو سکے کہ قریش میرے بھی اہل وعیال اور اموال کے نگران ہوں گے اس لیے میں نے چاہا کہ قریش پر کچھ احسان کر دوں تاکہ وہ میرے اہل وعیال کا بھی خیال رکھیں۔ اور مجھے اس بات کا یقین ہے کہ خدائے قیوم آپ کو بہرحال مظفر ومنصور فرمائے گا۔ میری اس اطلاع سے قریش تو میرے زیر بارِ احسان ہو جائیں گے لیکن آپ کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔"

حاطبؓ کے بیان کی تصدیق

کوئی اور ہوتا تو حاطبؓ کی گردن مار دیتا لیکن شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عذر قبول کیا اور فرمایا کہ حاطب! تم سچ کہتے ہو۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جو اس واقعہ پر غصے میں بھرے بیٹھے تھے عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دوں"۔ لیکن آپ نے فرمایا عمر! یہ بدری ہیں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اہل بدر پر حق تعالیٰ کی خاص نظر عنایت ہے اور ان کی نسبت حکم ہوا تھا: اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ۔ (اب جو چاہو کرو۔ میں نے تمہیں بخش دیا)۔ (بخاری، مسلم۔ ابن خلدون)۔

انتباہِ خداوندی

اس واقعہ پر سورۂ ممتحنہ کی پہلی تین آیتیں نازل ہوئیں جن کا ترجمہ یہ ہے:

مسلمانو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان کی طرف دوستی (کے نامہ و پیام) دوڑانے لگو حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آ چکا ہے وہ اس کے منکر ہیں۔ وہ رسولؐ کو اور تم کو محض اس بنا پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لائے شہر بدر کر چکے ہیں۔ اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لیے اور میری رضا جوئی کی غرض سے اپنے گھروں سے نکلے ہو تو تمہارے لیے مناسب نہیں کہ چپکے چپکے ان کی طرف دوستی (کے پیغام) دوڑاؤ۔ حالانکہ مجھ کو ان تمام امور کا

بخوبی علم ہے جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو۔ تم میں سے جو کوئی ایسا کرے گا وہ راہِ راست سے بھٹکے گا۔ اگر وہ تم پر قابو پا جائیں تو فوراً اظہارِ عداوت کرنے لگیں اور ہاتھ اور زبان (دونوں سے) تمہارے ساتھ برائی کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ اور وہ تو اس بات کے متمنی ہیں کہ تم (بھی انہی کی طرح) کافر ہو جاؤ۔ قیامت کے دن نہ تمہاری رشتہ داریاں تمہارے کچھ کام آئیں گی اور نہ تمہاری اولاد ہی کچھ کارآمد ثابت ہوگی۔ خدا تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔"

رفاقت کرنے والے قبائل

چونکہ تطہیرِ کعبہ اور ترویج دین کے لیے مکہ معظمہ پر فوج کشی ناگزیر تھی، اس لیے خدا کے برگزیدہ رسول نے ہجرتِ مدینہ کے ساڑھے آٹھ سال بعد۔ ارمضان ۸ھ کے دن حضرت کلثوم بن حُصَین غفاریؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ و جانشین مقرر فرما کر مہاجرین، انصار اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مکہ معظمہ کی طرف کوچ فرمایا۔ قبائلِ اسلم، غفار، مُزینہ، جُہینہ، اشجع تو وقتِ معہود پر مدینہ آوارد ہوئے تھے لیکن قبیلۂ بنو سُلَیم وقتِ مقررہ پر نہ پہنچ سکا تاہم وہ لوگ بھی قُدَید کی منزل پر لشکرِ اسلام سے ملحق ہوگئے۔ راستے میں دوسرے قبائلِ عرب بھی جو مسلمان ہو چکے تھے آ آ کر ملتے جاتے تھے۔ اس سفر میں آنحضرتؐ اور آپ کے رفقائے سفر مکہ پہنچنے تک برابر روزہ سے رہے۔ آخر جب عسفان اور قُدَید کے درمیان کدید کے چشمہ پر پہنچے تو آپ نے اور آپ کے جاں نثاروں نے روزہ کھول دیا۔ (بخاری)۔

فصل ۲۔ حضرت عباسؓ کی ہجرت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمّ محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد بھی کئی سال تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے اور علانیہ دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہوئے۔ شاید یہ تاخیر بھی مصلحت پر مبنی تھی۔ وہ قریش کی نقل و حرکت اور ان کے رازہائے پنہانی سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو

مطلع کرتے رہتے تھے علاوہ ازیں وہ اس سرزمینِ کفر و شرک میں ان ضعفائے اسلام کے جو پیچھے رہ گئے تھے تنہا مامن و ملجأ تھے (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۱۰)۔

جب لشکرِ اسلام مکہ معظمہ کی طرف بڑھ رہا تھا تو خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے اہل و عیال سمیت مدینہ کو جا رہے تھے حضرت عباسؓ سرِ راہ آپ کی قدم بوسی سے سرفراز ہوئے۔ آپ ان کی ملاقات سے بہت مسرور ہوئے اور ان کو حکم دیا کہ اہل و عیال اور مال و متاع کو تو مدینہ بھیج دو اور خود ہمارے ساتھ مکہ واپس چلو۔ حضرت عباسؓ لشکرِ اسلام کے ہمراہ مکہ معظمہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے۔

فصل ۳۔ مکہ معظمہ سے جاسوسوں کی روانگی

نقضِ عہد اور ابو سفیان بن حرب کی ناکام مراجعت کے بعد قریش کو حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادوں کا کوئی علم نہ تھا۔ اس لیے انہوں نے ابو سفیان بن حرب حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء خزاعی کو بغرض جاسوسی مدینہ منورہ کی طرف روانہ کیا۔ جب لشکرِ اسلام بوقتِ عشاء مرّ الظہران کے مقام پر پہنچا تو یہ تینوں بھی وہاں سے قریب پہنچ گئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزار ہزار کا ایک ایک دستہ علیحدہ کر کے ہر ایک کو آگ جلانے کا حکم دیا۔ اس طرح دس ہزار جگہ آگ روشن ہو گئی۔

ابو سفیان اور ان کے ساتھی یہ دیکھ کر محوِ حیرت رہ گئے کہ جہاں تک نظر کام کرتی ہے وادی میں ہر طرف آگ ہی آگ دکھائی دیتی ہے۔ اس کے ساتھ گھوڑوں کی ہنہناہٹ بھی سنی تو تینوں آدمی آپس میں قیاس آرائیاں کرنے لگے لیکن جہاں تک قیاس کے جولان گاہ کو وسعت دی کوئی بات ان کی سمجھ میں نہ آئی۔ (بخاری)

مشرکینِ مکہ سے ہمدردی

گو قریش نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثاروں کو بڑی بیکسی اور مظلومی کی حالت میں ارضِ مقدس سے نکلنے پر

مجبور کیا تھا اور اس سے پہلے مکہ معظمہ میں قریبًا دس سال تک اہلِ ایمان بہت بُری طرح مشق ستم بنائے گئے تھے، تاہم ستم پیشہ کفارِ قریش پیغمبر خدا اور اکابر مہاجرین کے ہم نسب تھے اور ان سے اہلِ ایمان کی قرابت داریاں تھیں، اس بنا پر اسلامی لشکر کی شوکت اور کثرت کو دیکھ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دل میں رہ رہ کر یہ خیال موج زن ہوتا تھا کہ اگر یہ لشکر جرار یکبارگی مکہ پر جا چڑھے گا تو قوم قریش تباہ ہو جائے گی۔ یہ خیال رفتہ رفتہ اس قدر ترقی پذیر ہوا کہ حضرت عباسؓ رسول اللہ کے خچر پر سوار ہو کر اس خیال سے مکہ جانے والی سڑک کی طرف چلے کہ اگر کوئی بلد الامین کی طرف جانے والا ملے تو اس کے ذریعہ سے پیغمبر علیہ السلام کی لشکر کشی کی خبر بھیج دیں تاکہ قریش شہر سے باہر آ کر بتضرع وزاری آپ سے امان طلب کریں اور تباہی سے بچ جائیں۔

ابوسفیان کو حضرت عباسؓ کا مشورہ

اتنے میں ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بُدیل بن ورقاء سے جو مکہ سے نکل کر وادی میں پھر رہے تھے ان کی ملاقات ہو گئی۔ ابوسفیان نے حضرت عباسؓ سے پوچھا کہ یہ لاؤ لشکر اور لاتعداد خیمے کس کے ہیں؟ انہوں نے کہا محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دس ہزار لشکر جرار کے ساتھ تمہارے سر پر جا رہے ہیں اور یقین ہے کہ اگر اس شوکت اور قوت کے ساتھ قریش پر جا پڑیں گے تو ان کو تہس نہس کر دیں گے"۔ یہ سن کر تینوں سناٹے میں آ گئے۔

ابوسفیان نے عالم سراسیمگی میں کہا اچھا عباس! یہ تو بتاؤ کہ اب چارۂ کار کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ قریش کے حق میں اب یہی بہتر ہو گا کہ امن کے خواستگار ہوں اور اطاعت قبول کریں۔ میرے نزدیک اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں کہ تم میرے ساتھ رسُولِ خدا کی خدمت میں چلو۔ میں تمہارے لیے امان طلب کروں گا اور تم حصُولِ امان پر اہلِ مکہ کے لیے عفو و درگذر کی درخواست کرنا۔ حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو اپنے پیچھے سوار کر لیا اور ان کو بارگاہِ نبوت میں لے چلے۔

فصل ۴

ابو سفیان کو موت کے گھاٹ اُتارنے کے لیے فاروق اعظمؓ کی بیتابی

حضرت عمرؓ ابوسفیان کے تعاقب میں

حضرت عباسؓ ابوسفیان کو لے تو چلے لیکن لوگ قدم قدم پر پوچھتے تھے کہ یہ کون ہے؟ ابوسفیان سہمے ہوئے تھے اور حضرت عباسؓ لوگوں کی نظریں بچاتے ہوئے جا رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات حراست و نگہبانی کے لیے حضرت عمرؓ کے زیر نگرانی انصار کی ایک جماعت متعین فرما دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے جن کی غیرت ملی دنیا میں جواب نہ رکھتی تھی ابوسفیان کو دیکھا تو جذبۂ انتقام کو ضبط نہ کر سکے اور جوشِ غضب میں بیتاب ہو کر چلائے اے دشمن خدا! شکر ہے کہ آج بغیر کسی سفارت اور بغیر کسی عہد و پیمان کے مجھے تجھ پر قابو ملا۔" اس ارشاد کا منشا یہ تھا کہ نہ کسی سفیر کے خلاف اس کے دوران سفارت وایلچ گری میں کوئی تادیبی کارروائی کر سکتے ہیں اور نہ کسی معاہد پر دار و گیر جائز ہے۔ یہ کہہ کر تلوار میان سے کھینچی اور شمشیر برہنہ ابوسفیان کی طرف جھپٹے۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عباسؓ میں کش مکش

یہ دیکھ کر حضرت عباسؓ نے آواز دی میں نے اس کو امان دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا دشمن ہے اور بغیر کسی عہد و پیمان کے ہاتھ آگیا ہے میں اس کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔" حضرت عباسؓ نے خچر کو تیز کر دیا تاکہ حضرت عمرؓ کے پہنچنے سے پہلے بارگاہ نبویؐ سے ابوسفیان کے لیے امان حاصل کر لیں۔ حضرت عمرؓ کی یہ کوشش تھی کہ جھٹ رسولِ خداؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت عباسؓ اور ابوسفیان کے پہنچنے سے پہلے آپ سے قتلِ ابوسفیان کی اجازت لے لیں مگر چونکہ حضرت عمرؓ پیادہ اور وہ دونوں سوار تھے حضرت عباسؓ ابوسفیان کو لیے ہوئے ان سے پہلے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے پر پہنچ گئے اور پکارنے لگے یا رسول اللہ! میں نے ابوسفیان کو اپنی پناہ

میں لے لیا ہے اور عمر اسے قتل کرنا چاہتے ہیں"۔

اتنے میں حضرت فاروق اعظمؓ بھی تلوار کھینچے ہوئے آپہنچے اور عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! یہ عدو اللہ ابوسفیان بغیر کسی عہد و اقرار کے ہاتھ آگیا ہے۔ اجازت دیجیے کہ اس کی گردن اڑا دوں"

حضرت عباسؓ نے کہا ہرگز نہیں! میں نے اس کو حفظ و امن میں لے لیا ہے لیکن حضرت عمرؓ برابر ابوسفیان کے قتل پر اصرار کرتے رہے اور تلوار تولتے ہوئے حکم اور اشارہ کے منتظر تھے۔ دیر تک دونوں میں کش مکش جاری رہی۔

قتل میں مزاحم ہونے پر ناراضی

آخر حضرت عمرؓ جناب عباسؓ سے ناراض ہونے لگے کہ تم بدترین دشمن دین کی جاں ستانی میں ناحق مزاحم ہوتے ہو حضرت عباسؓ جھلا کر کہنے لگے کہ عمرؓ! تم شاید اس بنا پر ابوسفیان سے یہ سلوک کر رہے ہو کہ یہ ہمارے خاندان بنو عبد مناف میں سے ہے اور اگر تمہارے قبیلہ (عدی بن کعب) کا آدمی ہوتا تو شاید تم اتنی سخت گیری نہ کرتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا بھائی عباسؓ! افسوس ہے کہ تم میری نسبت ایسا گمان کرتے ہو۔ تم بھی عبد مناف کی اولاد ہو لیکن خدا کی قسم! جس دن تم اسلام لائے تھے اس روز مجھے جو مسرت ہوئی تھی خود میرا باپ خطاب بھی ایمان لاتا تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول خدا کو تمہارے قبولِ اسلام کی اتنی شدید تمنا تھی کہ میرے باپ کے قبولِ اسلام کا آپ کو اتنا اشتیاق نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت فاروقؓ کے اس ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ اگر ہم کسی سے بغض رکھتے ہیں تو محض اللہ کے لیے اور کسی سے محبت ہے تو اللہ کی خاطر۔ اغیار ہوں یا خویش و اقارب، جو کوئی اسلام سے دشمنی کرے گا وہ ہمارا دشمن ہے اور جو اسلام کا محب ہے وہ ہمارا محبوب ہے۔

ابوسفیان رحمتِ عالمؐ کے حجرِ امان میں

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا عباس تم جو چاہو سمجھو مگر اس دشمن خدا کو تو میں آج زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ عباسؓ اس کا کچھ جواب بھی نہ دینے پائے تھے کہ حضرت عمرؓ ابوسفیان کی طرف جھپٹے۔ یہ

دیکھ کر ہا دیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ابوسفیان کو شب بھر کے لیے مہلت دی۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ دم بخود ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ بالفعل ابوسفیان کو اپنے خیمے میں لے جاؤ۔ صبح کو میرے پاس لانا (ابن خلدون ومدارج)۔

حضرات! جناب عباسؓ اور حضرت عمرؓ کی یہ کش مکش انہی ابوسفیان کے متعلق ہے جنہوں نے بدر کے میدانِ جنگ سے واپس آ کر منت مانی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے مقتولانِ بدر کا انتقام نہ لے لیں گے اس وقت تک نہ غسل کریں گے اور نہ سر میں تیل ڈالیں گے"۔ اس وقت اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دیرینہ عداوت، مدینہ منورہ پر ابوسفیان کا بار بار حملہ، قبائل عرب کو اشتعال دہی اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جاں ستانی کی بار بار کوشش، ان میں سے ہر چیز ابوسفیان کی جاں ستانی کی دعویدار تھی لیکن عفو نبویؐ بار بار یقین دلا رہا تھا کہ نہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے جو قتلِ ابوسفیان پر سختی سے مصر تھے فرمایا ہم ابوسفیان کو امان دیتے ہیں۔

غیر اللہ کے معبود نہ ہونے کا اقرار

حضرت عباسؓ ابوسفیان کو ساتھ لے گئے اور حسب الحکم صبح کو بارگاہِ نبوی میں لا حاضر کیا۔ اس وقت اسلام اور اہل ایمان کا بدترین دشمن، سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کا پیاسا بے کس اور بے یار و مددگار بارگاہِ نبوت میں حاضر ہے اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عفو و کرم کے سوا اس کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں۔ لیکن آپ ابوسفیان کے تمام سابقہ جرائم پر عفو کا خط کھینچ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں اے ابوسفیان! کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم اس بات کا یقین کر لو کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہستی قابلِ پرستش نہیں؟ ابوسفیان نے جواب دیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کیسے کریم و حلیم ہیں کہ مجھ جیسے دشمن سے جس نے آپ پر اتنی جفائیں کیں اس درجہ لطف و احسان سے پیش آتے ہیں۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اور اگر ہوتا تو ہماری مدد کرتا اور ہمیں مغلوب نہ ہونے دیتا"۔

قبولِ اسلام

اس کے بعد آپ نے فرمایا کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم اس امر کا بھی اقرار کرو کہ میں خدا کا فرستادہ ہوں"، حمیتِ جاہلیت اور قومی عصبیت اب بھی ابوسفیان کو نعمتِ ایمان سے محروم رکھتی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اس امر کے تسلیم کرنے میں تو مجھے پس و پیش ہے"۔

افسوس! آنحضرتؐ کے دلائلِ نبوت میں سے اب تک کوئی اور دلیل ابوسفیان کی میزانِ عقل میں نہیں سما سکی تھی تو وہ کم از کم اسی بدیہی دلیل کو سمجھ سکتے کہ جن اخلاقِ عالیہ سے آنحضرتؐ متخلق ہیں، کوئی غیر نبی ان خصائلِ حمیدہ سے متصف نہیں ہوسکتا۔ ابوسفیان نے یہ تو کہہ دیا کہ مجھے ہنوز آپ کی نبوت میں شک ہے لیکن اس کے بعد معاً متنبہ ہوتے ہیں اور دل میں یہ خوف جاگزیں ہوتا ہے کہ بلا عہد و پیمان لشکرِ اسلام میں چلا آیا ہوں۔ اگر مسلمان نہ ہوا تو زندگی کی خیر نہیں۔ اس لیے حضرت عمرؓ کی تلوار سے ڈر کر کلمۂ شہادت زبان پر لاتے ہیں اور وہ مغرور سر جو کبھی رب العالمین کے سامنے بھی نہیں جھکا تھا، آستانِ نبوت کے سامنے خم ہوجاتا ہے۔ (ابن ہشام وغیرہ)۔

ابوسُفیان کا طغرائے امتیاز

ابوسفیان کے ایمان لانے کے بعد حضرت عباسؓ نے بارگاہِ نبوی میں گزارش کی یارسول اللہ! مکہ کا سردار ابوسفیان فخر و نمود کا دلدادہ ہے۔ آپ اس کے لیے کوئی مابہ الفخر بات فرما دیجیے جس سے یہ اوروں سے ممتاز سمجھا جائے۔ آپ نے فرمایا اچھا، جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے گا وہ مامون ہے۔ اور جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے گا وہ مامون ہے۔ جو کوئی مسجدِ حرام میں داخل ہوجائیگا وہ مامون ہے (ابن خلدون)۔

گو اس وقت ابوسفیان کا ایمان متزلزل تھا لیکن مستقبل قریب میں وہ پکے اور سچے مسلمان ہوگئے تھے۔ چنانچہ جنگ ہائے طائف و یرموک میں برابر شریکِ جہاد رہ کر اپنے شغفِ اسلام کا عملی ثبوت دیتے رہے۔ محاصرۂ طائف میں ان کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی۔ جنگِ یرموک میں

دوسری آنکھ سے بھی محروم ہو گئے (استیعاب)۔

ابوسفیان کے دو ساتھیوں کے متعلق روایتوں میں اختلاف ہے۔ بعض میں مذکور ہے کہ وہ مکہ کو لوٹ گئے تھے۔ اور بعض میں لکھا ہے کہ وہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور لشکرِ اسلام کے ہمراہ مکہ مکرمہ پہنچے تھے۔ واللہ اعلم۔

فصل ۵۔ اسلامی لشکر کی شوکت وسطوت کا نظّارہ

جب دن کو مَرُّ الظہران سے مکہ معظمہ کی طرف پیش قدمی کی تیاری ہوئی تو حضرت عباسؓ نے ابوسفیان بن حرب کو اس خیال سے پہاڑ کی ایک تنگ گذرگاہ میں کھڑا کر دیا کہ لشکرِ اسلام کا جلال دیکھ سکیں۔

نعرۂ تکبیر پر ابوسفیان کی سراسیمگی

جوں جوں فوجیں ابوسفیان کے سامنے سے گزرتیں، وہ پوچھتے اور حضرت عباسؓ بتاتے جاتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ کی سپاہِ شوکت پناہ ظاہر ہوئی۔ یہ وہی خالد بن ولیدؓ ہیں جو جنگ اُحد میں قریش کی طرف سے لشکرِ اسلام کے خلاف معرکہ آرا تھے اور اب کچھ مدت سے اپنی اصنام پرست برادری سے مذہبی رشتہ توڑ کر مشرف بایمان ہوئے تھے۔ حضرت خالدؓ کی فوج میں بنو سُلیم کے ہزار جوان تھے۔ ابوسفیان نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت عباسؓ نے فرمایا یہ خالد بن ولید کی فوج ہے۔ جب حضرت خالدؓ ابوسفیان کے برابر پہنچے تو ان کے سارے مجاہدوں نے یکبارگی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ یہ آواز سُن کر ابوسفیان سراسیمہ ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت زبیر بن عوّام رضی اللہ عنہ پانسو دلاوروں کے ساتھ تکبیر کہتے ہوئے گزرے۔ سیاہ جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ ابوسفیان نے پوچھا یہ کون ہیں؟ حضرت عباسؓ نے فرمایا زبیر بن عوّام۔ ابوسفیان نے کہا تمہارے بھانجے؟ بولے ہاں۔ ان کے بعد بنو غفار نمودار ہوئے۔ ان کا جھنڈا رئیس الزاہدین حضرت ابوذر غفاریؓ کے ہاتھ میں تھا۔

بنو کعب، مُزَینہ، جُہَینہ اور اشجع کے مجاہدین ملّت

ان کے پیچھے بنو کعب بن عمر نے جلوہ گری کی۔ ان میں پانسو نامی سوار جا رہے تھے۔ اس فوج کا عَلَم حضرت بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ ان کے بعد قبیلہ مُزَینہ کے ہزار جوان سامنے آئے۔ ان کے پاس تین جھنڈے تھے۔ ان کے پیچھے قوم جُہَینہ کے آٹھ سو سورما ظاہر ہوئے۔ ان کے پاس چار جھنڈے تھے۔ ان کے بعد قبیلہ اشجع کے تین ہزار بہادر گذرنے لگے۔ ابوسفیان نے کہا یہ قبیلہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سب سے بڑا معاون ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیوں نہ ہو حق تعالیٰ نے اسلام کا تخم محبت ان کے کشت زار دل میں بو دیا ہے۔

حضرت سعدؓ کا بیان کہ آج قریش کی ذلت کا دن ہے

ان کے پیچھے حضرت سعد بن عُبادہ انصاری رئیس خزرج گزرے۔ انصار کا پرشکوہ جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ ہزار جوان ان کے آگے تھے اور ہزار پیچھے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ابوسفیان کے سامنے سے گزرتے وقت کہنے لگے آج کا دن قتل اور خون ریزی کا دن ہے۔ "آج کے روز خدا اسے شدید العقاب قریش کو ذلیل کرے گا" اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج سے خطاب کر کے کہنے لگے اے بہادرو! آج وہ دن ہے جبکہ تم قریش سے جنگِ اُحُد کا قرار واقعی بدلہ لے سکو گے۔

حضرات! یہ وہی سعد بن عُبادہ انصاری رضی اللہ عنہ قبیلۂ خزرج کے رئیس اعظم ہیں جنھیں قریش مکہ نے قبولِ اسلام کی پاداش میں بُری طرح اپنے جور و ستم کا تختۂ مشق بنایا تھا۔ اس واقعۂ ہائلہ کی تفصیل راقم السطور کی کتاب "سیرت کبریٰ" کی فصل ۲۱۴ (صفحہ ۷۴۲) میں ملاحظہ ہو۔ ابوسفیان کا دل اپنی سابقہ خون آشامیوں اور عداوتوں کے پیش نظر پہلے ہی مضطرب اور خوف زدہ تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا مقولہ سن کر اور بھی حواس باختہ ہوئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے آج میری حفاظت تمہارے ہی ذمہ ہے۔

فخرِ کونینؐ کا کوکبۂ جلال

سب کے آخر میں حضرت فخر الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم

کا کوکبۂ جلال ظاہر ہوا۔ مہاجرین و انصار کے قریباً تین ہزار مردانِ دلاور جن میں سے ہر ایک مسلح اور آراستہ و پیراستہ تھا تکبیر کہتے ہوئے رکاب فلک فرسا کے ہمراہ تھے۔ آپ کے ایک طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسری طرف حضرت اُسید بن حُضَیر انصاری ؓ تھے۔ اس وقت نبوت کا جاہ و جلال فاتح سپہ سالاروں کی سی شان و شوکت دکھا رہا تھا۔

جب ابوسفیان نے اس حزب اللہ کو اس عظمت و جلال کے ساتھ دیکھا تو رعب کے مارے ان کی چشم عقل خیرہ ہو گئی اور کہنے لگے عباس! تمہارے بھتیجے کی حکومت و مملکت تو بڑی عظیم الشان ہو گئی ہے۔ حضرت عباس ؓ نے فرمایا ابوسفیان! یہ ملک اور سلطنت نہیں بلکہ رسالت و نبوّت ہے۔

فصل ۶۔ قریش سے درگذر فرمانے کی اِستدعا

لطف اور رحمت کا دن

جب ابوسفیان کی نظر فخرِ بنی آدم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال مبارک پر پڑی تو فریاد کرنے لگے یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی قوم (قریش) کے قتل و غارت کا حکم دیا ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں۔ ابوسفیان نے حضرت سعد بن عُبادہ ؓ کا مقولہ کہہ سنایا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد ؓ نے غلط کہا۔ یہ تو وہ دن ہے جس میں خدائے قدوس بیت اللہ کی عزت پر چار چاند لگا دے گا۔ آج کا دن لطف اور رحمت کا دن ہے۔ آج باری تعالیٰ قریش کو عزت دے گا۔ ابوسفیان عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! آپ دنیا کے سب سے بڑے نیکوکار، سب سے بڑے محسن اور سب سے زیادہ کریم و شفیق ہیں۔ میں خدائے برتر کا اور قریش کی قرابت کا جو آپ سے ہے واسطہ دے کر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ قریش سے درگذر فرمائیے اور انتقام جوئی کا خیال چھوڑ کر ان سے رحم و عاطفت کا سلوک کیجیے"۔ آپ نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہوگا۔

حضرت سعد بن عُبادہ ؓ کے جوشِ انتقام کا شکوہ

حضرت عثمان ذوالنورین ؓ اور حضرت

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما دونوں مہاجر اور قریشی تھے۔ باوجودیکہ ان کے دل بھی قریش کی چیرہ دستیوں اور ظلم آرائیوں سے مجروح تھے تاہم ان کو فطرتاً قریش کی قرابت کا پاس ولحاظ تھا۔ وہ دونوں بارگاہِ نبویؐ میں عرض پیرا ہوئے یا رسولؐ اللہ! اس بات کا خدشہ ہے کہ سعد بن عبادہ کا جوشِ انتقام تازہ ہو کر کوئی رنگ نہ لائے۔ وہ جذبۂ انتقام سے سرشار ہیں اور یقین ہے کہ وہ اہل مکہ کو ذلیل و پامال کرنے سے ہرگز باز نہیں رہیں گے۔ اسی طرح اسلامی لشکر میں سے ایک قریشی ضرار بن خطاب فہری رضؓ نے اسی موضوع پر چند اشعار کہے اور اپنے ایک ساتھی سے درخواست کی کہ وہ جاکر رسول اللہ کو یہ اشعار سنائے۔ چنانچہ ساتھی نے وہ اشعار جاکر آپ کو سنائے جن کا ترجمہ ہے: یا رسول اللہ! قریش نے آپ کے دامن میں اس وقت پناہ لی ہے جبکہ ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں۔ زمین فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہے اور آسمان و زمین کا خدا ان کا دشمن ہوگیا ہے۔ سعدؓ اہل مکہ کی پیٹھ توڑنا چاہتے ہیں"۔

قیادتِ لشکر سے ابن عبادہؓ کی علیحدگی

ان اشعار کو سن کر دریائے رحمت موج زن ہوا۔ آپ کو بھی سعدؓ بن عبادہ کے جوشِ انتقام کا علم تھا جو کفارِ مکہ کے خلاف ہمیشہ دانت پیسا کرتے تھے۔ اس لیے حسب بیان حضرت انسؓ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو حکم دیا کہ سعدؓ سے جھنڈا لے لیں اور نہایت امن و سکون کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں۔ لیکن معاً آپ کو حضرت سعدؓ کی دل شکنی اور تغیرِ خاطر کا بھی خیال آیا اس لیے حضرت علیؓ نے آپ کے حکم سے جھنڈا حضرت سعدؓ کے فرزند حضرت قیسؓ کے حوالے کر دیا۔ لیکن اب حضرت سعدؓ کو یہ خدشہ ہوا کہ مبادا قیسؓ سے کوئی ایسی غلطی ہو جائے جو آپ کی خاطرِ اطہر کو ناگوار ہو۔ اس لیے انہوں نے حضرت رسالت مآب کی خدمت میں التماس کی کہ جھنڈا قیس کی بجائے کسی اور کو دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے جھنڈا حضرت زبیرؓ کے سپرد کر دیا (فتح الباری بحوالہ بزار)۔

فصل ۷۔ مکہ میں کھلبلی اور خوف وہراس

اب حضرت عباس رضؓ نے ابو سفیان سے کہا کہ تم مکہ معظمہ جاؤ اور جا کر لوگوں سے کہو کہ مقابلہ ومحاربہ کی بے سود کوشش نہ کریں ورنہ ہلاک وبرباد ہو جائیں گے۔ ابو سفیان مکہ مکرمہ آئے اور سارا ماجرا بیان کر کے قریش کو بتایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا ہے کہ جو کوئی ابو سفیان کے مکان میں پناہ لے گا یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا یا ہتھیار جسم سے علیحدہ کر دے گا اس کو امان ہے (بخاری ومسلم)۔ یہ سُن کر قریش کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور وہ بصد رنج وحسرت ابو سفیان سے کہنے لگے **خدا تیرا بُرا کرے** تو کیسی منحوس خبر لایا ہے۔

ہند کا شوہر کی ڈاڑھی پکڑنا

ہند زوجۂ ابو سفیان نے جو ایک نہایت بیباک خاتون تھی مغلوب الغضب ہو کر ابو سفیان کی لمبی ڈاڑھی پکڑ لی اور دو چار جھٹکے دے کر بولیں اے آلِ غالب! اس احمق کے جوتے لگاؤ تاکہ ایسی تباہی نہ بکے"۔

حضرات! یہ وہی ہند ہیں جنھوں نے غزوۂ اُحُد کے دن سیّد الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے حادثۂ شہادت کے بعد میدانِ جنگ میں شکم چاک کر کے ان کا کلیجہ نکالا اور عالمِ غیظ میں کچا ہی چبا چبا کر کھانے لگیں اور ہند جگر خوار کے مکروہ لقب سے مشہور ہوئی تھیں۔

ابو سفیان نے کہا تم لوگ جو چاہو سو کہو لیکن یاد رکھو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ابھی بپارہ با شکوہ کے ساتھ یہاں پہنچا چاہتے ہیں اور تم میں مقابلے کی طاقت نہیں۔ اگر تم لوگوں نے ذرا بھی جنبش کی تو تمہارے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور تمہارے خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ اور ہند سے کہا اری نادان! گھر میں چلی جا اور دروازہ بند کر کے بیٹھ۔ ورنہ جان سے ماری جائے گی اور تیرے جرم تو اس قدر بے پایاں ہیں کہ تیری عفو وبخشش کا تو کوئی امکان ہی نہیں۔

مقابلہ کی تیاریاں

جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ مسلمان ابھی تھوڑی دیر میں حملہ آور ہوا

چاہتے ہیں تو شہر میں کھلبلی مچ گئی۔ ہر شخص کو اپنی جان کی فکر ہوئی کیونکہ قریش کو معلوم تھا کہ وہ رسولِ انام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء پر کیسے کیسے ناگفتہ بہ مظالم توڑتے رہے ہیں۔ شہر میں ہر کس و ناکس کو یقین تھا کہ لشکرِ اسلام آتے ہی قتلِ عام شروع کر دے گا۔ قریش کے سربرآوردہ رؤساء عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ بن خلف اور سُہیل بن اُمیہ بڑی عجلت سے رزم و پیکار کی تیاریوں میں مصروف ہوئے۔ ہر شخص ہتھیار سنبھالنے اور مسلح ہونے لگا۔

ابوسفیان بن حرب نے لوگوں کو بہتیرا سمجھایا کہ مسلمانوں کے لشکرِ جرار سے عہدہ برآئی ناممکن اور مقابلہ عبث ہے اور اطاعت و سرافگندگی کے سوا کوئی چارہ نہیں لیکن چونکہ قریش کو کسی طرح گوارا نہ تھا کہ اپنے ایسے دیرینہ دشمن کا حلقۂ اطاعت زیبِ گلو کریں جس کا اٹھارہ سال کی طویل مدت سے قلع قمع کرنے کی سرتوڑ کوششیں کر رہے تھے، اس لیے کسی نے ابوسفیان کی ایک نہ سنی۔

فصل ۸۔ اہلِ مکہ سے تعرض نہ کرنے کا فرمانِ نبویؐ

خدا کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مرالظہران کی منزل سے کوچ کرنے سے پہلے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مہاجروں کی جمعیت کے ساتھ مکہ معظمہ کے بالائی راستہ کی طرف چلیں اور موضع حجون کے پاس پہنچ کر قیام کریں اور وہیں مرکبِ نبویؐ کی آمد کے منتظر رہیں۔ اسی طرح حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضؓ کو حکم دیا کہ وہ بھی ایک مسلح جمعیت کے ساتھ بطنِ وادی کی راہ سے مکہ معظمہ کی طرف پیش قدمی کریں۔ اس کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنی فوج لے کر کُدا کے راستے سے آگے بڑھیں اور مکہ کے آخری حصہ میں پہنچ کر علمِ اسلامی نصب کریں لیکن اہلِ مکہ سے کچھ تعرض نہ کریں۔ البتہ اگر قریش میں سے کوئی شخص آمادۂ پیکار ہو تو اس کی مدافعت میں کوتاہی نہ کریں (بخاری)۔

یہ تینوں جیش جو مکہ معظمہ پر پیش قدمی کرنے کے لیے آپ نے متعین فرمائے قریشی سرداروں

کیے زیرِ قیادت تھے۔ آپ نے نہ تو انصار کے کسی دستہ فوج کو اور نہ کسی انصاری سردار کے زیرِ قیادت محض اس احتمال پر آگے نہ بھیجا کہ مبادا ازراہِ انتقام اہلِ مکہ پر کوئی سختی کریں۔ بخلاف ہر سہ حضرات مذکورین کے کہ وہ مکہ معظمہ کے رہنے والے اور خود قریشی تھے اور گو کفارِ قریش کی ستم گاریوں پر ان کے دل بھی مجروح تھے لیکن قریش کے ہم نسب اور قرابت دار ہونے کے لحاظ سے کسی معمولی اشتعال انگیزی پر برانگیختہ نہیں ہو سکتے تھے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ مصلحِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت نوازی اور عفو شعاری بھی ان کے لیے دلیلِ راہ تھی۔

فصل ۹۔ انصار کو رسول اللہ کے مکہ معظمہ چلے آنے کا خدشہ

انصار کی غلط فہمی

اہلِ مکہ کی طرح انصارِ مدینہ بھی یہی سمجھے بیٹھے تھے کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ پہنچ کر خون کی ندیاں بہا دیں گے اور قریش کو ان کی بست سالہ تعدیوں اور جفا کاریوں کی ایسی عبرت ناک سزا دی جائے گی کہ چشمِ فلک نے ایسا ہولناک منظر نہ دیکھا ہوگا لیکن ان کی تمام تر توقعات نقش بر آب ثابت ہوئیں۔ آنحضرتؐ نے ابوسفیان اور مکہ کے دوسرے دشمنانِ دین سے وہی مشفقانہ برتاؤ کیا جو مہربان باپ اپنی اولاد سے کرتا ہے۔ یہ غیر معمولی رحم اور نظرِ التفات دیکھ کر انصار آپس میں کہنے لگے کہ رسول اللہ پر اپنی قوم کی اُلفت اور وطن کی محبت غالب آگئی ہے۔ اب انصار کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں رسولِ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے شہر مدینہ کی اقامت اور انصار کی رفاقت ترک کر کے اپنے مرز و بوم مکہ کو نہ چلے آئیں۔

انصار سے رسول اللہ کا عہد

اس وقت آپ پر وحی نازل ہونے لگی۔ اس واقعہ کے راوی حضرت ابوہریرہ رضؓ کا بیان ہے کہ جب حاملِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہوتا تو ہمیں اس کا احساس ہو جاتا تھا۔ جب تک وحی اترتی رہتی کوئی شخص آپ کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ جب وحی اختتام پذیر ہوئی تو آپ نے انصار کو ایک جگہ جمع کر کے فرمایا کہ تم نے کہا ہے کہ رسول اللہ پر اپنی قوم کی اُلفت اور وطن کی محبت

غالب آگئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں نے اللہ کی خاطر تمہاری طرف ہجرت کی تھی اور اب میرا مرنا جینا تمہارے ساتھ ہے۔

حضور کے اس ارشاد کا یہ مطلب تھا کہ میں خدائے برتر کا فرستادہ ہوں۔ جو کچھ کرتا ہوں اس کی مرضی کے بموجب کرتا ہوں۔ میں قریش سے جو رحیمانہ سلوک کر رہا ہوں وہ سب مشیتِ الٰہی کے تحت ہے۔ پس میرے حسن سلوک سے یہ نتیجہ نکالنا غلطی ہے کہ میں تسخیر مکہ کے بعد تم سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔ نہیں اب مدینہ ہی میرا وطن ہے۔ میں بقیۃ العمر وہیں رہوں گا اور وہیں میرا مدفن ہوگا۔"

انصار عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! ہم نے جو کچھ کہا ہے خدا اور رسول کی محبت میں کہا ہے۔" آپ نے فرمایا کہ خدا اور رسول تمہارے بیان کی تصدیق کرتے ہیں اور تمہارا عذر قبول کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم)۔

ایفائے عہد

ہر شخص جانتا ہے کہ ودیعتِ الٰہی کے حامل صلی اللہ علیہ وسلم نے کس شدت سے اس وعدہ کا ایفا کیا۔ باوجودیکہ اس کے بعد مکہ معظمہ پر جہاں سے آپ آٹھ سال پیشتر بخوفِ جان ہجرت کرنے پر مجبور کیے گئے تھے آپ ہی کی حکومت تھی، تاہم آپ نے دنیا کی باقی ماندہ حیاتِ مستعار میں مدینہ طیبہ ہی کو شرفِ اقامت بخشے رکھا۔ وہیں آپ کا مزار مبارک بنا اور خلفائے راشدین اور دوسرے مکی مہاجروں نے بھی آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہمیشہ کے لیے اسی کو اپنا وطن بنایا۔

فصل ۱۰۔ قریش کی مزاحمت اور ہزیمت و فرار

پیشوائے امت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ نشیبی مکہ سے شہر میں داخل ہوں۔ اس فرمان کے بموجب جب وہ آگے بڑھے تو کفار قریش میں سے ابوجہل کے بیٹے عکرمہ، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ برسر مقابلہ ہوئے۔ حضرت خالدؓ کے لیے مدافعت سے چارہ نہ تھا۔ مکی محاربین کی تعداد معلوم نہیں۔ حضرت خالدؓ کے

زیرِ قیادت ہزار جوان تھے۔ ظاہر ہے کہ اہلِ مکہ بھی ان کے مقابلہ میں سیکڑوں کی تعداد میں ہوں گے تاہم جتنے بھی ہوں غیر منظم تھے کیونکہ بے سروسامانی اور افراتفری کے عالم میں جمع کیے گئے تھے۔

تعدادِ مقتولین

موضع خندقہ کے پاس مڈبھیڑ ہوئی جس میں قریش کے تیرہ آدمی کام آئے اور دو مسلمان کُرز بن جابر فہری اور ایک اور مجاہد درجۂ شہادت پر سرفراز ہوئے۔ مؤخر الذکر بزرگ کا نام امام بخاریؒ نے حبیش بن اشعر اور ابن اسحاق وغیرہ نے خنیس بن خالد خزاعی لکھا ہے۔ لیکن کتاب تجرید اسماء الصحابہ سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی بزرگ کے تھے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ دونوں مقتول لڑائی میں کام نہیں آئے تھے بلکہ غلطی سے خالدؓ کی فوج سے کٹ کر کسی دوسرے راستے پر جا نکلے۔ وہاں مشرکوں نے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ الغرض قریش ہزیمت کھا کر بھاگ نکلے۔ یہ نسیمِ فتح بیسویں رمضان ۸ھ کو اسلام کے رایتِ اقبال پر چل کر نویدِ تہنیت لائی تھی۔

خالدؓ کا اعتذار

حضرت مفخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم انسانی خون کے چند قطروں سے بھی حرمِ کعبہ کی سرزمین کو گلگوں نہ دیکھنا چاہتے تھے۔ جب اس محاربہ اور مکہ کی تیرہ جانوں کے اتلاف کی خبر آپ کے سمعِ مبارک میں پہنچی تو آپ نے حضرت خالدؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ "میں نے تمہیں لڑائی سے منع کیا تھا" انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا یا رسول اللہ! اہلِ مکہ ایک بڑی جمعیت کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہوئے تھے، اس لیے مدافعت ناگزیر تھی۔ بہرحال قریش کی عسکری قوت بالکل ختم ہو چکی تھی اور اب ان لوگوں کی موت و حیات اسی بلند ترین ہستی کے دستِ اختیار میں تھی جس کے (خاکم بدہن) قلع قمع اور جاں ستانی میں وہ سالہا سال سے کوشش کر رہے تھے۔

فصل ۱۱۔ بلد الامین میں رسولِ امینؐ کا فاتحانہ داخلہ

کرّوفر کی بجائے تواضع وانکسار

اس اثناء میں رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے

جلیل القدر اصحاب کے ساتھ مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ آپ بنفسِ نفیس ذی طویٰ کی طرف سے شہر میں داخل ہوئے۔ اس وقت آپ قرآن کی سورۂ فتح کی تلاوت فرما رہے تھے جس میں تسخیرِ مکہ کی بشارت ہے۔ اگر آپ کی جگہ کوئی دنیوی فاتح ہوتا تو اس وقت اس کے کبر و غرور کی کوئی انتہا نہ ہوتی اور وہ بڑی شان و شوکت اور جاہ و جلال کا مظاہرہ کرتا لیکن اقلیمِ نبوت کے تاجدار نے آج اپنی تواضع و انکسار کا جو نمونہ دکھایا، جریدۂ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے (سیرت ابن ہشام)۔

ہجرت کی بھیانک رات کی یاد

حبیبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فاتحانہ داخلہ آپ کی ہجرتِ مقدسہ کے قریباً ساڑھے آٹھ سال بعد وقوع پذیر ہوا تھا۔ شیخ عبدالحق رح نے اس داخلہ کی کیفیت یوں زیبِ رقم کی ہے۔ فوجی دستوں کو تین سمتوں میں متعین فرمانے کے بعد آپ نے غسل کیا۔ پھر اسلحہ زیبِ تن کر کے خواص اصحاب کے ساتھ سوار ہوئے۔ جب آپ کی نظر موجودہ عون و نصرتِ خداوندی پر پڑی تو آپ کو اپنی ہجرت کا وہ نازک وقت یاد آگیا جب اسی مکہ میں دشمنوں نے آپ کے قتل کا فیصلہ کر کے رات بھر آپ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا اور آپ وحی الٰہی کے فرمان کے بموجب ایک بھیانک رات کے اندھیرے میں شہر سے نکل کر عالمِ بیکسی میں غارِ ثور کے اندر جا چھپے تھے۔

منعمِ تعالیٰ کی حمد و ثنا

لیکن اب خدائے ناصر و معین نے تھوڑے ہی زمانہ کے بعد آپ کو بڑی شوکت اور جلالت کے ساتھ اسی شہر میں حاکمانہ اقتدار سے سرفراز فرما دیا ہے۔ آپ نے جذبۂ تشکر و امتنان سے سرشار ہو کر اپنا سرِ مبارک تواضعاً بارگاہِ ایزدی میں اس طرح جھکا دیا کہ آپ کی ریشِ مبارک پالانِ شتر کی لکڑی سے آلگی اور آپ نے پالان ہی پر سر رکھ کر سجدۂ شکر ادا کیا اور منعمِ تعالیٰ کی حمد و ثنا کما حقہٗ بجا لائے۔ اب آپ نے اونٹ ہی پر سورۃ انا فتحنا آواز سے پڑھنا شروع کی۔ (مدارج النبوت)

غیر مسلم مقتول کا خونبہا بھجوانا

پولیس اور فوج کی گولیوں سے بیسیوں بے گناہ مارے جاتے ہیں لیکن دنیوی حکومتیں ان کے خونبہا کی طرف اصلاً التفات

نہیں کرتیں۔ لیکن خدا کے برگزیدہ رسولوں نے اس ظلم و بیداد کو کبھی گوارا نہ فرمایا۔ یہ کبھی ممکن نہیں کہ کسی مامورِ من اللہ کے لشکر کے ہاتھوں کوئی بے گناہ تیرِ قضا کا نشانہ بنے اور وہ اس کی دِیَت ادا کر کے مظلوم خاندان کی حق رسی نہ کرے۔ فتح مکہ کے دن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی فوجِ ظفر موج میں سے بنو کعب کے ہاتھ سے جُنیدب بن اکوع بے گناہ مارا گیا۔ آپ نے سب سے پہلے اس مسئلہ کی طرف توجہ فرمائی اور سَو اونٹ اس کے وارثوں کو بطور خون بہا بھجوا دیے۔ (سیرت ابن ہشام مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۵۸)۔

فصل ۱۲۔ شہر میں مُنادی

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عَلَمِ نبوی حجون کے مقام پر نصب کیا جائے۔ اس کے بعد آپ نے شہر میں منادی کرائی کہ جو کوئی ہتھیار ڈال دے گا، یا ابوسفیان کے ہاں پناہ لے گا، یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا، یا مسجد میں داخل ہو جائے گا اس کے لیے امان ہے۔

سولہ گردن زدنی مجرمین

لیکن اہل مکہ میں سے سولہ مجرموں کے جرائم کی نوعیت ایسی سنگین تھی جو کسی طرح قابل بخشش نہیں تھے۔ اس لیے آپ نے ان کو عفوِ عام سے مستثنیٰ فرما کر ان کا خون مباح کر دیا اور حکم دیا کہ یہ جہاں کہیں ملیں موت کے گھاٹ اتار دیے جائیں۔ وہ سولہ گردن زدنی یہ تھے:

(۱) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل وحشی۔
(۲) ہند جگر خوار زوجۂ ابوسفیان۔
(۳) مشہور دشمنِ رسول ابوجہل کا بیٹا عکرمہ۔
(۴) عبداللہ بن ابی سرح۔
(۵) حارث بن ہشام۔
(۶) مشہور شاعر عبداللہ بن زبعری بن قیس قرشی سہمی
(۷) اُم المومنین حضرت اُمِ سلمہؓ کا حقیقی بھائی زُہیر بن ابو اُمیہ مخزومی۔
(۸) صفوان بن اُمیہ بن خلف جمحی۔
(۹) کعب بن زہیر ابوسلمیٰ۔
(۱۰) ہبار بن اسود قرشی اسدی۔
(۱۱) سُہیل بن عمرو بن عبدشمس عامری۔

(۱۲) مشہور دشمن اسلام عبدالعزّیٰ بن اخطل کی لونڈی قرتنی۔

(۱۳) بنو عبدالمطلب کی خادمہ سارہ۔ (۱۴) عبدالعزّیٰ بن اخطل۔

(۱۵) مقیس بن صُبابہ۔ (۱۶) حُویرث بن نُقید۔

ان میں سے دس مردوں اور تینوں عورتوں کی جان بخشی ہوگئی اور صرف مؤخرالذکر تین دشمنانِ دین مارے گئے۔

نہنگِ اجل کے تین شکار

تین مقتولوں میں زیادہ مشہور عبدالعزّیٰ بن اخطل تھا۔ یہ پہلے مسلمان ہوا تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صدقات وصول کرنے کو بھیجا۔ ایک انصاری اور ایک رومی غلام بھی اس کے ساتھ روانہ کیے گئے۔ اثنائے راہ میں اس نے رومی غلام کو قتل کر ڈالا اور خود مرتد ہو کر مکہ بھاگ آیا۔ فتح کے دن اس نے بدیں خیال کعبۂ معلیٰ کا پردہ پکڑ لیا کہ شاید اس کی حرمت اس کی مایوس زندگی کو امن دے۔ لیکن ابو برزہ اسلمیؓ اور سعید بن حریث مخزومیؓ نے مل کر اس کو قتل کر دیا (فتح الباری)۔

مقیس بن صبابہ بھی گردن زدنی لوگوں میں داخل تھا۔ یہ شخص غزوۂ احزاب میں مدینہ منورہ گیا اور ایک انصاری کو جس نے عہد جاہلیت میں کسی کے دھوکے میں اس کے بھائی کو مار ڈالا تھا قتل کر کے مکہ معظمہ بھاگ آیا تھا۔ فتح مکہ کے دن اس کے عم زاد بھائی نُمیلہ بن عبداللہ لیثیؓ نے اس کو ہلاک کیا۔ تیسرا دشمن دین حُویرث بن نُقید قبل از ہجرت پیشوائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کا لاگو بنا ہوا تھا۔ اس نے آپ کو اور آپ کے جان نثاروں کو بڑی ایذائیں دی تھیں۔ وہ کبھی مسلمانوں کے ہتھے نہیں چڑھا تھا۔ فتح کے دن حضرت علیؓ نے اس کی گردن مار کر اس کو زندگی کی رسوائی سے نجات بخشی (فتح الباری و ابن خلدون)

فصل ۱۳۔ شہر میں عارضی قیام گاہ

مکہ معظمہ میں حضور سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کا جدی مکان آپ کے چچا ابو طالب

کے ساتھ مشترک تھا جو ہجرت کے بعد حضرت علیؓ کے بڑے بھائی عقیل نے ابوسفیان بن حرب کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا۔ فتح مکہ کے دن حضرت اسامہ بن زیدؓ نے دریافت کیا کہ حضور! آپ شہر میں کہاں قیام فرمائیں گے؟ اپنے پرانے مکان میں یا کسی اور جگہ؟ آپ نے فرمایا کہ عقیلؓ نے کہاں گھر چھوڑا کہ اس میں اُتر سکوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ بنوکنانہ کی وادی خیف میں ٹھیروں گا (بخاری)

خیف وہ مقام تھا جہاں قریش نے اپنی ظلم رانیوں کے سلسلہ میں تین سال تک ہاشم اور ان کے بھائی مُطّلب کی اولاد کو مکہ سے نکال کر محصور کر رکھا تھا اور قبائل قریش نے باہم معاہدہ کیا تھا کہ جب تک بنوہاشم اور بنومطلب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کے لیے ان کے حوالے نہیں کر دیں گے کوئی شخص ان سے بات چیت نہ کرے گا۔ میل ملاقات نہیں رکھے گا۔ ان کے ہاتھ کوئی چیز نہیں بیچے گا۔ ان کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ پہنچنے دے گا۔ ان کے ساتھ رشتہ بیاہ نہ کرے گا اور کسی قسم کی روا داری نہ برتے گا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم اور ان کے بھائی مطلب کی اولاد صرف آپ کی وجہ سے وہیں تین سال تک نہایت بے کسی اور کس مپرسی کے عالم میں پڑی رہی تھی۔ تفصیل کے لیے راقم السطور کی کتاب سیرتِ کبریٰ کی فصل ۷۰ املاحظہ ہو۔

الغرض آپ پہاڑ کے اسی درّہ میں جو ہاشمیوں کا موروثی تھا قیام فرما ہوئے۔ یہاں کے قیام میں بڑی مصلحت یہ تھی کہ اسلام کا غلبہ اور زور ہونے کے بعد آپ کی طرف سے منعم حقیقی کے انعامات اور نصرت بخشیوں کا عملی حیثیت سے بھی شکرادا ہو۔

فصل ۱۴۔ عُتبہ اور معتب پسرانِ ابُولہب پر شفقت

فخرِ کونین حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب بن عبدالمطلب کی عداوتیں اظہر من الشمس ہیں۔ اس حرماں نصیب کی عناد پروری کا اجمالی بیان راقم السطور کی کتاب "سیرت کبریٰ" (فصل ۸۹) میں ملاحظہ ہو۔ لسانِ وحی نے سورۂ لہب میں اس خسرانِ ابدی کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ابولہب کا چھوٹا بیٹا عتیبہ ہجرت سے پہلے ہی اپنے کیفر کردار کو پہنچ چکا تھا۔ تفصیل کے لیے احباب کرام "سیرت کبریٰ" کی ۹۸ ویں فصل کی طرف رجوع فرمائیں۔ ابولہب کے دو بیٹے عتبہ اور معتب فتح مکہ کے بعد تک موجود تھے۔

فتح مکہ کے دوسرے دن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابولہب کے بیٹوں کا خیال آیا۔ اپنے عم محترم حضرت عباسؓ سے پوچھا کہ آپ کے بھتیجے عتبہ اور معتب پسران ابولہب کہیں دکھائی نہیں دیے۔ حضرت عباسؓ نے التماس کی یا رسول اللہ! وہ بھی دوسرے مجرموں کی طرح کہیں روپوش ہو گئے ہیں۔ فرمایا جاؤ اور کہیں ملیں تو لے آؤ۔ حضرت عباسؓ ان کی تلاش میں نکلے اور دونوں کو ڈھونڈ کر کہا چلو تم کو رسول اللہ نے یاد فرمایا ہے۔ یہ دونوں چچا کے ساتھ برادر معظم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

آپؐ نے ان کے حال پر شفقت فرمائی۔ انہوں نے مسلمان ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ آپؐ نے ان کو دائرہ اسلام میں داخل کیا۔ ان کے مشرف با یمان ہونے کے بعد آپ دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے باب کعبہ اور حجر اسود کے درمیان لائے اور کچھ دعا فرمائی۔ مراجعت کے وقت رخ انور وفور فرح وانبساط سے چمک رہا تھا۔ حضرت عباسؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! خدائے ودود آپ کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے، اس غیر معمولی بشاشت کا کیا سبب ہے؟ فرمایا میں نے اپنے دونوں بھائیوں کو خدا سے مانگا تھا اور اس نے اپنی رحمت سے مجھے دے دیے یہ مسرت اسی کا نتیجہ ہے (طبقات ابن سعد)۔

فصل ۱۵۔ تطہیر کعبہ، اذان اور نماز باجماعت

کمان کی نوک سے بتوں کو ٹھوکر لگانا

اب آپؐ نے تطہیر حرم کا قصد فرمایا۔ شرک پسند قریش نے کعبہ معلیٰ کے اندر باہر اور اطراف میں تین سو ساٹھ بت نصب کر رکھے تھے۔ مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک مجسمہ کی آنکھوں میں کمان کی نوک سے خفیف

سی ٹھوکر لگاتے جاتے تھے (مسلم) اور ٹھوکر لگانے وقت زبان سے فرماتے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ (حق آیا اور باطل نیست ونابود ہوا۔ دینِ حق آموجود ہوا اور دینِ باطل سے نہ تو ابھی کچھ کشود کار ہونا ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔ (بخاری)

بتوں کا منہ کے بل گرنا

طبرانی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آپ کے ان کلمات فرمانے اور اشارہ کرنے سے کوئی بت ایسا نہ تھا جو اوندھا منہ کے بل نہ گر پڑا ہو۔ حالانکہ ان کے پاؤں سیسہ سے جما رکھے تھے۔ اس عمل کا مقصد یہ تھا کہ بت ذلیل ہوں اور ان کے پوجنے والوں پر یہ حقیقت کھل جائے کہ ان کے باطل معبود نہ تو کسی نفع وضرر پر قدرت رکھتے ہیں اور نہ ان میں اپنی ہی حفاظت کی صلاحیت ہے۔ دوسری وجہ ایسے مکان میں نماز کی کراہیت تھی جس میں بت موجود ہوں کیونکہ ایسی جگہ نماز پڑھنا مظنۂ شرک ہے۔ (فتح الباری)۔

مجسّموں کا باہر پھینکا جانا

چونکہ کعبۂ معلّٰی کے اندر بھی بت رکھے تھے آپ نے بتوں کی موجودگی میں بیت اللہ کے اندر داخل ہونے سے اعراض فرمایا اور حکم دیا کہ ان کو نکال باہر کرو۔ چنانچہ تمام مجسمے باہر نکال دیئے گئے۔ ان مورتوں میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دو صورتیں بھی تھیں جن کے ہاتھوں میں جوئے کے تیر تھے۔ آپ نے فرمایا خدا ان بت تراشوں کا برا کرے انھوں نے یہ جانتے ہوئے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل (علیہما السلام) نے قرعہ کے تیروں کے ذریعہ سے کبھی کوئی تقسیم نہیں کی تھی ان کے بتوں کے ہاتھوں میں جوئے کے تیر تھما رکھے ہیں (بخاری)

روغنی تصویروں کے محو کرنے کا کام

حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مصلح عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بطحاء سے بلا بھیجا اور حکم دیا کہ کعبہ کے اندر جس قدر تصویریں ہیں وہ انھیں محو کر دیں چنانچہ انھوں نے معًا اس حکم کی تعمیل کی۔ پس صورتوں کے محو کرنے والے حضرت عمرؓ تھے (ابوداؤد و ابن سعد)۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو وہ روغنی تصویریں محو کرانے کا کام سپرد کیا ہوگا جو دیواروں پر بنی تھیں لیکن

مجسمے ان کی آمد سے پہلے ہی بیت اللہ سے خارج کیے جا چکے ہوں گے۔

کعبۃ اللہ میں داخلہ

ان آلائشوں سے کعبۃ اللہ کی تطہیر ہو چکی تو آپ نے حضرت عثمان بن طلحہؓ سے جو کعبہ کے کلید بردار تھے کنجی لی اور دروازہ کھلوا کر اندر داخل ہوئے۔ حضرت بلالؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت عثمان بن طلحہؓ بھی آپ کے ساتھ اندر گئے پھر دروازہ بند کر دیا گیا۔ آپؐ نے کعبہ کے ستونوں کے درمیان دو رکعت نماز پڑھی۔ ان ایام میں کعبہ کے چھ ستون تھے (بخاری)

اذان اور نماز باجماعت

جب نماز کا وقت آیا تو حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم ہوا حضرت بلالؓ کی آواز بڑی بلند اور نہایت دل کش تھی۔ اس پُرعظمت صدا نے اہلِ مکہ پر وجد کی سی کیفیت طاری کر دی۔ چونکہ یہ پہلی اذان مکہ معظمہ میں غلبۂ اسلام کا اعلان کر رہی تھی اس لیے ہر دل اسلامی عظمت کے سامنے سرنگوں تھا۔ خدا کی قدرت! وہ حریم قدس جو ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے ہاتھوں خدائے واحد کی عبادت کے لیے تعمیر ہوا تھا، وہ صدیوں تک مرکزی بت خانہ رہنے کے بعد پھر نغمۂ توحید سے گونجا اور ازسرِ نو اسلام و ایمان سے روشناس ہوا۔ (ابن سعد)۔ اب تمام صحابہ کرامؓ جمع ہو چکے تھے سب نے بلاخوف و خطر نماز باجماعت ادا کی (ابن خلدون)۔

فصل ۱۶ - دربارِ عام اور عفوِ عمیم کا اعلان

خطبہ

اس کے بعد آپ نے مسجد الحرام میں دربار منعقد کیا۔ اس وقت مسجد میں بڑا ہجوم تھا۔ شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انبوہِ عظیم کے سامنے ایک نہایت مؤثر تقریر کی، جس کا خلاصہ یہ ہے: لوگو! تمام تعریفیں صرف خدا ہی کے لیے ہیں۔ اس ذاتِ برتر کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ وہ اپنی ذات اور صفات میں یگانہ ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا وہی محبت کرنے کے لائق ہے۔

اس کے بعد فرمایا دیکھو اس خدائے قدیر نے مجھ سے فتح و نصرت کا جو وعدہ فرمایا تھا اور جس کو میں تمہیں سنا سنا کر قبولِ اسلام کی ترغیب دیا کرتا تھا وہ آج اس نے پورا کر دیا۔ اس نے اپنی رحمت سے اپنے بندے کی تائید و یاری کی۔ اس نے تمام مخالف جماعتوں اور طاقتوں کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ باطل کے تمام بُت ٹوٹ پھوٹ گئے اور حق کا بول بالا ہوا۔ خدائے مبین نے غرورِ جاہلیت اور نسبی افتخار مٹا دیا۔ ربّ العزت کے نزدیک معزّز و شریف وہی ہے جو متقی و پرہیزگار ہے۔ گناہوں اور ذمائمِ اخلاق سے بچتا ہے۔

مجرموں کا اجتماع

توحید اور اسلامی اُصُول و تعلیمات کا مختصر سا خاکہ پیش کرنے کے بعد آپ نے مجمع کو غور سے دیکھا۔ اس وقت قریش کے اکثر بڑے بڑے، گردن فراز رؤسا آپ کے سامنے تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے آپ کو اور آپ کے خاندان کو تین سال تک ایک درّے میں محصور کر کے آب و دانہ تک بند کر دیا تھا اور ایک دانہ اناج تک نہیں پہنچنے دیتے تھے۔ وہ خدا ناترس بھی حاضر تھے جو آپ کے غریب پیروؤں کو محض اس "جرم" کی پاداش میں دہکتے ہوئے کوئلوں پر گھسیٹا کرتے تھے کہ انہوں نے آپ کی متابعت کیوں اختیار کی۔ وہ مغرور ہستیاں بھی موجود تھیں جو اسلام اور داعئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو صفحۂ ہستی سے محو کر دینے کی قسمیں کھا چکی تھیں۔

ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کی تشنہ لبی خونِ رسالت کے سوا کسی اور چیز سے تسکین نہیں پا سکتی تھی اور آپ کی حیاتِ طیبہ کی شمعِ گیتی افروز کے گل کرنے کے لیے کاشانۂ اقدس کا رات بھر محاصرہ کیا تھا اور وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ منورہ کی دیواروں سے آ آ کر ٹکراتا رہتا تھا اور انہوں نے دار الہجرت میں بھی اہلِ ایمان پر سکھ کی نیند حرام کر دی تھی۔ یہ سب مجرم سرافگندہ سامنے تھے۔ پیچھے دس ہزار خون آشام تلواریں شہنشاہ عرب و عجم کے ایک اشارے کی منتظر تھیں۔

مجمع سے ایک سوال

آپ نے ان سب کی طرف دیکھا اور شاہانہ جلال کے ساتھ ان سے دریافت فرمایا کیا تمہیں کچھ معلوم ہے کہ اب میں تمہارے ساتھ کیا

سلوک کرنے والا ہوں ؟ یہ سُن کر اہل مکہ پر سناٹا چھا گیا اور ہر شخص کو یقین ہو گیا کہ ابھی قتل عام کا حکم دیں گے۔ آپؐ نے فرمایا بتاؤ تم لوگ مجھ سے کس بات کی توقع رکھتے ہو ؟

بعض عمائد مکہ نے جواب دیا ہماری فردِ قرار دادِ جرائم تو ایسی نہیں کہ کسی بخشش کی اُمید ہو سکے لیکن آپ صاحب لطف و کرم ہیں۔ کریم کے بیٹے، کریم کے بھتیجے ہیں اور ہم پر ہر طرح سے قدرت رکھتے ہیں"۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں آج تمہارے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔ میں بھی حضرت یوسف صدیق (علیہ السلام) کی طرح تم سے کہتا ہوں :

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝	آج تم پر کوئی الزام اور مواخذہ نہیں۔ خدائے برتر تمہارے قصور معاف کرے اور وہی ارحم الراحمین ہے۔

(صحیح بخاری و تاریخ محمد بن جریر طبری)۔

فصل ۱۷۔ فتح مکہ پر ایک غیر مسلم کا اظہار خیال

فتح مکہ کے عنوان سے ایک مستشرق مسٹر ڈیون پورٹ اپنی کتاب اپالوجی فار محمدؐ اینڈ دی قرآن میں لکھتے ہیں :

"جب کوئی مشرقی بادشاہ فتح مند ہوتا ہے اور کسی قلعہ یا شہر میں داخل ہوتا ہے تو گویا اس کا یہ داخلہ قتل عام کا حکم رکھتا ہے۔ مسلح اور غیر مسلح، مجرم اور غیر مجرم سب خنجر خونخوار کے حوالے کر دیے جاتے ہیں۔ لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی ایسا نہ کیا۔ آپ چند خاص مجرموں کے سوا سب کو امن دیتے تھے اور ان مجرموں میں سے بھی اکثر کی خطائیں معاف کر دیتے تھے"۔

اس کے بعد مسٹر ڈیون پورٹ لکھتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خانۂ خدا کو ان خوبصورت

لفاظ کے ساتھ بتوں سے پاک کیا کہ "حق آیا اور باطل مٹا" اور در اصل آپ تطہیر کعبہ ہی کے لیے کہ آئے تھے۔ تین سو ساٹھ بُت جو سید ھے کھڑے تھے آپ نے ایک دوسرے کے بعد توڑ ڈالے۔ اور جب مقصد تطہیر حاصل ہو چکا تو پھر آپ نے اپنے مفتوحہ شہر میں نہ کوئی تخت قائم کیا اور نہ اپنی فتح کی یادگار میں کوئی محل بنوایا حالانکہ مکہ آپ کے آباؤ اجداد کا شہر، قوم کا دار الحکومت اور اپنے دین کا مرکز و مستقر تھا۔ آپ یہاں سے چل کر اسی شہر کو چلے گئے جہاں سے آئے تھے اور حسب سابق اپنے اسی جھونپڑے (حجرۂ مسجد) میں جا کر رہنا شروع کر دیا جو ان لوگوں کی ہمسائیگی میں واقع تھا جنھوں نے مشکلات کے وقت آپ کا ساتھ دیا تھا۔" (اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن مطبوعہ لندن۔ صفحہ ۱۴۰)۔

فصل ۱۸۔ فتح مکہ کے بعد اسلام کی فوری ترقی

عفوِ عام اور کریمانہ سلوک کا اثر

حضرت ابو ہریرہ رض کا بیان ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قریش جیسے موذی اعداء کو عفو عام کا پیغام سنایا اور نہایت کریمانہ سلوک کیا تو اس نے ہر کس و ناکس کو اسلام کا گرویدہ بنا دیا اور لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کے لیے چاروں طرف سے اس طرح اُمنڈ آئے جس طرح قیامت کے دن لوگ قبروں سے نکل نکل کر ہجوم کریں گے۔ چنانچہ آپ کے قیام مکہ کے ایام میں نہ صرف شہر مکہ کی بہت بڑی اکثریت سعادتِ اسلام سے بہرہ اندوز ہو گئی بلکہ گرد و نواح کے سیکڑوں ہزاروں آدمی بھی روزانہ آ آ کر نعمتِ اسلام سے مشرف ہوتے رہے۔ اسی اہم تاریخی واقعہ کا قرآن پاک نے ان الفاظ میں تذکرہ فرمایا ہے:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَ	جب خدا کی مدد آ پہنچی اور (مکہ) فتح (ہو گیا)
رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ	تو آپ نے لوگوں کو دیکھ لیا کہ دینِ حق میں جوق
دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ	جوق داخل ہو رہے ہیں۔

قبائلِ عرب قریش کے قبولِ اسلام کے منتظر تھے

اصل یہ ہے کہ کعبہ معلّٰی اسلام کی طرح عہد

جاہلیت میں بھی مقدس مقام سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ قریش کعبہ کے متولی اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہونے کے باعث تمام عرب کے سردار اور پیشوا مانے جاتے تھے اور ملک کی ہر تحریک میں ان کی رہنمائی مسلّم تھی اس لیے تمام قبائل عرب قریش کے قبول اسلام کے منتظر تھے۔ اہل قبائل کہا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کی قوم قریش پر چھوڑ دو۔ اگر انھوں نے اپنی قوم کو مغلوب کرلیا تو بلاشبہ سچے پیغمبر ہیں"۔ پس جب قریش نے اپنی قسمت دامن اسلام سے وابستہ کردی تو عرب کے ہر قبیلہ نے قبول اسلام میں مبادرت اور پیش دستی کی (بخاری)۔

"لوگوں" سے مراد بُت پرست ہیں

حسب بیان حسن بصری "جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو اعراب کہتے تھے کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے مکہ فتح کرلیا ہے حالانکہ خدائے حفیظ نے اس کو اصحاب الفیل سے بچایا تھا۔ پس کسی کے لئے اب جہل و حجت کی گنجائش نہیں رہی کہ وہ آپ کو خدا کا فرستادہ نہ سمجھے"۔ پس وہ دین اسلام میں انبوہ در انبوہ داخل ہونے لگے۔ اور امام ابن عبد البرؒ نے فرمایا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک رحلت فرمانے نہ پائے جب تک عرب کا ہر متنفس اسلام میں داخل نہ ہو گیا"۔ لیکن حسب بیان ابن عطیہ اس سے یہ مراد ہے کہ عرب کا کوئی بُت پرست مشرف باسلام ہونے سے پیچھے نہ رہ گیا۔ ورنہ میرا خیال ہے کہ بنو تغلب کے نصاریٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حین حیات اسلام نہ لائے تھے۔ انہوں نے صرف جزیہ دینا قبول کیا تھا۔ بلکہ بعض نے تو پوری بصیرت سے لکھا ہے کہ بنو تغلب نے عہد نبوی میں اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ پس آیت وَرَاَیۡتَ النَّاسَ میں لوگوں سے مراد عرب کے بُت پرست ہیں جیسے مکہ، طائف، یمن، ہوازن وغیرہ مقامات کے باشندے (روح المعانی)

فصل ۱۹۔ قریش سے مہاجروں کے مکان خالی کرنے کا مطالبہ

جب مکہ معظمہ سے مظلوم صحابہ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی تو اس وقت وہ جس قدر اثاث البیت چوری چھپے لیجا سکتے تھے لے گئے تھے اور مکہ میں ان کے مکان بالکل خالی پڑے تھے۔ ان کے

جانے کے بعد زعمائے قریش نے ان کے تمام مملوکات پر قبضہ جما لیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ اہل مکہ سے مہاجروں کے مکان خالی کرائے جائیں۔

ابو احمدؓ کا مطالبہ

آنحضرت کی پھوپی کے بیٹے اور ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت ابو احمدؓ کا مکان ابوسفیان بن حربؓ نے ابن علقمہ عامری کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ حضرت ابو احمدؓ نے سب لوگوں کے سامنے اپنے مکان کا مطالبہ کیا۔ لیکن حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عثمان ذوالنورینؓ کو بلا کر ان سے کوئی بات آہستہ سے کہہ دی اور انہوں نے وہی بات ابو احمدؓ کے کان میں کہی چنانچہ اس کے بعد وہ اپنے مکان کے متعلق کبھی ایک لفظ بھی زبان پر نہ لائے۔

مکان کے عوض خلد بریں میں قصر رفیع کا وعدہ

آخر عہد خلافت میں ان کی اولاد کی زبانی معلوم ہوا کہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی وساطت سے ابو احمدؓ کو یہ پیغام دیا تھا کہ اگر تم اپنے مکان کا دعویٰ چھوڑ دو تو میں تمہارے لیے اس کے عوض میں خلد بریں میں ایک قصر رفیع کا ضامن ہوتا ہوں (طبقات ابن سعد)۔ بعض دوسرے حضرات نے بھی اپنے اپنے مکانات کی نسبت بارگاہ نبوتؐ میں عرض معروض کی لیکن آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ آخر جب انہیں بتایا گیا کہ آنجناب ان جایدادوں کی نسبت جو ہجرت کے بعد قریش کے قبضہ و تصرف میں چلی گئی تھیں اب کوئی تذکرہ پسند نہیں فرماتے تو سب نے خاموشی اختیار کی (سیرت ابن ہشام)۔

اہل مکہ کو پریشان نہ کرنے کی مصلحت

اور اصل یہ ہے کہ مہاجرین کرام نے ترک وطن کے بعد مدینہ منورہ میں آہستہ آہستہ بقدر ضرورت اپنے اپنے مکانات بنوا لیے تھے اور مکہ میں واپس آنے کا ارادہ نہیں تھا اس لیے اب انہیں کی جائدادوں کی کوئی احتیاج بھی نہیں تھی۔ اس وجہ سے مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہ فرمایا کہ آٹھ نو سال کے پرانے مطالبے درمیان میں لا کر اہل مکہ کو پریشان کیا جائے کیونکہ ہضم شدہ طعمہ کا

اُگلنا تکلیف دہ ہوتا ہے۔

لڑکوں کے لیے برکت کی دُعا

شفیقِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف قریش کے خلاف تمام مطالبات مسترد فرما دیئے بلکہ ان میں سے جس جس نے جو جو درخواست کی اس کو بھی از راہ نوازش شرفِ قبول بخشا۔ فتح مکہ کے بعد وہی اہل مکہ جنہوں نے آپ کو اور آپ کے جاں نثاروں کو انتہائی اذیتیں دے دے کر شہر بدر کیا تھا (حصولِ برکت کے لیے) اپنے اپنے لڑکوں کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ آپ ان لڑکوں کے لیے برکت کی دعا کرتے اور ان کے سر پر دستِ مبارک پھیرتے تھے (ابو داؤد)۔

فصل ۰۲- ابوسفیان پر نوازشیں

آنحضرت سے ابوسفیان کی قرابت

حضرت سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم بن عبد مناف اور ابوسفیان بن حرب کے پردادا عبد شمس بن عبد مناف حقیقی بھائی تھے۔ ہاشم کی اولاد بنو ہاشم یا ہاشمی کہلائی اور عبد شمس کی اولاد کی ایک شاخ اس کے ایک بیٹے اُمیّہ کی طرف منسوب ہو کر بنو اُمیّہ یا اُموی کے نام سے مشہور ہوئی۔ قریش میں یہ دو قبیلے سب سے زیادہ ممتاز تھے لیکن بدقسمتی سے ان دونوں میں خاندانی رقابت پیدا ہو گئی تھی جو زمانۂ دراز تک قائم رہی۔

بنائے رقابت

پیغمبر علیہ السلام کے دادا عبد المطلب بن ہاشم نے اپنے زور اور اثر سے ہاشمیوں کا پلّہ بھاری کر دیا تھا اور یہ فوقیت و برتری عبد المطلب کی زندگی میں برابر قائم رہی تھی لیکن ان کی وفات کے بعد ہاشمیوں کے رتبہ امتیاز میں زوال آ گیا کیونکہ ان کا کوئی بیٹا ان صفات کا حامل نہ تھا جو عبد المطلب کی ذات میں ودیعت کیے گئے تھے اس بنا پر اُمیّہ اور اس کی اولاد اثر و رسوخ میں ہاشمیوں سے گوئے سبقت لے گئی۔ چونکہ آخری حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی کامیابی کو اپنے رقیب بنو ہاشم کی کامیابی اور

فتح یقین کرتے تھے اس لیے وہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں سب سے پیش پیش رہے

عداوتِ رسولؐ میں ابوجہل کی قائم مقامی

بنو اُمیہ اور ان کے ہوا خواہوں نے آغازِ بعثت سے لے کر فتح مکہ تک اٹھارہ بیس برس کی مدت میں لاکھ جتن کیے کہ کسی طرح ان روحانی فیاضیوں کے بادل روک دیں جو دنیا پر آبِ حیات برسا رہے تھے۔ اور اس نورِ سعادت کو بجھا دیں جس کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیل رہی تھی لیکن ناکام رہے۔ آخر بعض تو اسی کوشش میں نذرِ اجل ہو گئے، اور جو بچے انہوں نے انجام کار اپنی قسمت اسلام کے دامنِ سعادت سے وابستہ کر دی۔ پیغمبر ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن ابوجہل جنگِ بدر میں نہنگِ اجل کا شکار ہوا تو ابوسفیان بن حرب نے جو اُمیہ کے پوتے تھے عداوتِ رسول علیہ السلام میں اس کی قائم مقامی اختیار کر لی۔ غزوۂ اُحد سے فتح مکہ تک اسلام کو جس قدر معرکے پیش آئے وہ زیادہ تر ابوسفیان ہی کی فتنہ پردازی اور جنگ جوئی کا نتیجہ تھے۔ الغرض معرکۂ بدر کے بعد ابوجہل اور تمام دوسرے مشہور دشمنانِ دین کی معاندانہ سرگرمیاں صرف ایک ابوسفیان کی ذات میں جمع ہو گئی تھیں۔

اسلام دشمنی کا ایک واقعہ

ابوسفیان کی عداوتِ رسول کا ایک افسوس ناک واقعہ ملاحظہ ہو: قبیلہ بنو حارث بن عبد مناۃ کا ایک آدمی جو حُلَیس بن زبان کے نام سے مشہور تھا غزوۂ اُحد کے اختتام پر ابوسفیان بن حرب کے پاس سے گزرا۔ اس نے دیکھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعشِ اطہر پڑی ہے اور ابوسفیان ان کے جبڑے پر نیزہ مار مار کر کلیجہ ٹھنڈا کر رہا ہے اور بار بار کہہ رہا ہے ہاں تو نے مزہ چکھا؟" حُلَیس نے پکار کر کہا اے بنوکنانہ! دیکھو قریش کا یہ سردار اپنے چچا کے بیٹے کی لاش کے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہے؟ ابوسفیان نے حُلَیس سے کہا ارے شور نہ مچا۔ یہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے (سیرت ابن ہشام مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۹۸-۹۹)

اب دیکھنا یہ ہے کہ دنیا کے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے قابو پانے پر ابوسفیان سے

کیا کیا مربیانہ سلوک کیے۔

ابوسُفیان پر نظرِ عنایت

عفو و درگذر کا ایک واقعہ چوتھی فصل میں گزر چکا ہے۔ مکہ معظمہ میں فاتحانہ داخلہ کے بعد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے مکان کو جس کے اندر کسی زمانہ میں مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہوا کرتی تھیں اور ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے مشورے ہوتے تھے، اس اعلان کے ساتھ دارالامن قرار دیا کہ مکہ کا جو آدمی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے امان ہے (صحیح مسلم)۔ فتح مکہ کے بعد ابوسفیان بن حرب بارگاہ نبوی میں عرض پیرا ہوئے یا رسُولَ اللہ! آپ میرے بیٹے معاویہؓ کو اپنا منشی (کاتبِ وحی) مقرر فرما دیں۔ آپ نے اس درخواست کو شرفِ قبول بخش کر انہیں اپنا منشی مقرر فرمایا (صحیح مسلم) معاویہؓ فتح مکہ سے پہلے مشرف بایمان ہو چکے تھے۔ غزوۂ حنین کے مالِ غنیمت میں سے آپ نے ابوسفیان اور ان کے دونوں بیٹوں یزید اور معاویہ کو چالیس چالیس اوقیے چاندی اور سَو سَو اونٹ عطا فرمائے تھے۔

ابنِ حرب کی منات شکنی

ابوسفیان نے مرالظہران کی منزل پر کلمۂ شہادت پڑھ کر اپنے اسلام کا جو اظہار کیا تھا وہ تو محض مصلحتِ وقت پر مبنی تھا۔ لیکن فتح مکہ کے بعد رسولِ خدا کی شانِ عفو و رحمت نوازی سے متأثر ہو کر وہ پکے اور سچے مسلمان ہو گئے اور انہیں آپ کے سرچشمۂ فیض سے استفادہ کا کافی موقع ملا۔ شرفِ اسلام کے بعد ان کی رگ رگ میں جہاد فی سبیل اللہ کا خون دوڑنے لگا۔ چنانچہ آپ کے قیامِ مکہ ہی کے دوران میں عرض کرنے لگے یا رسُولَ اللہ! جس طرح میں حالتِ کفر میں مسلمانوں کے خلاف رزم خواہ رہا ہوں، اسی طرح اب بقیۃ العمر دشمنانِ اسلام کے خلاف معرکہ آرا رہوں گا (صحیح مسلم)۔ آپ نے انہیں عربوں کے مشہور معبود بُت مناۃ کے انہدام کا حکم دیا وہ جا کر اس کو منہدم کر آئے (اصابہ)۔

معبود بتوں کو غزوۂ اُحُد میں ساتھ لے جانے والے

حضرات! یہ بُت شکن ابوسفیان وہی بُت پرست ابوسفیان بن

ہیں جو جنگِ اُحد میں اپنے دو معبود بتوں لات اور عزّیٰ کو ساتھ لے گئے تھے (تاریخ محمد ابن جریر طبری) اور جنگ کے خاتمہ پر یہ رجز پڑھ رہے تھے۔ اے ہُبل! (نام بت) تیرا بول بالا ہو۔ اے ہُبل! تیری عظمت زیادہ ہو۔ اور صحابۂ کرام نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ اللہ ہی بزرگ و برتر ہے۔ یہ سن کر ابوسفیان نے صحابۂ کرامؓ کو طعنہ دیا تھا کہ ہمارا عُزّیٰ (بت) ہے اور تمہارا کوئی عُزّیٰ نہیں اور اصحاب رسولؐ نے جواب دیا تھا کہ خدا ہمارا آقا و مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی آقا و مولیٰ نہیں (بخاری))۔

باب یازدہم

مکّہ کے تیرہ گردن زدنی مجرموں کی جاں بخشی

بابِ سابق میں لکھا گیا تھا کہ فتح مکہ کے دن مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کے سولہ مجرموں کی نسبت حکم دیا تھا کہ جہاں کہیں ملیں قتل کر دیے جائیں۔ ان میں سے تین تو اسی دن موت کے گھاٹ اتار دیے گئے اور تیرہ کو مختلف اوقات میں معاف کر دیا گیا۔ ذیل میں ان تیرہ مجرموں کی جاں بخشی کے واقعات معرضِ تسوید میں آتے ہیں جن کے جرائم کی سیاہی کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آبِ عفو و بخشش نے محو کر دیا۔

فصل اوّل۔ وحشی قاتل حمزہ رضؓ کو معافی!

سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عمِ محترم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت تھی۔ جنگ اُحد میں وحشی نام ایک شخص نے انھیں نہایت بے دردی سے جامِ شہادت پلایا تھا لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جُرم معاف کر دیا۔

اس المناک حادثہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت حمزہ رضؓ کی شمشیرِ خارا شگاف نے غزوۂ بدر میں متعدد صنادیدِ قریش کو جرعۂ مرگ پلایا تھا اس لیے مشرکینِ قریش سب سے زیادہ حضرت حمزہ رضؓ کے

خون کے پیاسے تھے۔ حضرت حمزہؓ نے مکہ مکرمہ کے ایک رئیس جبیر بن مطعم بن عدی کے چچا طعیمہ بن عدی کی بھی جان لی تھی۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ ان دنوں مخالفین اسلام کے زمرہ میں داخل تھے۔ ان کا ایک قوی ہیکل غلام تھا جو وحشی کے نام سے مشہور تھا۔ جب وحشی جنگ اُحد میں شریک ہونے کے لیے مکہ معظمہ سے چلا تو جبیر وحشی سے کہنے لگے کہ حمزہؓ نے میرے چچا طعیمہ کو جنگ بدر میں قتل کیا تھا۔ اگر تم اس لڑائی میں حمزہؓ کی جان لے کر میرے چچا کا بدلہ لے سکو تو تمہیں آزاد کر دوں گا (بخاری)۔

اسی طرح جب ابوسفیان بن حرب کی بیوی ہند بنت عتبہ بن ربیعہ نے سنا کہ وحشی بھی مسلمانوں کے مقابلہ میں جا رہا ہے تو وہ بھی وحشی سے جا کر کہنے لگی کہ حمزہؓ نے جنگ بدر میں میرے باپ عتبہ کی جان لی تھی۔ اگر تم حمزہؓ کو قتل کر کے میرے باپ کا بدلہ لے دو تو تمہیں بہت کچھ حق خدمت دوں گی۔" ان تحریکات کی بنا پر وحشی کی یہ بڑی عزیز خواہش تھی کہ کسی طرح حضرت حمزہؓ پر قابو پا کر انہیں جرعۂ مرگ پلا سکے۔ غزوہ بدر میں قریش مکہ کے ستر آدمی مارے گئے تھے جن میں زیادہ تر قریش کے سردار اور مکہ معظمہ کے رؤساء اور متمول لوگ تھے۔ اس لیے اہل مکہ جوش انتقام سے لبریز تھے۔

جنگ اُحد کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں قریش مکہ کے بڑے بڑے معزز گھرانوں کی خواتین بھی شامل تھیں جن میں سے قابل ذکر یہ ہیں:

(۱) ابوسفیان بن حرب کی بیوی ہند (مادر امیر معاویہؓ)۔

(۲) عکرمہؓ بن ابوجہل کی بیوی اُم حکیمؓ۔

(۳) خالد بن ولیدؓ کی ہمشیر فاطمہ بنت ولید۔

(۴) عمرو بن عاصؓ فاتح مصر کی بیوی ریطہ۔

(۵) مصعب بن عمیرؓ کی والدہ خناس بنت مالک۔

(۶) حضرت عروہ بن مسعود ثقفی کی بہن عائشہؓ کی بہن عمرہ۔

خاتونانِ قریش کی رجز خوانی

طبل جنگ کے بجائے سب سے پہلے خاتونانِ قریش دف پر گاتی ہوئی اُحد کے میدانِ جنگ کی طرف بڑھیں۔ ان اشعار میں کشتگانِ بدر کا ماتم اور مسلمانوں کے انتقام لینے کے رجز تھے۔ ابوسفیان بن حرب کی بیوی ہند نے چودہ قریشیہ عورتوں کے جھرمٹ میں اشعار گانے شروع کیے جن کا ترجمہ یہ ہے:

"ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں۔ ہم قالینوں پہ چلنے والی ہیں۔ اگر تم آگے بڑھ کر لڑو گے تو ہم تمہیں گلے لگائیں گے، اور اگر پیچھے کو قدم ہٹایا تو ہماری تمہاری مفارقت ہے"۔

ان ایام میں عرب کے اندر مبارزوں میں ثابت قدمی اور ولولہ جنگ پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی عورتیں ہوتی تھیں۔ اس وجہ سے جن معرکوں میں قومی عزت و ذلت کا سوال درپیش ہوتا تھا ان میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ جاتی تھیں۔ جب عورتیں رجزیہ اشعار گاتی تھیں تو عرب جانوں پہ کھیل جاتے تھے کہ اگر شجاعت اور اولوالعزمی کا ثبوت نہ دیا تو عورتیں بزدلی کا طعنہ دیں گی۔ چونکہ اس وقت تک خواتینِ اسلام کے لیے پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لیے غزوۂ اُحد میں چند مسلم خواتین مثلاً اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت فاطمہ زہراءؓ، حضرت انسؓ کی والدہ اُمّ سلیمؓ، حضرت ابوسعید خُدریؓ کی والدہ محترمہ اُم سُلیطؓ اور ایک بہادر انصاریہ خاتون عُمارہؓ بھی آئی تھیں۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں نے اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ اور اپنی والدہ اُمّ سلیمؓ کو دیکھا کہ پائینچے چڑھائے ہوئے مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ مشک خالی ہو جاتی تھی تو پھر بھر لاتی تھیں۔ (ابن ہشام وغیرہ)

حضرت حمزہؓ عمِ رسولؐ کا سانحۂ شہادت

جب غزوۂ اُحد میں دونوں لشکر صف آرا ہوئے تو قریش کی طرف سے ایک بڑا شجاع اور دیو ہیکل آدمی سباع بن عبدالعزّٰی خزاعی میدان میں نکلا اور مسلمانوں کو للکارا کہ تم میں کوئی ہے جو میرے مقابلہ پر آئے؟ ان دنوں کی لڑائیوں میں ابتداءً دونوں طرف سے ایک ایک آدمی نکلتا اور دادِ شجاعت دیا کرتا تھا۔ حضرت حمزہؓ اس کے مقابلہ پر شیرِ مست کی طرح نکلے اور اس سے کہنے لگے "سباع! کیا تو خدا

اور اس کے برگزیدہ رسول ؐ سے جنگ کرتا ہے؟ اس کے بعد اس پر حملہ آور ہوئے اور اسے ایک ہی وار میں شہرِ خموشاں میں پہنچا دیا۔ سباع کی ہلاکت کے بعد لشکر قریش میں کوئی ایسا شجاع نہیں تھا جو حضرت حمزہ کے مقابلہ کی جرأت کرتا۔ جناب حمزہؓ تن تنہا قریش کی صفوں کی طرف بڑھے اور ایک ہی حملے میں لشکر اعداء کو زیر و زبر کر دیا۔ اس وقت ان کے دونوں ہاتھوں میں تلواریں تھیں اور دونوں تلواروں سے لشکر قریش کا ستھراؤ کر رہے تھے۔ وحشی ایک چٹان کے نیچے گھات میں بیٹھا ہوا حضرت حمزہؓ کا انتظار کر رہا تھا۔ وحشی حربہ خوب پھینکتا تھا اور اس کے وار بہت کم خالی جاتے تھے۔ سوءِ اتفاق سے حضرت حمزہؓ جو وحشی کی کمین گاہ سے بے خبر تھے اس چٹان کے قریب سے گزرے۔ وحشی نے معاً اپنا حربہ اس زور سے پھینک کر مارا کہ زیرِ ناف میں لگ کر پار ہو گیا۔ (بخاری و ابن سعد)

باوجودیکہ اسی ایک وار نے ان کا کام تمام کر دیا تھا تاہم یہ شیرِ خدا وحشی کی طرف لپکا۔ وحشی اُٹھ بھاگا۔ اتفاق سے حضرت حمزہؓ کو سرِ راہ ایک پتھر کی ٹھوکر لگی اور وہ گر پڑے۔ یہ دیکھ کر قریش کی عورتوں نے خوشی کے ترانے گائے۔ چند صحابہ انھیں زمین پر دیکھ کر وہاں پہنچے اور انہیں ابو عُمارہ کہہ کر جو ان کی کنیت تھی پکارنے لگے۔ حضرت حمزہؓ نے کوئی جواب نہ دیا۔ سمجھ گئے کہ روضۂ رضوان میں پہنچ گئے۔ وحشی دور کھڑا رہ کر اس بات کا منتظر تھا کہ لوگ چلے جائیں۔ جب تمام حضرات وہاں سے چلے آئے تو وحشی نعش اطہر کے پاس پہنچا اور اپنے حربہ سے حضرت حمزہؓ کا شکم مبارک چاک کر کے ان کا دل نکالا اور ہند کے پاس لے گیا۔ ہند اس "تحفہ" کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی اپنے تمام زیور اور بعض بیش قیمت ملبوسات دے کر وحشی سے کہنے لگی کہ مکہ چل کر تمہیں دس دینار زرِ سُرخ اور انعام دوں گی۔ اس کے بعد وحشی سے کہا ذرا چل کر مجھے حمزہ کی لاش تو دکھا۔ ہند اپنی ہمجولیوں سمیت وہاں پہنچی اور سید الشہداء کے دونوں کان اور ناک اور بعض دوسرے اعضاء کاٹ کر لے گئی (ابن سعد، مدارج النبوت)۔

جب محاربہ ختم ہو گیا اور قریش نے میدانِ جنگ خالی کر دیا تو مسلمان اپنے مقتولوں کی

تلاش کرنے لگے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے چچا کا پتہ لگاؤ، ان کی نعش کہاں ہے؟ حضرت علی مرتضیٰؓ تلاش کرتے کرتے سید الشہداءؓ کی نعش پر پہنچے لیکن چونکہ ہند بنت عتبہ نے ناک، کان کاٹ کر نہایت وحشت ناک صورت بنا دی تھی اس لیے بمشکل پہچان سکے اور اپنے عم محترم کو اس دردناک ہیئت پر دیکھ کر رونے لگے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر صورت حال عرض کی۔ آپ حضرت علیؓ کے ساتھ وہاں تشریف لائے اور یہ دردناک منظر دیکھ کر بے اختیار دل بھر آیا۔ آپؐ نے نعش اطہر سے خطاب کر کے فرمایا، تم پر خدا کی رحمت ہو، تم اقربا کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے، نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔ اگر مجھے پھوپھی صفیہ کے رنج و غم کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہیں اسی وحشت ناک حالت میں چھوڑ دیتا کہ درند اور پرند کھا جائیں اور تم قیامت کے دن انہی کے شکموں سے اٹھائے جاؤ (ابن سعد)

ہند کا یہ وحشیانہ اقدام قریش کے لیے اسوۂ عمل بن گیا۔ چنانچہ انہوں نے تمام شہیدان حق کے کان، ناک، پیٹ اور بعض دوسرے اعضاء کاٹ ڈالے۔ البتہ حضرت حنظلہ بن عامرؓ کی نعش کے ساتھ یہ سلوک نہ کیا کیونکہ حضرت حنظلہؓ کا باپ عامر لشکر قریش میں ابوسفیان بن حرب کے ساتھ تھا (ابن سعد، مدارج)۔

انصار کا حلف اُٹھانا کہ ہم قریش کی لاشوں سے انتقام لیں گے

انصار مدینہ کو قریش کی اس درندگی اور بربریت کا علم ہوا تو قسمیں کھائیں کہ ہم جب کبھی موقع پائیں گے ایک ایک شہید کے بدلے ستر ستر مشرکوں کی لاشوں کے ناک کان اور دوسرے اعضاء کاٹیں گے"۔ چنانچہ جب فتح مکہ کے دن انصار نے قریشی مقتولوں کے ناک کان کاٹ کر دل کا بخار نکالنا چاہا تو معاً جبریل امین علیہ السلام پروردگار عالم عزاسمہٗ کی طرف سے یہ پیغام لیکر آئے:

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ۝ (۱۶: ۱۲۶)	اگر بدلہ لینا چاہو تو اسی انداز پر لو جس طرح کہ تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا اور اگر صبر کرو اور انتقام نہ لو تو صابروں کے حق میں یہی بہتر ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ نے انتقام کا خیال چھوڑ دیا اور فرمایا کہ ہم قضائے کردگار پر راضی ہیں (ترمذی، حاکم، ابن سعد)

جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحُد کے میدان میں اپنی پھوپھی حضرت صفیہؓ کو جو جناب حمزہؓ کی ہمشیر تھیں، دُور سے آتے دیکھا تو اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر بن عوامؓ کو بلا کر ہدایت کی کہ تم جا کر اپنی والدہ کو لوٹا دو تاکہ اپنے بھائی کی نعش کو اس حالِ زبوں میں نہ دیکھنے پائیں۔ حضرت صفیہؓ نے جواب دیا میں نے سنا ہے کہ میرے بھائی کے کان، ناک اور دوسرے اعضا کاٹے گئے ہیں۔ تم جا کر رسولِ خداؐ سے کہہ دو کہ میں ان شاء اللہ ضبط و تحمل سے کام لوں گی۔" حضرت زبیرؓ نے آکر اپنی والدہ محترمہ کا پیغام سنایا۔ یہ سن کر آپؐ نے اجازت دے دی۔ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراؓ بھی ساتھ تھیں۔ حضرت صفیہؓ بھائی کی نعش پر آئیں اور اتنا ضبط کیا کہ کچھ نہ بولیں۔ صرف اِنَّا لِلّٰہِ کہہ کر دُعائے مغفرت کرنے لگیں (اسد الغابہ)۔ البتہ حضرت فاطمہؓ ضبط نہ کر سکیں پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگیں اور ان کے گریہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اشکبار کر دیا (مدارج النبوۃ)۔

حضرت صفیہؓ اپنے فرزند زبیر رضی اللہ عنہ کو کفن کے لیے دو چادریں دے گئیں۔ لیکن حضرت حمزہؓ کے پہلو میں ایک انصاری کی لاش بھی بے گور و کفن پڑی تھی اس لیے دونوں شہیدانِ ملت میں ایک ایک چادر تقسیم کر دی گئی۔ جب ایک ایک چادر سے ان کے سر مبارک چھپائے جاتے تو پاؤں برہنہ ہو جاتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ چادروں سے چہرے چھپا دو اور پیروں پر گھاس اور پتے ڈال دو۔ خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت حمزہؓ پر نماز جنازہ پڑھائی اس کے بعد ایک ایک کر کے شہدائے اُحُد کے جنازے ان کے پہلو میں رکھے گئے اور آپؐ نے علیحدہ علیحدہ سب پر نماز پڑھائی۔ اس طرح قریباً ستر غازیانِ دین اسی میدان میں سپرد خاک کیے گئے (طبقات ابن سعد)

وحشی آستانۂ نبوت میں صحابۂ کرامؓ کی یہ بڑی عزیز خواہش تھی کہ کسی طرح وحشی ملے تو

اس سے حضرت حمزہؓ کا انتقام لیں۔ وحشی فتح مکہ کے دن طائف کو بھاگ گئے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد جب طائف کا ایک وفد مدینہ منورہ آنے کے لیے وہاں سے تیار ہوا تو لوگوں نے ان سے کہا کہ تم وفد کے ایک رکن کی حیثیت سے چلے جاؤ۔ چونکہ پیغمبرِ خدا ارکانِ وفد سے تعرض نہیں کرتے۔ تم بھی ہر طرح سے محفوظ رہو گے۔ وحشی اس وفد کے ہمراہ مدینہ طیبہ آئے اور جمالِ نبوت کا مشاہدہ کرتے ہی کلمۂ شہادت زبان پر لائے۔ ان پر آپ کی نظر پڑی تو فرمایا کہ کیا تم وحشی تو نہیں ہو؟ بولے ہاں یارسول اللہ! میں وحشی ہوں"۔ کوئی اور ہوتا تو اسی وقت نہنگِ شمشیر کے حوالے کرتا۔ لیکن دنیا کے مربیٔ اعظم علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا تمہارا قصور معاف ہے لیکن چونکہ تمہیں دیکھنے سے چچا حمزہؓ کے حادثۂ قتل کی یاد تازہ ہو جایا کرے گی اس لیے اگر ہو سکے تو آکر میرے سامنے کی طرف نہ بیٹھا کرو (بخاری و مدارج)

اس ارشاد کے بعد وحشی کبھی آپ کے سامنے نہ آئے بلکہ مجلس شریف میں حاضر ہوتے تو آپ کی پشت مبارک کی طرف بیٹھتے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشیؓ کو سامنے بیٹھنے سے اس لیے روک دیا کہ ان کو دیکھ کر مزاج مبارک میں تکدّر و انقباض پیدا نہ ہو۔ کیونکہ اس صورت میں وحشی آں سرورؐ کے فیوض و برکات سے محروم رہتے۔ اس میں آپ ہی کی راحت نہ تھی بلکہ وحشی کے لیے بھی راحت و تسکین کا سامان اور ذریعۂ ترقی تھا۔ اور ظاہر ہے کہ خطا کا معاف کر دینا اور ہے اور دل کا کھل جانا شے دیگر ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ عفوِ تقصیر کے ساتھ غنچۂ دل بھی کھل جائے۔

عہدِ صدیقی میں حضرت خالد بن ولیدؓ نے یمامہ کے خود ساختہ نبی مُسیلمہ کذّاب کے خلاف فوج کشی کی تو وحشیؓ بھی اس معرکہ میں صحابہ کے ساتھ یمامہ گئے۔ وحشی کا بیان ہے کہ مُسیلمہ ایک دیوار کے ساتھ کھڑا تھا۔ میں نے اُسے اپنا بھالا مارا اور اس کے سینے کے درمیان رکھ کر کندھوں سے پار کر دیا۔ پھر ایک انصاری نے دوڑ کر اس کی کھوپڑی پر تلوار ماری اور وہ ہلاک ہو گیا۔ وحشی کا بیان ہے کہ میں نے حالتِ کفر میں ایک بہترین ہستی (حضرت حمزہؓ) کی جان لی تھی لیکن اس کے بعد حالتِ اسلام میں ایک بدترین شخص (مسیلمہ) کو ہلاک کر کے پہلے جرم کی کسی حد تک تلافی کر دی۔

فصل ۲۔ ہند جگر خوار کی جرم بخشی

ہند بنت عُتبہ قُرشیہ ابوسفیان کی بیوی اور امیر معاویہؓ کی ماں تھیں۔ غزوۂ بدر میں ہند کا باپ، چچا اور بھائی تین آدمی ہلاک ہوئے تھے۔ چونکہ غزوۂ بدر کفار قریش پر سخت تباہی لایا تھا اس لیے سارا شہر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ شہر بھر میں کوئی گھر ایسا نہیں تھا جہاں صفِ ماتم نہ بچھی ہو۔ البتہ ایک گھر خاموش تھا اور وہ ہند زوجۂ ابوسفیان کا مکان تھا۔ جب لوگوں نے ہند سے پوچھا کہ تو اپنے باپ، چچا اور بھائی کو کیوں نہیں روتی؟ تو کہنے لگی کہ اگر آنسو میرے سینے سے رنج و غم کو دھو سکتے تو میں بھی روتی مگر کوئی گریہ ہند کے دردِ دل کا مداوا نہیں ہو سکتا۔ اور میں نے تو اس وقت تک نہ رونے کا عہد کر لیا ہے جب تک تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھیوں سے از سرِ نو جنگ کرنے کے لیے نہ نکلو۔"

اس عورت نے انتقامی جذبہ سے سرشار رہ کر جنگ اُحد میں رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے محبوب چچا سید الشہداء حمزہؓ کی نعش اطہر کے ساتھ جو بہیمانہ سلوک کیا اس کے تصور سے کلیجہ کانپ اُٹھتا ہے۔ جنگ اُحد میں ہند رجزیہ گیت گا گا کر قریش کا دل بڑھاتی اور انہیں مسلمانوں کے خلاف جوش دلاتی تھی۔ جب حضرت حمزہؓ کا طائرِ رُوح روضۂ رضوان کی طرف پرواز کر چکا تو ہند فوراً نعش اطہر کے پاس پہنچی۔ پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور اسی طرح کچا چبانے لگی۔ لیکن خوش مزہ نہ ہونے کی وجہ سے گلے سے نہ اُتر سکا اس لیے چبا چبا کر تھوکتی گئی اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ناک، کان اور بعض دوسرے اعضاء کاٹ کر ان کو اپنے گلے کا ہار بنا لیا۔ یہ حادثہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جس درجہ رنج افزا اور رُوح فرسا ہو سکتا تھا ظاہر ہے۔

جس دن مکہ معظمہ فتح ہوا اور عورتیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوئیں، ہند بھی نقاب اوڑھے عورتوں کے جھرمٹ میں شامل ہو گئی اور کوشش کی کہ آپ اسے پہچان نہ سکیں اور بے خبری میں بیعت اسلام کر کے امان حاصل کر لے۔ چنانچہ جب اسلام لے آئی

تو نقاب اُلٹ کر کہنے لگی یا رسول اللہ! میں ابوسفیان بن حرب کی بیوی ہند بنت عتبہ ہوں" آپ نے فرمایا اچھا ہوا تم نے اسلام قبول کیا۔ ہند اس کے بعد سخت گستاخانہ لہجے میں گفتگو کرنے لگی۔ لیکن آپ نے نہ تو اس کے گزشتہ جرائم کا کوئی ذکر کیا اور نہ اس کی شوخ چشمی پر کوئی مواخذہ فرمایا۔

ہند ان کریمانہ اخلاق سے متاثر ہو کر بے اختیار بول اُٹھی یا رسول اللہ! پہلے مجھے کسی خاندان کی ذلت آپ کے خاندان کی ذلت سے زیادہ محبوب نہ تھی لیکن اب روئے زمین پر کسی خاندان کی عزت آپ کے خاندان کی عزت وحرمت سے زیادہ محبوب نہیں۔ پہلے آپ سے بڑھ کر میرا کوئی دشمن نہ تھا لیکن اب دنیا میں آپ سے زیادہ مجھے کوئی ہستی محبوب نہیں۔ (بخاری و مدارج النبوت)۔

اس کے بعد جب ہند اپنے گھر پہنچیں تو اپنے تمام معبود بتوں کو توڑ پھوڑ کر باہر پھینکنے لگیں، اور غصہ سے بولیں تم ہی نے ہم لوگوں کو گمراہ کر رکھا تھا (ابن سعد)۔

اپنے بھائی کو بُرے دین کا طعنہ دینے والی ہند

غزوۂ بدر میں جو اسلام اور کفر کی سب سے پہلی آویزش تھی لشکرِ قریش کا قائدِ اعظم ہند کا باپ عتبہ بن ربیعہ تھا اور عتبہ کے فرزند ابو حُذیفہ صحابیؓ اسی جنگِ بدر میں اسلام کی حمایت میں جو ہر شجاعت دکھا رہے تھے۔ جب حضرت ابو حذیفہؓ کی بہن ہند بن عتبہ نے اپنے بھائی کو باپ اور دوسرے اقرباء کے خلاف لشکرِ اسلام کی تائید میں دادِ مردانگی دیتے دیکھا تو غصہ سے بے قابو ہو گئیں اور چند اشعار میں ان کو گالیاں دیں جن کا ترجمہ یہ ہے:

"احول، بڑے دانتوں والا جس کا طائرِ بخت سخت منحوس ہے یعنی ابو حذیفہ جو باعتبارِ دین و مذہب سب سے بُرا ہے۔ کیا تو اپنے والد کا شکر گزار نہیں ہے جس نے بچپن سے تیری پرورش کی، یہاں تک کہ تو نے بے داغ جوانی پائی (طبقات ابن سعد)۔

الغرض یہ واقعہ عبرت انگیز ہے کہ ہند نے اپنے بھائی کو جس "بُرے" دین کے پیرو ہونے کا

طعنہ دیا تھا، آج وہ خود بھی اسی "بُرے دین" کی پیرو ہیں اور اپنے معبود بتوں کو جن کی پرستش پر انہیں بڑا ناز تھا توڑ پھوڑ کر باہر پھینک رہی ہیں۔

فصل ۳۔ عکرمہ بن ابوجہل کی جاں بخشی

کفار قریش میں سے جن لوگوں کو اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں سب سے زیادہ غلو تھا، عمرو بن ہشام معروف بہ ابوجہل ان سب میں اول نمبر پر تھا اور اس کے فرزند عکرمہ اس جذبہ میں اپنے باپ کے صحیح جانشین تھے۔ جب سے ابوجہل جنگ بدر کی بھینٹ چڑھا تھا، عکرمہ نے عداوتِ رسول کی مہم تیز تر کر دی تھی۔ وہ فتح مکہ کے دن لشکرِ اسلام سے شکست کھا کر بخوفِ جان یمن بھاگ گئے تھے۔ ان کے فرار کے بعد ان کی بیوی اُمّ حکیم بنت حارث بن ہشام اسلام لائیں اور بارگاہ عالی میں عرض پیرا ہوئیں یا رسول اللہ! عکرمہ کو امان دیجیے۔ آپ نے امان دی۔

اُمّ حکیم رضہ نے مکہ معظمہ سے یمن پہنچیں اور اپنے شوہر سے مل کر ان کو اسلام کی دعوت دی اور کہا "میں تمہارے لیے رسول اللہ سے امان حاصل کر لی ہے"۔ لیکن عکرمہ کو یقین نہ آیا اور سخت تعجب کے ساتھ کہنے لگے "میں عمرو بن ہشام (ابوجہل) جیسے دشمن کا بیٹا اور خود بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بدترین دشمن ہوں۔ ہم باپ بیٹے کی ساری عمر انہی کی مخالفت اور ایذا رسانی میں کٹی۔ میرے جرموں کی فہرست بہت طویل ہے اس لیے یہ کیونکر ممکن ہے کہ میری جاں بخشی ہو سکے"۔ اُمّ حکیمؓ نے کہا یہ صحیح ہے کہ تم اور تمہارے والد پیغمبر علیہ السلام کی مخالفت میں ہمیشہ سرگرم رہے لیکن حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام اس درجہ رحیم و شفیق ہیں کہ جب سے کائنات عالم وجود میں آئی چشمِ روزگار نے اس رحم و کرم کی نظیر کہیں نہ دیکھی ہوگی۔

لیکن عکرمہ کو اب بھی یقین نہ آیا۔ اُمّ حکیم رض نے کہا تعجب ہے کہ تم میری بات کا یقین نہیں کرتے کیا میں تمہاری بدخواہ ہوں؟ عکرمہ نے کہا مجھے وہاں لیجا کر ناحق قتل کراؤ گی۔ اُمّ حکیم نے تسکین دی کہ تمہیں کوئی قتل نہیں کرے گا۔ تم بے کھٹکے میرے ساتھ چلو۔ آخر عکرمہ اپنی بیوی کے اصرار پر واپسی پر رضامند

ہو گئے (موطاے مالکؒ)۔

عکرمہ جہاز پر بیٹھے۔ اس کے بعد سمندر میں طوفان آگیا اور جہاز کے ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہوا۔ جہاز کے ملاح مسافروں سے کہنے لگے کہ جہاز خطرے میں ہے۔ اب صرف اللہ تعالیٰ رب العالمین ہی کی ذات اس کو پار لگا سکتی ہے۔ اسی کی طرف رجوع کرو۔ کیونکہ اس وقت تمہارے معبود (بُت) کسی طرح کام نہیں آسکتے۔ عکرمہؓ کہنے لگے کہ اگر بُت سمندر میں مجھے نجات نہیں دلا سکتے تو خشکی پر بھی میری کچھ مدد نہیں کر سکتے۔ یہ کہہ کر منّت مانی کہ الٰہی! میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے مجھے اس مصیبت سے بچا لیا جس میں مَیں اور میرے ساتھی مبتلا ہیں تو میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس حاضر ہو کر اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دوں گا، کیونکہ میں ان کو معاف کرنے والا، کریم النفس پاتا ہوں۔ بغرض وہاں سے صحیح سلامت وطن پہنچے (نسائی)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز مکہ معظمہ ہی میں قیام فرما تھے۔ عکرمہؓ اپنی بیوی کے ہمراہ آپ کے خیمہ پر آئے۔ اُمّ حکیمؓ اجازت لے کر خیمہ میں داخل ہوئیں اور گزارش کی یا رسول اللہ! میں عکرمہ کو لے آئی ہوں۔ ان کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا کہاں ہیں؟ بولیں باہر کھڑے ہیں (مدارج النبوت)۔ آپ فرطِ مسرت کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے اور مَرحَبًا بِالرَّاکِبِ الْمُھَاجِرِ (پردیسی سوار خوش آمدید) کہہ کر استقبال فرمایا۔ عکرمہ بیوی کی طرف اشارہ کر کے بولے ان کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ آپ نے مجھے امان دی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں تم مامون ہو۔ اس رحم و کرم اور عفو و درگزر کو دیکھ کر اس عدوے اسلام نے جس کی ساری عمر اسلام کی مخالفت میں صرف ہوئی تھی فرطِ ندامت سے سر جھکا لیا اور ان الفاظ میں اسلام اور داعی اسلام علیہ التحیۃ والسلام کی حقیقت کا اعتراف کیا "میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ معبود برحق صرف ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور آپ اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ آپ دنیا میں سب سے زیادہ نیک، سب سے زیادہ صادق اور سب سے زیادہ پابندِ عہد ہیں (مؤطاے امام مالک)۔

گو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عکرمہؓ کے تمام جرائم پر خطِ عفو کھینچ دیا تھا لیکن

ابوجہل کے بیٹے کی طرف سے جو اسلام دشمنی میں اپنے باپ سے کسی طرح کم نہ تھا، بغیر کسی خاص امتناع کے زبانوں کا خاموش رہنا مشکل تھا۔ لوگوں نے انہیں ابن عدو اللہ (دشمن خدا کا بیٹا) کہہ کر طعنہ زنی شروع کی۔ جب مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے ایک مخصوص خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ عکرمہؓ اب خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں۔ انہیں ان کے باپ کی وجہ سے کوئی شخص مطعون نہ کرے (مستدرک حاکم)۔

گو عہدِ نبوی میں اس کا موقع نہ ملا لیکن حضرت عکرمہؓ نے عہد صدیقی میں اپنے گذشتہ سیئات کی خوب تلافی کی چنانچہ فتنۂ ارتداد اور شام کی معرکہ آرائیوں میں نہایت وقیع خدمات انجام دیں۔ ان لڑائیوں کے لیے انہوں نے ایک پیسہ بیت المال سے نہ لیا کیونکہ قبولِ اسلام کے بعد انہوں نے عہد کیا تھا کہ جتنی لڑائیاں میں راہِ خدا کی مخالفت میں لڑ چکا ہوں ان سے دو چند فی سبیل اللہ لڑوں گا اور جتنی دولت اسلام کی مخالفت میں خرچ کر چکا ہوں اس سے دگنی راہ خدا میں صرف کروں گا۔"

جب شام کی فوج کشی کی طیاریاں ہونے لگیں تو حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ نے لشکر گاہ میں طیاری کی دیکھ بھال شروع کی۔ معائنہ کرتے کرتے ایک خیمہ کی طرف گئے۔ اس کے چاروں طرف گھوڑے اور بہت سا سامانِ حرب نظر آیا۔ قریب جا کر دیکھا تو خیمہ میں حضرت عکرمہ رضؓ دکھائی دیے۔ امیر المومنین نے سلام کیا اور مصارفِ جنگ کے لیے کچھ رقم پیش کی۔ حضرت عکرمہؓ نے کہا میرے پاس دو ہزار دینار موجود ہیں جب تک وہ خرچ نہ ہو لیں میں کچھ نہیں لے سکتا۔ حضرت صدیقؓ نے ان کے حق میں دعائے خیر کی (اُسد الغابہ)۔

عشرۂ مبشرہ اور دوسرے سابقین اسلام کی شان تو نہایت بلند تھی بڑے بڑے مشہور اعدائے دین بھی قبولِ اسلام کے بعد ایسے ایسے اوصاف حمیدہ سے متصف ہو جاتے تھے جو محاسن اخلاق میں کمال کا درجہ رکھتے ہیں۔ حضرت عکرمہؓ کے ایثار کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو:

ایک جنگ میں حضرت عکرمہ بن ابوجہل، حضرت حارث بن ہشام، حضرت سُہیل بن عمرو

(رضی اللہ عنہم) زخم کھا کر زمین پر گرے۔ نزع کا وقت تھا لیکن اس حالت میں اخلاقی روح اور بھی زیادہ بیدار ہو گئی تھی۔ ایک شخص پانی لایا اور حضرت عکرمہؓ کو پانی پلانا چاہا۔ لیکن انہوں نے دیکھا کہ حضرت سُہیل بن عمروؓ بہ حسرت پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ کہا پہلے ان کو پلاؤ۔ حضرت سُہیلؓ کے پاس پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت حارثؓ کی نگاہ بھی پانی کی طرف ہے۔ بولے پہلے ان کو پلاؤ۔ بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کے منہ میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ گیا اور تینوں نے تشنہ کامی کی حالت میں جان دی (استیعاب)۔

فصل ۴۔ عبداللہ بن ابی سرح کی جان بخشی

گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو امن دیا اور ان کے قتل کی ممانعت فرما دی لیکن چار شخصوں کے جرم ایسے ناقابلِ بخشش تھے کہ جن کے متعلق آپ نے فرمایا تھا کہ میں انہیں نہ حرم میں امان دیتا ہوں اور نہ کسی دوسرے مقام پر۔ ان کا خون ہَدَر ہے۔ یہ لوگ جہاں ملیں قتل کیے جائیں"۔ ان چاروں میں ایک شخص عبداللہ بن ابی سرح بھی تھا۔ یہ شخص مدینہ منورہ میں بظاہر مسلمان ہوا تھا۔ چونکہ کتابت کا علم رکھتا تھا حضورؐ نے اسے کاتبِ وحی مقرر فرمایا یعنی آیات قرآنی کے لکھنے کا حکم دیا۔ لیکن اس شخص نے قرآن مجید کے لکھنے میں خیانتیں اور کلمات میں تبدیلیاں شروع کر دیں مثلاً لفظ حکیم کی جگہ اپنی مرضی سے علیم لکھ دیتا۔ شدہ شدہ اس نے کسی شخص سے یہاں تک کہہ دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تو اتنا بھی معلوم نہیں کہ کیا لکھواتے ہیں۔ میری جو مرضی ہوتی ہے لکھ دیتا ہوں۔ بلکہ جس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پہ وحی نازل ہوتی ہے اسی طرح مجھ پہ بھی اترا کرتی ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خیانتوں کا علم ہوا تو وہ مکہ بھاگ آیا۔ شرحبیل بن سعد سے مروی ہے کہ قرآن کی یہ آیت عبداللہ بن ابی سرح ہی کی نسبت نازل ہوئی تھی:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَ	اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پہ جھوٹ بہتان باندھے یا یہ کہے کہ میری طرف

لَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ ۔ (۶ : ۹۳)

وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی اور جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ (قرآن) جس کی نسبت تم کہتے ہو کہ اس کو اللہ تے آتارا ہے (دیکھو تو) ایسا ہی میں بھی آتار دوں۔

آخر جب مکہ معظمہ پر پیغمبر علیہ السلام کا عمل و دخل ہوا تو حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو جو اس کے رضاعی بھائی تھے اپنا شفیع بنا کر کہنے لگا کہ بھائی! میں تمہاری پناہ میں آیا ہوں۔ تم رسول اللہ سے میرے لیے امان مانگو۔" حضرت عثمانؓ کا دل بڑا نرم تھا، وہ اس پر آمادہ ہو گئے۔ پہلے اسے چند روز تک اپنے پاس رکھا اور جب آپ نے لوگوں کو بیعت کے لیے طلب فرمایا تو حضرت عثمانؓ اسے آپ کے سامنے کھڑا کر کے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! عبداللہ بن ابی سرح میرا رضاعی بھائی ہے۔ اس کی ماں کے مجھ پر بہت احسان ہیں۔ یہ شخص توبہ کرتا ہے اور اپنے فعل سے پشیمان ہے۔ یہ بیعت کرنے کو حاضر ہوا ہے اسے امان دیجیے۔"

آپ نے سر مبارک اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور کچھ جواب نہ دیا کیونکہ اس کا جرم ناقابل عفو تھا۔ حضرت عثمانؓ نے دوسری مرتبہ گزارش کی یا رسول اللہ! عبداللہ بیعت کرتا ہے۔ آپ نے پھر اعراض فرمایا اور کچھ جواب نہ دیا۔ جب حضرت عثمانؓ نے تیسری مرتبہ عرض مدعا کیا تو آپ نے بیعت لینے سے انکار فرمایا کیونکہ ایک تو وہ مرتد تھا اور مرتد کی سزا قتل ہے۔ دوسرے اس سے بھی بڑھ کر اس نے مسلمان کہلانے کے باوجود دیعتِ الٰہی کے حامل صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت و دیانت اور وحیٔ الٰہی ہی کو ناقابل اعتبار ٹھیرایا تھا۔

جناب عثمانؓ منت سماجت کرنے لگے اور آپ کے پاس جا کر آپ کے سر مبارک کو بوسہ دیا اور بدن مبارک کو بغل میں لے کر چوشنے لگے اور تضرّع و زاری کرتے ہوئے التماس کرنے لگے یا رسول اللہ! یہ میرا بھائی ہے اس کا قصور معاف کر دیجیے۔" فرمایا اچھا معاف کیا۔" حضرت عثمانؓ اس کو خوشی خوشی اپنے ساتھ لے گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا جب میں نے بیعت لینے سے انکار کر دیا تھا تو تم نے اُسے قتل کیوں نہ کر دیا؟ صحابہؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! ہمیں کیا معلوم تھا کہ آپ ایسا چاہتے ہیں. اگر حضور نے آنکھ سے اشارہ ہی کر دیا ہوتا تو ہم اس کو زندہ نہ چھوڑتے. فرمایا پیغمبر کا یہ منصب نہیں کہ وہ آنکھوں کا خائن ہو (یعنی آنکھوں سے اشارے کرے) (نسائی، ابوداؤد، حاکم فی المستدرک)۔

گو عبداللہ از سر نو امان و بخشش سے بہرہ مند ہوئے لیکن آپ سے اس قدر شرمندہ تھے کہ آپ کو دیکھتے ہی ادھر ادھر غائب ہو جاتے. ایک دن حضرت عثمانؓ بارگاہ نبوت میں عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! میرا رضاعی بھائی جب آپ کو دیکھتا ہے تو بھاگ جاتا ہے۔ آپ نے متبسم ہو کر فرمایا "میں نے اسے امان دے رکھی ہے"۔ حضرت عثمانؓ عرضنج پیرا ہوئے یا رسول اللہ! آپ نے تو نوازش فرمائی لیکن جب اسے اپنا جرم عظیم یاد آتا ہے تو سخت شرمسار ہوتا ہے اور جمال مبارک کی تاب نہیں لا سکتا"۔ آپ نے فرمایا اسے سمجھا دو کہ اسلام تمام سابقہ جرائم کو محو کر دیتا ہے۔ (ابوداؤد، تاریخ ابن جریر طبری)۔

فصل ۵۔ دو اشتہاری مجرموں کی جاں بخشی

فتح مکہ کے دن دو اشتہاری مجرم حرث بن ہشام اور زبیر بن ابو اُمیہ بخوف جان بھاگ کر حضرت اُم ہانی بنت ابو طالبؓ کے گھر پہنچے جو حضرت علی مرتضیٰؓ کی حقیقی بہن تھیں. یہ دونوں بھگوڑے حضرت اُم ہانی کے شوہر ہُبیرہ بن ابی وہب مخزومی کے اقرباء میں سے تھے. حضرت ام ہانیؓ نے ان کو ایک کوٹھری میں داخل کر کے اس کا دروازہ مقفل کر دیا۔ اتنے میں حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ فلاں فلاں مجرم تمہاری ہمشیر کے گھر میں چھپے ہیں۔ حضرت علیؓ شمشیر بکف وہاں پہنچے اور ان دونوں کی حوالگی کا مطالبہ کیا. حضرت اُم ہانیؓ نے کہا میں نے ان دونوں کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے"۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا نہیں بہن' ان کے جرم اس قابل نہیں کہ ان سے درگذر

کیا جا سکے۔" حضرت اُمّ ہانی رضؓ بولیں اچھا تم ذرا ٹھیرو۔ میں جا کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کی جاں بخشی کی درخواست کرتی ہوں۔" حضرت علی رضؓ نے اس کو منظور فرمایا۔

حضرت اُمّ ہانی رضؓ خدمت بابرکت میں حاضر ہوئیں۔ اس وقت آپ غسل فرما رہے تھے۔ غسل سے فارغ ہو کر آپ نے نماز چاشت کی آٹھ رکعتیں ادا کیں۔ پھر اُمّ ہانی رضؓ سے خطاب کر کے فرمایا اُمّ ہانی! خوب آئیں۔ کہو اچھی ہو؟ انہوں نے التماس کی یا رسول اللہ! میرے شوہر کے دو قرابت دار میرے گھر میں چھپے ہیں۔ میں نے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے لیکن میرے بھائی علی رضؓ ان کے قتل پر مصر ہیں اور میری یہ خواہش ہے کہ ان کے جرموں کو نظر انداز فرمایا جائے۔"

آپ نے فرمایا اُمّ ہانی! جس کو تم نے پناہ دی ہم بھی اس کو پناہ دیتے ہیں۔ جاؤ علی رضؓ سے جا کر کہدو کہ دونوں ہماری پناہ میں ہیں (ابن ہشام وغیرہ)۔

ہُبَیرہ بن ابی وہب مخزومی شوہر اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا فتح مکہ کے وقت یمن چلا گیا تھا۔ وہ واپس نہ آیا اور وہیں بحالتِ کفر مر گیا (ابن خلدون)۔

فصل ۶۔ عبداللہ رضؓ بن زِبَعریٰ پر نوازش

عبداللہ بن زِبَعریٰ مکہ معظمہ کے ایک مشہور شاعر اور متموّل آدمی تھے۔ دینِ حنیف اور داعیٔ اسلام علیہ التحیۃ والسلام کی عداوت ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ ان کا مال و دولت اسلام کی مخالفت کے لیے وقف تھا۔ سرمایہ داری کے علاوہ شعر و سخن میں بھی سر آمدِ روزگار تھے لیکن شعر گوئی اور قادر الکلامی کا مصرف حضرت مفخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثاروں کی ہجو تھی۔ ان کی زیادہ زوردار نظمیں وہی ہیں جن میں انہوں نے قریش اور دوسرے غیر مسلموں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ آزما ہونے کے لیے برانگیختہ کیا ہے۔ جنگ بدر میں قریش کے جو آدمی مارے گئے ابن زِبَعریٰ رضؓ نے ان کا پُر زور مرثیہ کہا تھا اور طوطیٔ اسلام حضرت حسان بن ثابت انصاری رضؓ نے اس مرثیہ کا جواب دیا تھا (ابن ہشام)۔

ابن زبعری نے اسلام اور پیروانِ اسلام کے خلاف جو پھبتیاں اور کٹ حجتیاں کیں ان کی تفصیل راقم السطور کی کتاب "سیرت کبریٰ" (فصل ۲۰۰ صفحات ۶۲۱ - ۶۲۲) میں ملاحظہ ہو۔ کلام پاک کی آیات انبیاء ۱۰۱ - ۱۰۲ اور زخرف ۵۷ - ۵۹ ابن زبعری ہی کے اعتراضات اور ہنگامہ خیزیوں کے جواب میں نازل ہوئی تھیں۔

فتح مکہ کے دن قریش کی قوت پارہ پارہ ہوگئی تھی اور اشتہاری دشمنانِ دین بخوفِ جان اِدھر اُدھر چھپے پھرتے تھے۔ انہی مجرموں میں ابن زبعری بھی تھے۔ عبداللہ بن زبعری اور ہُبَیرہ بن وہب نجران بھاگ گئے تھے۔ ابن زبعری کے فرار پر حضرت حسان رضؓ نے یہ شعر کہا:

لاتعدمن رجلا احلك بغضه — نجران فی عیش احذ لئیم

ایسی ہستی معدوم نہ ہو جس کے بغض نے تم کو نجران کی ناپسندیدہ زندگی میں مبتلا کیا ہے۔

عبداللہ رضؓ نے یہ شعر سنا تو اپنی حرکتوں پر سخت نادم ہوئے۔ معاً نورِ اسلام دل پر پرتو افگن ہوا اور سرورِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہو کر سعادتِ اسلام سے بہرہ مند ہونے کا قصد کیا۔ جب آنحضرت صؐ نے انھیں دور سے آتے دیکھا تو فرمایا کہ "وہ ابن زبعری آرہا ہے جس کے چہرے پر نورِ اسلام چمک رہا ہے"۔ عبداللہ نزدیک پہنچ کر کہنے لگے السلام علیک یا رسول اللہ! میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ معبودِ برحق ایک خدا ہے اور آپ اس کے رسول ہیں۔ اور کہنے لگے خدائے بزرگ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اسلام کی ہدایت فرمائی۔ پھر حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے کہا یا رسول اللہ! میں بڑا قصور وار ہوں۔ میں نے اسلام کی بڑی توہین کی۔ آپ کی اور آپ کے گرامی قدر رفقاء کی سخت بے ادبیاں کیں۔ میں اپنی تمام حرکتوں پر نادم ہوں۔ اب میرے متعلق کیا حکم ہے؟

ارشاد فرمایا "رب قدیر کا شکر ہے جس نے تمہیں اسلام کی راہ دکھائی۔ اسلام تمام گذشتہ گناہوں اور جرموں کی تلافی کر دیتا ہے"۔ یہ سن کر ابن زبعری بہت خوش ہوئے اور عزم مصمم کرلیا کہ اپنی دولت اور قادرالکلامی کو خدمتِ اسلام کے لیے وقف کر دیں گے۔ اب وہی زبان جو قبولِ اسلام

سے پیشتر اہلِ ایمان کے دلوں پہ ہجو کے تیر چلایا کرتی تھی، حمد باری اور نعتِ رسولِ اکرمؐ کی گل افشانی کرنے لگی جب ابن زبعریٰ نے محاسن اسلام اور مکارم نبوی کے موضوع پر اپنی پہلی نظم سنائی تو حضرت فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خوش ہو کر انہیں ایک حُلّہ مرحمت فرمایا (اصابہ ومدارج النبوت)

فصل ۷۔ صفوان بن اُمیّہ سے حسن سلوک

صفوان بن اُمیّہ بُت پرست قریش کے سرگروہ اور اسلام کے شدید ترین دشمن اپنے باپ اُمیّہ بن خلف کی طرح پیغمبر علیہ السلام کی عداوت اور مخالفت میں بڑے سخت تھے۔ صفوان ہی نے عُمیر بن وہب کو جیسا کہ آئندہ صفحات پر معرض تسوید میں آئے گا فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر متعین کیا تھا۔ انہی نے حضرت زید بن وثنہ رضؓ کو خرید کر قتل کرایا تھا۔

جب مکہ معظمہ فتح ہوا تو صفوان نے بخوف جان سمندر کی راہ سے بھاگ جانے کا قصد کیا۔ عُمیر بن وہب جمحیؓ جو اس سے پیشتر رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جاں ستانی کے قصد سے مدینہ گئے تھے اور حضور کے حلم و عفو کو دیکھ کر مسلمان ہو چکے تھے صفوان کے قریبی رشتہ دار تھے۔ انہوں نے خواجۂ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی یا رسول اللہ! رئیس عرب صفوان بن اُمیّہ مکہ سے جلاء وطن ہوا جاتا ہے، اسے امان دیجیے۔" آپ نے عُمیر کی درخواست کو شرف قبول بخشا اور صفوانؓ کو امان دی۔

وہ یہ مژدہ لے کر صفوانؓ کے پاس پہنچے لیکن چونکہ صفوانؓ کو اپنے قبیح افعال پر نظر تھی انہوں نے اس معافی پر یقین نہ کیا اور بولے مجھے واپس جانے میں اپنی جان کا خوف ہے۔ عُمیرؓ نے کہا صفوان! تمہیں محض اس بنا پر جانے میں تردد ہے کہ تم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم و عفو کا حال نہیں جانتے۔" صفوان کو پھر بھی یقین نہ آیا اور کہا "بخدا میں اس وقت تک واپس نہ جاؤں گا جب تک مجھے معافی کی کوئی نشانی لا کر نہ دکھاؤ گے۔"

جب عمیرؓ نے دیکھا کہ صفوان کو کسی طرح تسکین نہیں ہوتی تو وہ واپس آ کر بارگاہِ نبوت میں پہنچے اور عرض کی یا رسول اللہ! صفوان اپنے تئیں آپ کی عفو و بخشش سے بہت بعید تصور کرتا ہے۔ وہ جب تک حضورؐ کی کوئی نشانی نہ دیکھ لے آنے کی جرأت نہیں کرتا۔" آپؐ نے اپنی ردائے مبارک عمیرؓ کو مرحمت فرمائی۔ عمیرؓ اسے لے کر صفوان کے پاس پہنچے۔ اب صفوان کو اطمینان ہوا اور عمیرؓ کے ساتھ دربارِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کی جناب والا! عمیر کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے امان دی ہے۔ فرمایا سچ ہے۔ صفوان اس وقت تک قبولِ اسلام کے مسئلہ پر متردد تھے اس لیے دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہوئے اور عالمِ شرک کے باوجود غزوۂ طائف و حنین میں رکابِ ہمایوں کے ہمراہ تھے

آپ نے حنین کے مالِ غنیمت میں سے سو اونٹ صفوان کو عطا فرمائے تھے۔ اسی طرح آپ نے ان پر اور بھی بہت سے احسان کیے یہاں تک کہ آہستہ آہستہ ان کے کشتِ زارِ دل میں محبتِ اسلام کی آبیاری ہونے لگی اور وہ فتح مکہ کے تین چار مہینہ بعد مدینہ منورہ جا کر بطیبِ خاطر حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے (مدارج النبوت) صفوان کی بیوی ناجیہ بنت ولید بن مغیرہ فتح مکہ کے دن مشرف باسلام ہوئی تھیں اور آپ نے ناجیہ سے فرمایا تھا کہ جب تک صفوان مسلمان نہ ہو تم اس سے الگ رہو۔ آخر جب صفوان حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تو ناجیہ ان کے پاس چلی گئیں۔ (اصابہ)۔

صفوان قبولِ اسلام کے بعد وقتاً فوقتاً بارگاہِ نبوت میں تحائف بھیجا کرتے تھے۔ اور مشرف باسلام ہونے سے پہلے بھی ایک مرتبہ کلدہ بن حنبل کو دودھ، ہرن اور ککڑیاں دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اس وقت آپ مکہ معظمہ ہی میں قیام فرما تھے (ابوداؤد)۔

یہاں پہنچ کر اس کتاب کے مطالعہ کرنے والے۔ یہ حقیقت مخفی نہ رہی ہو گی کہ غزوۂ اُحد میں قریش کے جتنے سردار مسلمانوں کے مقابلہ میں کفر کی فوج کی قیادت کر رہے تھے وہ ایک ایک کر کے سب دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں جن میں آخری مبارک حضرت صفوان بن امیہ تھے۔ جنگِ اُحد میں لشکرِ قریش کی ترتیب حسبِ ذیل تھی: خالد بن ولید میمنہ پر، عکرمہؓ بن ابوجہل میسرہ پر، ابوسفیان بن حرب قلب میں

عمرو بن عاص اور صفوان بن اُمیّہ رحمۃ گروہ کے سامنے۔ رضی اللہ عنہم۔

حضرات! کیا کسی غیر مسلم انصاف پسند کو ہنوز صداقتِ اسلام کی کسی اور بڑی دلیل کا انتظار ہے؟

فصل ۸۔ کعب بن زُہیر کی جُرم بخشی

کعب کی رُوپوشی کعب بن زُہیر اور بُجیر بن زُہیر دو بھائی عرب کے نامی گرامی شاعر تھے۔ ان میں سے کعب تو دینِ حنیف کی مذمت اور حضرت فخرِ بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ کی توہین میں مصروف رہتے تھے اور اسلام کی دشمنی ان کی فطرتِ ثانیہ بن گئی تھی لیکن بجیر اس برائی میں گرفتار نہ تھے۔ بسید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن حکم دیا تھا کہ کعب جہاں ملے قتل کیا جائے۔" کعب بھی بعض دوسرے نامور دشمنانِ دین کی طرح مکہ سے روپوش ہو گئے تھے۔

بھائی کا قبولِ اسلام جب کوکبہ جلالِ نبوی مراجعت فرمائے مدینہ منورہ ہوا تو اس کے تھوڑے دن بعد کعب نے فرار و اختفاء کی پریشانیوں سے تنگ آکر حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عفوِ جرائم کا خواستگار ہونا چاہا۔ چوری چھپے مکہ معظمہ آئے اور اپنے بھائی بجیر سے منشاءِ دلی ظاہر کیا۔ بجیر نے کہا تم بالفعل نہایت اخفاء اور راز داری کے ساتھ یہیں ٹھیرے رہو اور خود نہ جاؤ کیونکہ تمہارے جانے میں جان کا خطرہ ہے۔ البتہ میں اس شخص (سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاتا ہوں۔ وہاں جا کر اس کا کلام سنوں گا اور مزاج و اخلاق کی کیفیت دریافت کر کے تمہیں اطلاع دوں گا۔" چنانچہ بجیر آستانہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ جمالِ جہاں آرا کو دیکھا۔ آپ کی خوش کلامی سے لذت اندوز ہوئے اور حسنِ اخلاق سے مسحور ہو کر اسی مجلس میں مسلمان ہو گئے۔

باپ کی وصیت کہتے ہیں کہ ان کا باپ زُہیر اہلِ کتاب کے پاس نشست و برخاست

رکھتا تھا اور اس نے سنا ہوا تھا کہ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ قریب ہے اور اس نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک بڑی لمبی رسی آسمان سے اُتری ہے اور اس نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا ہے لیکن ہاتھ رسی تک نہیں پہنچا"۔ اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ اگر تم پیغمبر آخرالزمان کو پاؤ تو ان پر ایمان لانا۔

بھائی کو قبولِ اسلام کی ترغیب

جب بجیر سعادتِ ایمانی سے مشرف ہوئے تو انہیں باپ کی وصیت یاد آ گئی۔ معاً اپنے بھائی کعب کو چٹھی لکھی جس میں اپنے باپ کی وصیت یاد دلاتے ہوئے بیان کیا کہ میں تو حضرت خاتم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کا دنیا کو صدیوں سے انتظار تھا ایمان لے آیا۔ تمہیں چاہیے کہ فوراً چلے آؤ اور سعادتِ ایمان سے بہرہ اندوز ہو۔ اور یہ بھی لکھا کہ ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بڑے رحیم و شفیق ہیں۔ آپ معذرت قبول فرماتے ہیں اور اظہارِ ندامت پر بخش دیتے ہیں"۔

غائبانہ شرفِ ایمانی

جب کعبؓ کو بجیر کا خط ملا تو اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ کر غائبانہ ایمان لائے اور آپ کی زیارت و دید کا شوق ایسا دامنگیر ہوا کہ ایک لحظہ کا توقف بھی سخت شاق تھا۔ جب کعب کے دشمنوں کو پتہ چلا کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاتے ہیں تو خوش ہوئے کہ خود شکار شیر کے منہ میں جاتا ہے، جاتے ہی مارا جائے گا۔ محبتوں اور بہی خواہوں نے بھی جانے سے منع کیا اور کہنے لگے تم کیوں اپنی جان کے دشمن بنتے ہو، کعبؓ نے جواب دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں مجھے ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

قصیدہ "بانت سعاد" کی تدوین

کعب اس وقت محبتِ رسولؐ کے جذبہ سے سرشار اور آپ کے فراق میں سخت بے چین تھے۔ اسی حالتِ فراق و اشتیاق ملاقات میں ایک قصیدہ لکھا جس کا نام "بانت سعاد" ہے۔ یہ قصیدہ چھپا ہوا ہے اور ہر جگہ شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ کعب قصیدہ لکھ کر دیارِ حبیبؐ کو روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر قبیلہ جہینہ کے کسی دوست کے پاس ٹھیرے۔ وہ شخص اپنے ساتھ انھیں مسجدِ نبوی میں لے گیا اور آنحضرتؐ کی

طرف اشارہ کرکے کہا آپ ہی خدا کے رسول ہیں۔ جاؤ اور امان طلب کرو۔ کعب آپ کے پاس آئے اور مجلس شریف میں بیٹھ گئے۔ آپ انہیں پہچانتے نہیں تھے۔

قبول توبہ

اب کعب اپنا ہاتھ حضور کے ہاتھ میں دے کر عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! کعب بن زہیر تائب اور مسلمان ہو کر آیا ہے اور طالب امان ہے۔ اگر میں اسے آپ کے پاس لاؤں تو کیا آپ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے؟ فرمایا بیشک۔ کعب نے عرض کی یا رسول اللہ! کعب میرا ہی نام ہے۔" آپ نے فرمایا تم ہی کعب بن زہیر ہو؟ حاضرین میں سے ایک انصاری بزرگ حالتِ غیظ میں اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! اجازت دیجیے کہ اس دشمن خدا کی گردن مار دوں۔" آپ نے فرمایا نہیں جانے دو۔ یہ تائب ہو کر آئے ہیں۔"

ردائے مبارک کا عطیہ

اس کے بعد کعبؓ نے اپنا قصیدہ لامیہ پڑھ کر سنایا۔ حضور نے اس قصیدہ کی داد دی اور یہاں تک محظوظ ہوئے کہ اپنا ایک دھاری دار جامہ مبارک حضرت کعبؓ کو عطا فرمایا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے ایام خلافت میں اس جامہ کے لیے کعبؓ کو دس ہزار درہم کی رقم دینی چاہی لیکن کعبؓ رضامند نہ ہوئے اور کہا میں رسول پاک کی یادگار کسی قیمت پر بیچنے کو طیار نہیں۔ کعبؓ کی وفات کے بعد امیر معاویہؓ نے ان کے وارثوں کے پاس بیس ہزار درہم بھیج کر یہ جامہ منگوا لیا (اصابہ، مدارج النبوۃ)۔

یہ جامۂ مبارک خلفائے اسلام کے پاس متوارث چلا آتا تھا اور عجب نہیں کہ اب تک استنبول کے اندر دوسرے تبرکات میں موجود رہے۔

فصل ۹ - ہبّار بن اسود کی جان بخشی

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی شادی بعثت سے پہلے اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ابو العاص سے ہوئی تھی جو مکہ معظمہ کے ایک ممتاز تاجر تھے۔ سیدہ زینبؓ آغاز دعوت ہی میں مشرف باسلام ہو چکی تھیں لیکن ان کے شوہر

ابوالعاص مدت تک اپنے سابقہ عقائد پر مُصر رہے۔

مفارقت میں بے بسی

ابوالعاص کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے سیدہ زینب کی مفارقت ضروری تھی لیکن چونکہ حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ میں تفریق پر قدرت نہ تھی اس لیے آپ ہجرت کے وقت سیدہ کو مکہ ہی میں چھوڑ کر مدینہ منورہ کو ہجرت فرما گئے۔ جنگ بدر میں ابوالعاص قریش کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے گئے اور لڑکر اسیر ہو گئے۔ جب اہل مکہ نے اپنے اسیروں کی رہائی کے لیے زر فدیہ روانہ کیا تو سیدہ زینب نے بھی ابوالعاص کی مخلصی کے لیے کسی کے ہاتھ کچھ مال مدینہ منورہ روانہ کیا۔

اُم المومنین کا ہار ابوالعاص کے فدیہ میں

اس مالِ فدیہ میں ایک ہار بھی تھا جو اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنی دخترِ ارجمند سیدہ زینب کی شادی میں انہیں دیا تھا۔ خداوند عالم نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بڑا نرم بنایا تھا۔ جب آپ نے اس ہار کو دیکھا تو آپ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مصاحبت کا خوشگوار زمانہ یاد آ گیا۔ آپ پر رقت طاری ہوئی اور رونے لگے۔ چونکہ حضرت زینب بہت دنوں سے آپ سے جدا تھیں، اس لیے صاحبزادی کو بلوا بھیجنے کے لیے باتفاق صحابہ یہ تجویز قرار پائی کہ فدیہ لیے بغیر ابوالعاص کو رہا کر دیا جائے اور ان کا فدیہ یہی قرار دیا جائے کہ وہ مکہ معظمہ جا کر حضرت زینب کو مدینہ منورہ بھیج دیں (ابوداؤد و ابن سعد)۔

آپ نے ابوالعاص کو بلا بھیجا اور ان کا زرِ فدیہ اور ہار واپس دے کر فرمایا کہ تمہیں اس شرط پر بلا فدیہ رہا کیا جاتا ہے کہ تم مکہ پہنچ کر زینب کو میرے پاس بھیج دو۔ انہوں نے اس شرط کو قبول کیا۔ آپ نے ابوالعاص کے ہمراہ اپنے متبنّیٰ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ایک بدری صحابی حضرت سلمہ بن اسلم اوسی انصاری رضی اللہ عنہ کو اس غرض سے مکہ مکرمہ بھیج دیا کہ حضرت زینب کو ساتھ لے آئیں اور دونوں کو ہدایت کر دی کہ تم مکہ نہ جانا۔ شہر سے باہر وادی ناجج کے مقام پر ان کی آمد کا انتظار کرنا۔ ابوالعاص نے وعدہ کے بموجب مکہ معظمہ پہنچ کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ہودج میں بٹھایا اور اپنے چھوٹے بھائی کنانہ بن ربیع سے کہا کہ ان کو وادی ناجج تک پہنچا آؤ۔ کنانہ نے اپنی کمان اور ترکش

لے کر اونٹ کی مہار پکڑی اور روانہ ہوا جب قریش کو حضرت زینبؓ کے جانے کا حال معلوم ہوا تو ان میں کھلبلی مچ گئی اور فوراً تعاقب کی تیاری کی۔

سیدہؓ کو نیزہ مار کر زخمی کرنا

عدوے رسولؐ ابوسفیان بن حرب قریش کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی جستجو کو نکلے۔ اس جماعت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن ہبار بن اسود بھی تھا۔ باوجودیکہ یہ شخص اُم المومنین حضرت خدیجہؓ کے عم زاد بھائی کا بیٹا تھا اور اس رشتہ سے حضرت زینبؓ کا بھائی لگتا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت کے باعث اس کو سیدہؓ سے بھی عداوت تھی۔ اس ناہنجار جماعت نے سیدہ کا تعاقب کیا او مقام ذی طویٰ میں دونوں کو جا گھیرا۔

ہبار نے پہلے تو ان کے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں اور جب سیدہ زینب گر پڑیں تو نیزے سے ان پر حملہ کیا۔ وہ عفیفہ بُری طرح زخمی ہو کر ایک پتھر پہ گر پڑیں۔ سیدہ اس وقت حاملہ تھیں حمل ساقط ہو گیا۔ یہ جفا کاری دیکھ کر کنانہ نے ترکش سے تیر نکال کر کہا یاد رکھو اب جو کوئی ہمارے قریب آئے گا وہ میرے تیروں کا نشانہ بنے گا۔ تمام اوباش منتشر ہو گئے۔ اب ابوسفیان اجلۂ قریش کے ہمراہ آگے بڑھے اور کنانہ سے کہا عزیز من! میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ ذرا تیر الگ رکھو اور بات کرنے دو تو کہوں۔ کنانہ نے کہا اچھا آؤ۔

ابوسفیان اس کے بالکل قریب جا پہنچے اور کہا کہ یہ تم نے کوئی دانائی کا کام نہیں کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی کو علانیہ تمام لوگوں کے سامنے لیے جا رہے ہو۔ لوگ ہمیں یہ کہہ کر دنیا کا طعنہ دیں گے کہ قریش ہزیمتِ بدر کی وجہ سے اس ذلت و خواری کو پہنچ گئے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی کو بھی روک نہیں سکتے۔ ہمیں محمدؐ کی بیٹی کے روکنے میں کوئی فائدہ نہیں لیکن ہماری عزت اس میں ہے کہ اس وقت تم لوٹ چلو اور جب لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کی بیٹی کو واپس لے آئے ہیں اور یہ چرچا موقوف ہو جائے تو تم کسی دوسرے وقت میں چوری چھپے ان کو لے جانا۔ کنانہ نے اس کو منظور کیا اور سیدہ کو مکہ واپس لے آیا۔

اخفاء و رازداری کے ساتھ دوبارہ روانگی

چند روز کے بعد کنانہ نہایت اخفاء اور رازداری کے ساتھ سیدہ کو لے کر پھر روانہ ہوا اور وادیٔ ناجح میں حضرت زید اور سلمہ انصاریؓ رضی اللہ عنہما کے ساتھ کر کے واپس آیا۔ حضرت زینبؓ نیزے کی ضرب سے بہت دن تک علیل و رنجور رہیں۔ اس کے بعد کبھی کسی قدر افاقہ ہو جاتا اور کبھی پھر بیمار ہو جاتیں۔ یہاں تک کہ اپنے شوہر حضرت ابوالعاصؓ کے قبول اسلام کے بعد اسی صدمہ سے مدینہ منورہ میں انتقال فرما گئیں (تاریخ محمد ابن جریر طبری، سیرت ابن ہشام، زرقانی، الروض الانف)۔

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی مظلومی کا اکثر ذکر فرمایا کرتے تھے چنانچہ حضرت صدیقہؓ سے مروی ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینبؓ کی رحلت کے بعد فرمایا کہ وہ میری سب سے اچھی لڑکی تھی جو میری وجہ سے ستائی گئی (زرقانی بحوالہ طحاوی و حاکم)۔

ہبار کے قتل کا فرمان نبویؐ

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حادثہ جانگداز کا جتنا صدمہ ہو سکتا تھا محتاج تشریح نہیں۔ اس کے علاوہ ہبار بہت سی دوسری فتنہ انگیزیوں کا بھی ارتکاب کر چکا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ ہبار جب اور جہاں ملے خنجر خونخوار کے حوالے کیا جائے۔ ایک مرتبہ آپ نے کسی طرف ایک سریہ روانہ کیا اور فرمایا کہ اگر ہبار کا کہیں کھوج ملے تو اس کو موت کے گھاٹ اتار دینا۔ ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ ایک سریہ میں آپ نے مجھے بھی شمول کا حکم دیا۔ روانگی سے پہلے آپ نے فرمایا کہ اگر ہبار بن اسود اور نافع بن قیس کو کہیں پاؤ تو دونوں کو آگ میں جلا دینا۔ جب ہم آپ سے رخصت ہونے لگے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں فلاں اور فلاں کو آگ میں جلا دینے کا حکم دیا تھا لیکن اب مجھے خدائے برتر کا حکم پہنچا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا منصب نہیں کہ کسی ذی روح کو آگ کا عذاب دے۔ اس لیے اگر تم لوگ ان پر قابو پاؤ تو ان کو قتل کر دینا (بخاری)۔

ہبار بارگاہ نبویؐ میں

ہبار بن اسود کی ہر جگہ دیکھ بھال ہوتی رہی مگر اس کا کہیں سراغ نہ

ملا۔ فتح مکہ کے دن بھی اس کی بڑی تلاش رہی مگر کوئی کھوج نہ مل سکا۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ جنہوں نے حالتِ کفر میں وحشی کو حضرت حمزہؓ کے قتل پر متعین کیا تھا اور پھر حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے تھے ان کا بیان ہے کہ جعرانہ سے مراجعت کے بعد میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا اچانک ہبار بن اسود رسول اللہؐ کے دروازے کے آگے سے گزرا۔ صحابہؓ نے التماس کی یا رسول اللہ وہ ہبار بن اسود ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے بھی دیکھا ہے۔ ایک صحابی دانت پیستے ہوئے اُٹھے کہ اسے جلد جا پکڑیں تاکہ کسی ناشدنی حرکت کا مرتکب نہ ہو۔ آپ نے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ ہبار آپ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور بولا السّلام علیک یا نبی اللہ، اشهد ان لا الٰہ الا اللہ واشهد ان محمدًا رسول اللہ۔

معافی کی درخواست

اس کے بعد عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! میں آپ کے اصحاب کے خوف سے بلاد و امصار میں بھاگا بھاگا پھرتا تھا اور ارادہ کر لیا تھا کہ ایرانیوں سے جا ملوں۔ پھر مجھے خیال آیا کہ آپ صاحب کرم و بخشش ہیں۔ ہر اس شخص کو معاف کر دیتے ہیں جو آپ پر جور و تعدی کرے۔ آپ اقرباء سے ملاپ کرتے ہیں۔ بے کسوں کو پناہ دیتے ہیں۔ اے نبی اللہ! ہم کفر و شرک میں غرق تھے۔ حق تعالیٰ نے ہمیں آپ کے طفیل اس سے نجات دی اور ہلاکتِ سرمدی سے بچا لیا۔ اے نبی اللہ! آپ میری خطاؤں کو معاف فرما دیجیے میں اپنی بداعمالیوں اور سیہ کاریوں کا معترف اور گناہوں کا مقر ہوں"۔

ابن ہبّار کی جُرم بخشی

اس عذر خواہی پر آپ کو شرم آگئی۔ سر مبارک جھکا لیا اور کسی قسم کا عتاب کیے بغیر ان کا اسلام قبول کیا اور فرمایا میں نے تمہیں معاف کیا۔ خدائے قدوس نے اسلام کی طرف رہنمائی کر کے تم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اسلام پہلے کے تمام گناہ محو کر دیتا ہے (اصابہ)۔

ہبّار کو لعن طعن کرنے پر خواجۂ عالم کی ناگواری

دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ہبار نے حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ

آلہ وسلم کی خدمت میں آمد ورفت شروع کر دی لیکن چونکہ آپ کی صاحبزادی پر نہایت سفیہانہ حملہ کیا تھا بلکہ حقیقت میں وہی حضرت زینبؓ کا قاتل تھا اس کی طرف سے اصحاب رسول اللہ کے دل کباب ہو رہے تھے اس لیے ہبار جدھر جاتا اسے لعنت ملامت کی جاتی اور گالیاں ملتیں۔ اس نے تنگ آکر اسی دربار میں چارہ جوئی کی جو ہر دردمند کا چارہ ساز تھا۔ حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہبار! اگر آج کے بعد کوئی شخص تمہیں گالی دے تو تم بھی اسے گالی دو۔"

تنبیط وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے نُطق گوہر بار کا ایک ایک لفظ عاشقانِ رسول کے لیے دلیل راہ تھا۔ جونہی آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے مسلمانوں کی زبان پر قفل لگ گئے۔ اور اس کے بعد کسی کی مجال نہیں تھی کہ ہبار کے خلاف لب کشائی کر سکتا (الروض الانف، اصابہ)۔ اس وقت حضرت زینبؓ انتقال فرما چکی تھیں۔ اُم المومنین خدیجہؓ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: خدیجہؓ بنت خویلد بن اسد (بن عبدالعزیٰ بن قصی) اور ہبار کا نسب نامہ یوں تھا: ہبار بن اسود بن مطّلب بن اسد۔

فصل ۱۰۔ سُہیل بن عمرو سے عفو و درگذر

حضرت سُہیل بن عمرو مکہ معظمہ کے ایک قریشی رئیس اور وہاں کی اس جماعت میں داخل تھے جو اسلام اور داعیٔ اسلام علیہ التحیۃ والسلام کی بدترین دشمن تھی۔ یہ وہی سُہیل بن عمرو ہیں جو قریش مکہ کی طرف سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم سے گفتگوے مصالحت کرنے کے لیے حُدیبیہ بھیجے گئے تھے۔

قبولِ اسلام کی پاداش میں بیٹوں پر ظلم اور سخت گیری

ان کے دونوں بیٹے عبداللہ بن سُہیل اور ابوجندل بن سُہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما دعوت اسلام کی ابتداء ہی سے سعادتِ ایمان سے مشرف ہوے تھے۔ عدوے اسلام باپ نے اپنے جُرم ناآشنا بیٹوں کو کئی سال تک محض اس قصور میں پابزنجیر رکھ کر انواع و اقسام کی اذیتیں پہنچائی تھیں

کہ انہوں نے اپنا خاندانی مسلک چھوڑ کر دینِ اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت عبداللہؓ تو کسی طرح بھاگ کر حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے لیکن مراجعت کے بعد دوبارہ جفاکار باپ کے پنجۂ عقاب میں گرفتار ہوئے اور جنگ بدر کے موقع پہ رہائی پائی۔ دوسرے بھائی ابوجندل بھی کئی سال تک پدرِ نامہربان کے جور و ظلم کا تختۂ مشق بنے رہے۔ حدیبیہ کی گفتگوے صلح میں جو فتح مکہ سے پیشتر ہوئی تھی، سُہیل بن عمرو نے ایک شرط یہ پیش کی تھی کہ اگر مکہ معظمہ کا کوئی آدمی گو مسلمان ہی کیوں نہ ہو بھاگ کر مسلمانوں کے پاس جائے گا تو مسلمان اُسے قریش کے پاس واپس بھیجنے کے پابند ہوں گے اور صحابۂ کرامؓ نے اس شرط کو قطعاً منظور نہیں کیا تھا۔

پابزنجیر بیٹے کی واپسی پر اصرار

یہ دفعہ ہنوز زیرِ بحث تھی کہ اتنے میں سُہیل بن عمرو کے بیٹے حضرت ابوجندلؓ کسی طرح مکہ معظمہ سے بھاگ کر حُدیبیہ پہنچے اور صحابۂ کرامؓ کو اپنے زخم دکھا کر اپنی مظلومی کی نہایت دردانگیز داستان سنانے لگے۔ ان کے پیروں میں اب بھی بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ بیٹے کو دیکھ کر سُہیل نے سانپ کی طرح پیچ و تاب کھایا اور کہا محمدؐ! شرط پوری کرنے کا یہ پہلا موقع ہے۔ آپ نے فرمایا ہم نے یہ شرط ابھی منظور ہی کب کی ہے؟ سُہیل نے کہا اگر ابوجندل کو ہمارے حوالے نہ کیا گیا تو ہم کسی شرط پر تم سے مفاہمت نہ کریں گے" آپ نے بہت سمجھایا اور اصرار فرمایا لیکن سُہیل نے کسی طرح منظور نہ کیا۔ ناچار آنجنابؐ نے صحابہؓ کی ناراضی کے باوجود یہ شرط بھی منظور کر لی اور حضرت ابوجندلؓ کو ستم شعار باپ کی مزید جفاکاریاں سہنے کے لیے پابجولاں مکہ واپس جانا پڑا (بخاری وغیرہ)

دانت توڑنے سے انکار

قبولِ اسلام سے پہلے حضرت سُہیل بن عمروؓ کا معمول تھا کہ عام مجمعوں میں اسلام کی مخالفت میں تقریریں کرتے اور حضرت بشیر و نذیر ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زہر اُگلتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ جیسے غیور عاشق رسولؐ ان کی اس حرکت پر سخت ملول ہوا کرتے تھے۔ سُہیل غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوئے تھے۔ جب مکرز بن حفص مکہ معظمہ سے ان کا زرِ فدیہ لے کر مدینہ منورہ پہنچا اور سُہیل کو رہائی ملنے لگی

تو حضرت عمر فاروق رضؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! یہ شخص حضورؐ کے حق میں سخت دریدہ دہن اور بدلگام ہے۔ اجازت دیجیے کہ اس کے اگلے دانت توڑ ڈالوں اور اس کی زبان کھینچ لوں تاکہ آئندہ حضورؐ کی شان اقدس میں گستاخی نہ کر سکے"۔

حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس خیال کو جانے دیجیے۔ عجب نہیں کہ یہ شخص کبھی ایسی باتیں بھی کرے جن سے آپ محظوظ ہوں"۔ یہ اشارۃً اس بات کی پیشین گوئی تھی کہ سُہیل کبھی مسلمان ہو کر تم لوگوں کو خوش کر دیں گے (مستدرک حاکم وسیرۃ ابن ہشام)

سُہیل اشتہاری مجرموں میں

فتح مکہ کے دن آنحضرتؐ نے عفو عام کا اعلان کیا تھا البتہ وہ اشتہاری مجرم اس عموم سے مستثنیٰ تھے جن کے جرائم کی نوعیت کسی طرح قابلِ بخشش نہ تھی۔ سُہیل جنھوں نے فتح مکہ سے دو سال پیشتر حدیبیہ میں نا ٹھانہ اور مَن مانے شرائط پر صلح کی تھی وہ بھی اشتہاری مجرموں کی فہرست میں داخل تھے۔ جب سُہیلؓ نے دیکھا کہ قریش کی قوت پارہ پارہ ہو چکی ہے اور انھوں نے اپنے تئیں یاس و قنوط کے حصار میں گھرا ہوا پایا تو دنیا کے مربیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت کے سوا کوئی کہف امان نظر نہ آیا لیکن چونکہ ہر وقت جان کا خطرہ تھا، عالم سراسیمگی میں عجلت کے ساتھ گھر میں چھپ گئے اور کواڑ بند کر کے بیٹھ رہے۔

معتوب بیٹے سے سفارش کی درخواست کرنا

آخر اپنے مقہور و معتوب بیٹے حضرت ابو جندلؓ کے پاس پیام بھیجا کہ جس طرح بن پڑے اپنے آقا سے جان بخشی کرا دو"۔ حضرت ابو جندلؓ نے ظالم باپ کے ہاتھوں ہزاروں زخم کھائے تھے لیکن چونکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے بلا تامل باپ کی اعانت کرنے کا عزم صمیم کر لیا۔ چنانچہ پیش گاہ نبوی میں حاضر ہو کر التماس کی یا رسول اللہ! میرے باپ کی فردِ قرار دادِ جرائم بڑی طویل ہے اور وہ کسی طرح قابلِ عفو نہیں ہیں لیکن میری آرزو یہ ہے کہ حضورؐ میرے باپ کو امان بخشیں"۔

سُہیل کو معافی

حضرت شفقت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا خوانِ عفو و کرم پہلے ہی بچھا ہوا تھا سُہیل کی تمام خطاؤں کو معاف کیا اور فرمایا وہ خدا کی امان میں مامون ہیں۔ اطمینان سے جہاں چاہیں آئیں جائیں۔ اور اپنے جان نثاروں کو حکم دیا کہ جو کوئی سُہیل بن عمرو سے ملے سختی نہ کرے۔ وہ صاحب عقل و شرف ہیں۔ ایسا شخص محاسن اسلام سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔"

سُہیلؓ کی سعادت اندوزیٔ ایمان

بیٹے نے جاکر باپ کو مژدۂ امان سنایا اور بتایا کہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری نسبت یہ خیال ظاہر فرمایا ہے"۔ آپ کی یہ رحمت و رأفت دیکھ کر سُہیلؓ کو یقین ہو گیا کہ آپ واقعی خدا کے فرستادہ ہیں اور کہنے لگے واللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اوائل عمر میں بھی نیک تھے اور اب بڑی عمر میں بھی نیک ہیں (سیرۃ ابن ہشام و مستدرک حاکم)۔

گو سُہیلؓ اس وقت مشرف باسلام نہ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے کوچ کر گئے لیکن اس کے بعد جب لشکرِ اسلام حُنین سے واپس آرہا تھا تو سُہیلؓ جعرانہ کے مقام پر پہنچ کر خلعت اسلام سے سرفراز ہوئے۔ آنحضرتؐ نے ازراہِ مرحمت حُنین کے مال غنیمت میں سے ان کو بھی سو اونٹ عطا فرمائے (اصابہ)۔

ظلمانی دَورِ ضلالت کی عملی تلافی

حضرت سُہیلؓ نے قبولِ اسلام کے بعد اپنے ظلمانی دَورِ جاہلیت کی خوب تلافی کی۔ اپنی طاقت سے بڑھ کر ریاضت اور عبادت گزاری شروع کر دی یہاں تک کہ شدتِ ریاضت سے سوکھ کر کانٹا ہو گئے۔ رنگ روپ میں تغیر آ گیا۔ اپنی سابقہ زیاں کاریوں کو یاد کر کر کے اکثر رویا کرتے تھے خصوصًا جب قرآن پڑھتے تو روتے روتے بدحال ہو جاتے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ افسوس! غزوہ ہائے بدر و اُحد اور خندق میں میری تلوار اسلام کے خلاف بے نیام تھی۔ حضرت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبور کر کے حدیبیہ کا معاہدۂ صلح میں نے ہی لکھوایا تھا۔ اور جب میں معاہدۂ حُدَیبیہ میں رسُولِ پاک کی ہر بات کو مسترد کرنے اور باطل کی تائید کرنے کو یاد کرتا ہوں تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی شرم آتی ہے۔"

بیٹوں کے تقدّم فی الاسلام پر مسرّت

حضرت سُہیلؓ اپنے دونوں فرزندوں عبداللہؓ اور ابوجندلؓ کے بڑے ممنون تھے۔ ان کے تقدّم فی الاسلام پر اظہارِ مسرت کرتے اور کہا کرتے تھے کہ انہی برخورداروں کی دُعاؤں اور یمن و برکت نے مجھے ایمان کی نعمتِ جاوید بخشی ورنہ میں بھی دوسرے معاندینِ اسلام کی طرح دینِ حنیف کی مخالفت میں تباہ ہو جاتا (اُسدالغابہ)۔

یاد رہے کہ یہ وہی سُہیل بن عمروؓ مکہ معظمہ کے رئیس ہیں کہ جن کے پاس پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از ہجرت طائف کے تبلیغی سفر سے مراجعت فرمانے کے بعد پیغام بھیجا تھا کہ مجھے اپنی حمایت میں لے لو تو انہوں نے انکار کیا تھا۔ حضرت سُہیلؓ کے ایثار اور شہادت فی سبیل اللہ کا واقعہ اسی فصل میں "عکرمہ بن ابوجہل کی جاں بخشی" کے زیرِ عنوان درج ہو چکا ہے۔

تعلیمِ قرآن کے لیے حضرت معاذؓ کی خدمت میں

حضرت سُہیل بن عمروؓ زمانہ جاہلیت میں انصار کو ان کے زراعت پیشہ ہونے کے باعث اپنے سے کم رتبہ خیال کرتے تھے لیکن مشرّف باسلام ہونے کے بعد کبر و نخوت کی بادی بالکل چھٹ گئی۔ چنانچہ بے تکلف تعلیمِ قرآن حاصل کرنے کے لیے معاذ بن جبل انصاریؓ کے پاس جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے کہا آپ قریش کے معزز سردار ہو کر اس خزرجی کے پاس کیوں جایا کرتے ہیں؟ اپنے قبیلہ قریش کے کسی شخص سے تعلیم حاصل کیا کیجیے"۔ فرمایا اسی جاہلانہ غرور نے تو ہم لوگوں کو سب سے پیچھے ڈال دیا (اُسدالغابہ)۔

فصل ۱۱۔ قرتنیٰ اور سارہ سے درگذر

مکہ معظمہ میں قرتنیٰ نام ایک خوبصورت اور خوش آواز مغنیہ لونڈی تھی جو حضرت خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو اور دینِ اسلام کی مذمت کے گیت گایا کرتی تھی۔ قریش اسے اسلام اور داعئ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجو سننے کے لیے اپنی مجلسوں میں مدعو کیا کرتے تھے۔ یہ ساز بجا کر نہایت

خوش آوازی کے ساتھ گاتی اور دشمنانِ اسلام کو خوش کیا کرتی تھی۔ فتح مکہ کے دن بخوفِ جان کہیں روپوش ہو گئی۔ بعض رؤسائے قریش نے اس کے لیے پیغمبر علیہ السلام سے امان کی درخواست کی۔ آپ نے اس کے جرائم کو نظر انداز فرما کر اسے امان دی۔ اس کے بعد وہ حاضرِ خدمت ہوئی اور توبہ کر کے صدقِ دل سے مسلمان ہو گئی (مدارج النبوۃ)۔

بنو عبدالمطلب کی ایک خادمہ سارہ نام بھی گردن زدنی لوگوں میں داخل تھی۔ لیکن جاں بخشی کی درخواست نے اس کو بھی امان دے دی (ابن خلدون)۔

باب دوازدہم

مقتولینِ حُنَین سے حُسنِ مراعات

حُنَین مکہ مکرمہ سے طائف اور عرفات کی جانب قریبًا دس میل کی مسافت پر ایک گاؤں ہے۔ حنین کے اِرد گرد جو قبیلہ آباد تھا اس کو ہوازن کہتے تھے۔ اس بنا پر غزوۂ حنین کو جنگِ ہوازن سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ سرزمین ہوازن کی جس وادی میں جنگِ حُنَین برپا ہوئی وہ اوطاس کے نام سے مشہور ہے۔ اس لیے غزوۂ حُنَین کو غزوۂ اوطاس بھی کہتے ہیں۔

فصل ۱۔ اِسلام کے خلاف غیر مُسلم عربی قبائل کا اِتحاد

شہ ھ تک جبکہ مکہ معظمہ فتح ہوا ہے، عرب کا ایک ایک قبیلہ اطاعت کرکے پرچم اسلام کے نیچے جمع ہو چکا تھا۔ البتہ دس قبیلے یعنی ہوازن، غطفان، ثقیف، بنو نصر، بنو جشم، بنو سعد بن بکر، بنو ہلال، بنو قیس، بنو کعب اور بنو کلاب ایسے تھے جو اب تک اسلام کے چشمۂ سعادت سے محروم تھے۔ ان میں سے ہوازن اور ثقیف بڑے سرکش قبیلے تھے۔ قوت اور مال و دولت میں ان کو خاص امتیاز حاصل تھا اور اس پر طرّہ یہ کہ بہادری اور جنگ جوئی میں بھی عرب کے اندر اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔

یہ دونوں قبیلے اسلام کی روز افزوں ترقی کو حسد اور رقابت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔
جب مکہ مکرمہ پر سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل و دخل ہو گیا تو ہوازن اور ثقیف کے سربرآوردہ افراد کا ایک اجتماع ہوا جس میں یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا کہ قریش کے مسخر و مغلوب ہونے کے کیا اسباب ہیں۔ آخر بحث و تمحیص کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ قریش کی قوت پہلے ہی ٹوٹ چکی تھی۔ اس کے علاوہ اہلِ مکہ کو فنِ حرب میں کچھ بھی دخل نہ تھا۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہم سے سابقہ پڑے تو قدرِ عافیت معلوم ہو جائے اور پتہ چل جائے کہ جنگ کس چیز کا نام ہے۔ اور عجب نہیں کہ آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ فتح کرنے کے بعد خود ہی ہمارے خلاف مصاف آرا ہونے کا قصد کریں۔ اس لیے قبل اس کے کہ وہ ہماری طرف آئیں، مناسب یہ ہے کہ ہم ہی ان پر چڑھ جائیں۔ شیخ عبدالحق رح لکھتے ہیں کہ گو انہوں نے یہ بات تکبر اور سرکشی کی راہ سے کہی لیکن درحقیقت باعتبارِ مآل اس اقدام میں مسلمانوں کی خیر خواہی کی۔ (مدارج النبوت)۔

ان قبائل متحدہ میں سے ہوازن جن کا رئیسِ اعظم مالک بن عوف تھا خاص طور پر بڑے متکبر اور مغرور تھے اور انھیں اپنی جنگی قوت، حربی قابلیت اور تیر اندازی پر بڑا ناز تھا۔ اس لیے فتح مکہ کے بعد دجالی ارواح نے ان کے کانوں میں یہ پھونک دیا کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو کچل کر (خاکم بدہن) اسلام کو یکسر مٹا دینا اور عرب میں از سرِ نو کیش بُت پرستی رائج کرنا وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے۔

اس مقصد کی تکمیل کے لیے ہوازن کے سردار مالک بن عوف نصری نے تمام غیر مسلم شعوب قبائل کو مسلمانوں کے خلاف ایک متحدہ محاذِ جنگ قائم کرنے کی دعوت دی چنانچہ بنو ثقیف، بنو نصر، بنو جشم، بنو سعد بن بکر اور بنو ہلال کے کچھ لوگ اپنی اپنی جمعیت کے ساتھ ہوازن کی سرزمین میں آموجود ہوئے۔ قبیلہ بنو جشم کے ہمراہ ان کا سردار دُرَید بن صمہ بھی تھا۔ گو پیرانہ سالی اور بے بصری نے اس کو کسی کام کا نہ رکھا تھا بمشکل تمام اپنے مقام سے حرکت کر سکتا تھا، تاہم انہوں نے اس کو جہاندیدہ اور جنگ آزمودہ ہونے کے باعث صلاح و مشورہ کی غرض سے ساتھ لے لیا۔

فصل ۲۔ مالک بن عوف کی خودسری

جب قبائل متحدہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لیے اوطاس کے مقام پر پہنچے اور لشکر نے پڑاؤ کیا تو دُرید نے مالک بن عوف سے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے کہ ہر طرف سے اُونٹوں کا بلبلانا، گدھوں کا چیخنا، بکریوں کا ڈکرانا اور لڑکوں کا رونا سنائی دے رہا ہے؟ مالک نے کہا میں لوگوں کو ان کے اہل وعیال اور مال مویشیوں سمیت لایا ہوں تاکہ ان کے خیال سے خوب سینہ سپر ہو کر لڑیں۔ دُرید نے کہا تم نے یہ بڑی غلطی کی کیونکہ منہزمین اپنی کوئی چیز واپس نہیں لے جا سکتے اور فاتحین ہر اعتبار سے نفع میں رہتے ہیں۔ اگر تمہیں فتح ہوئی تو تھوڑی سی تلواروں اور نیزوں کے سوا کچھ بھی حاصل نہ کر سکو گے اور بصورت دیگر تم خود اپنے بیوی بچے اور مال ومنال دشمن کے حوالے کرو گے اور تمہاری قومی ہستی گرداب فنا میں غرق ہو جائے گی۔

اس جنگ میں تین قبیلوں بنو قیس، بنو کعب اور بنو کلاب نے جو ہوازن کے حلیف تھے، ان کا ساتھ نہ دیا تھا۔ دُرید نے مالک بن عوف سے دریافت کیا کہ اس کے حلیف بنو کعب اور بنو کلاب کہاں ہیں؟ مالک نے کہا وہ نہیں آئے۔ دُرید بولا اگر یہ لڑائی رفعت اور کامیابی کی جنگ ہوتی اور مسلمانوں کے مغلوب ہونے کی توقع کی جا سکتی تو بنو کعب اور بنو کلاب اس میں ضرور شریک ہوتے۔ اس کے بعد دُرید نے مالک سے کہا تم نے یہ مہلک غلطی کی ہے۔ میری رائے میں اب بھی مناسب یہی ہے کہ تم سارا لاؤ لشکر لے کر کسی محفوظ مقام پر چلے جاؤ۔ وہاں بیوی بچوں اور مال واسباب کو چھوڑ کر شوق سے میدانِ کارزار کا رُخ کرو تاکہ اگر بالفرض تمہیں ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑے تو اپنے اہل وعیال اور اموال کو دشمن کی دستبرد سے محفوظ رکھ سکو۔

مالک بن عوف نے اس سے انکار کیا اور دُرید سے کہا بڑے میاں! معلوم ہوتا ہے کہ کودنی اور ضعف پیری نے تمہاری عقل میں فتور ڈال دیا ہے ورنہ اپنے سورماؤں کی شجاعت اور حربی صلاحیت کو تم کبھی نظر انداز نہ کرتے۔ دُرید غضب آلود ہو کر بولا اے ہوازن! یہ شخص تم لوگوں کو تباہی کی طرف

لے جا رہا ہے۔ یہ تمہیں بُری طرح رسوا کرائے گا۔ تمہارا یہ نادان دوست تمہیں اور تمہاری ہر چیز کو دشمن کے ہاتھ میں دے کر خود بھاگ کھڑا ہوگا۔" اب ہوازن میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ کیا کرنا چاہیے یہ اختلافِ آرا دیکھ کر مالک بن عوف ہوازن سے کہنے لگا کہ تم لوگ میری اطاعت کرو تو بہتر ہے ورنہ میں ابھی پیٹ میں تلوار مار کر اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہوں"۔ چنانچہ شمشیر میان سے نکال کر اپنے سینے پر رکھ دی۔

ہوازن کے سربرآوردہ اشخاص مالک کا عزم خودکشی دیکھ کر آپس میں کہنے لگے کہ گر مالک کی بات نہ مانی تو یہ جان پر کھیل جائے گا۔ اور دُرید نابینا اور ضعیف ہے جو کسی طرح قیادت کے لائق نہیں اور مالک بن عوف کے سوا ہم میں کوئی ایسا قابل سالار نہیں جو لشکر کی عنانِ قیادت سنبھال سکے۔ اس لیے دُرید اور اس کے انتباہ کو نظر انداز کر کے مالک بن عوف کو قائدِ لشکر بنانے پر سب نے اتفاق کر لیا اور اس سے کہنے لگے کہ مالک! ہم تمہارے تابع فرمان ہیں اپنی مصلحت دصوابدید پر عمل کرو۔

فصل ۳۔ اموالِ ہوازن کے اسلامی غنائم بننے کی پیش گوئی

عبداللہ بن ابی حدرد کا دریافتِ حال کے لیے بھیجا جانا

جب حضرت خیر العباد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن اور ان کے اتحادی قبائل کے اجتماع کی خبر سنی تو آپ نے ایک صحابی حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو جاسوسی پر مقرر فرمایا۔ وہ جا کر ان کے لشکر میں داخل ہوئے۔ اس میں گھومے پھرے اور واپس آکر جملہ حالات آپ کے گوش گزار کیے اور بتایا کہ ان میں سے ہر شخص لڑائی کے لیے پھر رہا ہے۔ اور جب انہوں نے بیان کیا کہ ہوازن اپنا تمام مال و متاع، عیال و اطفال اور مال مویشی بھی ساتھ لائے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ان شاء اللہ العزیز ان کی ہر چیز مسلمانوں کی غنیمت بنے گی۔

وادیٔ حُنین میں وُرود

اب آپ نے مکہ کے ایک غیر مسلم رئیس صفوان بن اُمیہ سے سو ادرع

بقولِ بعض چار سو زرہیں مستعار لے کر بارہ ہزار فوج کے ساتھ بقصدِ مقابلہ خروج کیا۔ دس ہزار صحابی تو وہ تھے جو مدینہ منورہ سے آپ کے ہمراہ آئے تھے اور دو ہزار مکہ کے نو مسلم اور غیر مسلم ان میں شامل ہو گئے تھے۔ آپ مکہ معظمہ سے بقولِ ابن سعد ۶ شوال ۸ھ کو اور حسب بیانِ ابن خلدون پہلی شوال کو تہامہ کی وادیوں سے گزر کر وادی حنین میں پہنچے۔

فصل ۴۔ کثرتِ تعداد کا غرّہ اور اُس کا انجام

مکہ معظمہ سے چلتے وقت کسی مسلمان نے اپنی کثرتِ تعداد کو دیکھ اظہارِ مسرت کیا اور کہا کہ ہم تھوڑوں نے ہمیشہ اپنے بہت زیادہ دشمنوں پر فتح پائی ہے اور اب تو ہم اتنے کثیر التعداد ہیں جو کسی طرح مغلوب نہیں ہو سکتے۔ چونکہ اس قول سے ایک طرح کا پندار مترشح ہوتا تھا، خدائے غیور کو یہ غرّہ و پندار پسند نہ آیا اس لیے مجاہدینِ اسلام کو شروع میں تادیباً ہزیمت و فرار سے دوچار ہونا پڑا۔ اس ہزیمت سے ان کو متنبہ کیا گیا کہ ہمیشہ توکّل علی اللہ کو اپنا شعار بناؤ اور ہر وقت ہماری نصرت بخشی کے امیدوار رہو۔ قرآن پاک (سورۂ توبہ کی آیات ۲۵۔۲۷) میں اسی اعجاب پر تنبیہ فرمائی گئی ہے۔

شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ اس مقام میں اس قول کی وجہ کراہت شاید یہ ہو کہ اس کے قائل سے بقرینۂ معنی عُجب مترشح ہوتا تھا ورنہ قائل کا اظہارِ مسرت حقیقت کے اعتبار سے کچھ غیر صحیح نہ تھا کیونکہ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہما کی حدیث میں مروی ہے کہ سرایا میں سے بہتر سریہ چار سو کا ہے اور بہتر جیش چار ہزار کا ہے۔ اور بارہ ہزار مبارزین کا لشکر قلتِ تعداد کی بنا پر مغلوب نہیں ہوتا۔" اور عساکرِ نبوی کی تعداد اس غزوہ میں بارہ ہزار ہی تھی۔

کمین گاہوں سے نکل کر اچانک حملہ آور ہونا

لشکرِ اسلام کو حنین پہنچنے کے لیے ایک تنگ گھاٹی سے گزرنا تھا مسلمانوں کی آمد سے پہلے مالک بن عوف نے اس کے ناکوں اور راستوں پر قبضہ کر کے اپنی بہت بڑی جمعیت ٹیلوں کے پیچھے اور

گڑھوں کے اندر اور دوسری کمین گاہوں میں چھپا دی تھی اور اہل ایمان کو اس کا مطلق علم نہ تھا۔ مالک نے اپنے مبارزین کو سمجھا دیا تھا کہ جب لشکر اسلام یہاں پہنچے تو دفعۃً کمین گاہوں سے نکل کر اس پر ٹوٹ پڑیں اور مسلمانوں کو اتنا موقع نہ دیں کہ باخبر ہو کر سنبھلیں یا جنگ کے لیے آمادہ ہو سکیں۔

چونکہ وادیٔ حنین میں گڑھے تھے اور راہیں تنگ تھیں، سارا لشکر یکبارگی ایک مقام و محل سے گزر نہیں سکتا تھا، اس لیے فوج دستوں میں بٹ کر وادی کے مختلف حصوں سے گزرنے لگی۔ اب ہوازن کا مخفی لشکر کمین گاہوں سے نکل کر اچانک حملہ آور ہوا۔ مقدمۂ لشکر حضرت خالد بن ولیدؓ کے زیر قیادت قبیلۂ بنو سُلیم پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ اچانک حملہ سے بوکھلا گئے اور ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ مکہ کے ان غیر مسلموں نے بھی راہِ فرار اختیار کی جن میں سے بعض غنیمت کے لالچ سے اور بعض لڑائی کا نظارہ دیکھنے کے لیے شریکِ غزا ہو گئے تھے۔ ان کو دیکھ کر مکہ کے وہ ضعیف الایمان نومسلم بھی بھاگنے لگے جن کے دلوں میں ہنوز شجر ایمان پوری طرح جڑ نہیں پکڑ سکا تھا۔ اس افراتفری کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود سیّدِ ابرار صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص لشکر کا پائے استقلال بھی ڈگمگا گیا اور وہ بھی راہِ جولان اختیار کر کے متفرق و منتشر ہو گئے اور لشکر اسلام میں ایسا تفرقہ پڑا کہ قلیل التعداد حضرات کے سوا کوئی ثابت قدم نہ رہا۔

دُلدُل کی سواری

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دُلدُل نام ایک سفید خچر پر سوار تھے جو شاہ ایلہ نے آپ کو تحفۃً بھیجا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس موقع میں کہ حرب و ضرب کا محل تھا خچر پر سوار ہونا آپ کے کمال شجاعت کی دلیل تھی کیونکہ خچر عادۃً طمانیت اور استراحت کی سواری ہے اور لڑائی کے کر و فر اور ہنگامۂ دار و گیر میں ہمیشہ گھوڑے سے کام لیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مالِ غنیمت کا حصہ گھوڑے کو تو ملتا ہے اونٹ اور خچر کو نہیں ملتا۔ شیخ عبدالحق رقم فرما ہیں کہ لڑائی میں خچر پر سوار ہو کر گویا آپ نے ثابت کر دیا کہ قوتِ قلب، شجاعتِ نفس و توکل علی اللہ کے اعتبار سے جنگ اور امن دونوں حالتیں آپ کے لیے یکساں تھیں۔

ثابت قدم رہنے والے جان نثارانِ ملت

عام بھگدڑ کے اثناء میں پیشوائے امت

صلی اللہ علیہ وسلم وادی کو عبور کر کے کھلے میدان میں پہنچ چکے تھے۔ وہ شجاعان ملت جنہوں نے اس نازک وقت میں آپ کے ساتھ رہ کر رفاقت وجاں نثاری کا حق ادا کیا، حسب تصریح ابن جریر طبری یہ حضرات تھے: ابوبکر صدیق، عمر فاروق، علی مرتضیٰ، عباس بن عبدالمطلب، فضل بن عباس، ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی، ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی، اُسامہ بن زید بن حارثہ اور ان کے اخیافی بھائی ایمن بن عُبَید رضی اللہ عنہم۔ ابن سعد نے طبقات کبیر میں ایمن بن عبید کا نام نہیں لکھا بلکہ پہلے آٹھ اسمائے گرامی زیب رقم کر کے فرمایا ہے کہ اُسامہ بن زیدؓ اپنے چند گھر والوں اور ساتھیوں کے ہمراہ بھی ثابت قدم رہے۔

ابن خلدون نے قثم بن عباس اور جعفر بن ابوسفیان بن حارث دو ناموں کا اضافہ کر کے آخر میں لکھا ہے کہ ان کے علاوہ صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی"۔

ابونعیم کا بیان ہے کہ غزوۂ حُنین میں جعفر بن ابوسفیان ہاشمی کی شرکت وہم ہے کیونکہ جعفر اس وقت نابالغ تھے"۔ مگر ممکن ہے کہ جعفر جو اپنے والد محترم کے ساتھ ہی مشرف باسلام ہوئے تھے اس غزوہ میں بھی اپنے والد کے ہمراہ ہوں۔ شیخ عبدالحق ؒ نے مدارج النبوت میں متذکرۂ صدر نو اسماء میں ان چار ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ قثم بن عباس، (حضرت علیؓ کے بھائی) عقیل بن ابوطالب عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن زبیر علیہم الرضوان۔ پس جعفر بن ابوسفیان کو شامل کر کے یہ تعداد چودہ تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر اغلب ہے کہ حقیقی تعداد اس سے بہت زیادہ ہوگی۔ بنا بریں بہت سے نام ضبط تحریر میں آنے سے رہ گئے ہیں۔ چنانچہ ایک روایت یہ ہے کہ اسّی اصحاب ثابت قدمی کے ساتھ شمع رسالت کے اردگرد پروانہ وار فدویت کے جوہر دکھاتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ جب مشرکین ہوازن نے سخت حملہ کیا تو ہم لوگ قریباً اسّی قدم تک پسپا ہوئے لیکن پھر ہم جم کر کھڑے ہو گئے (مسند احمد)

جن حضرات کے نام نامی اوپر معرض تسوید میں آئے ان میں سے بعض آپ کے خچر کے آگے تھے بعض داہنی طرف اور بعض بائیں جانب۔ حضرت عباسؓ نے آنحضرت کی رکاب

تھام رکھی تھی اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے لگام پکڑی ہوئی تھی۔ اور ایک روایت میں حضرت عباس رضؓ نے داہنی اور ابوسفیان رضؓ نے بائیں رکاب تھامی ہوئی تھی۔ اس وقت آپ فرما رہے تھے "میں نبی ہوں، اس میں کچھ جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں" حضرت عباس رضؓ ہوار رسالت کی باگ تھامے ہوئے ساتھ ساتھ دوڑتے تھے لیکن از راہِ شفقت خچر کو آگے بڑھنے سے روک رہے تھے (مسند احمد واخرجہ البخاری مختصرًا)۔

بقول شیخ عبدالحق آپ کے اس ارشاد کا مقصد کہ "میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں" یہ تھا کہ مسلمانوں کے دلوں کو تقویت ہو اور انھیں یقین رہے کہ خدائے ناصر و معین اپنا وعدۂ نصرت ضرور پورا کرے گا۔

فصل ۵۔ لشکرِ اسلام کی فتح

تیروں کی بارش میں نصرتِ الٰہی کی دُعا

اعداء نے آپ کو قلیل التعداد جاں نثاروں کے جھرمٹ میں دیکھ کر محصور کرنے کا قصد کیا اور آپ کی طرف تیروں کی بارش شروع کر دی۔ آپ بے خوف و خطر خچر پر سے اُترے اور نصرتِ الٰہی کی دُعا کر کے حضرت عباس رضؓ سے فرمایا کہ اصحابِ سَمُرہ کو پکارو۔ اصحابِ سُمُرہ سے وہ صحابہ کرامؓ مراد ہیں جنھوں نے حُدَیبیہ میں کیکر کے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی تھی کہ مر جائیں گے لیکن پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیں گے۔ اصحابِ سُمُرہ مہاجرین و انصار دونوں جماعتوں پر مشتمل تھے۔ حضرت عباس رضؓ نے جن کی آواز بہت بلند تھی پکارا کہاں ہیں اصحابِ سُمُرہ؟ یہ آواز سنتے ہی وہ اس طرح لوٹے جس طرح بچھڑا اپنی ماں کے پاس آتا ہے اور پکارنے لگے حاضر ہوئے حاضر ہوئے۔

ہوازن کی ہزیمت و پسپائی

اب ارشادِ نبوی کے بموجب حضرت عباس رضؓ نے داہنی طرف آواز دی اے گروہِ انصار! یہ آواز سُن کر انصار پلٹ پڑے اور جواب دیا یا رسول اللہ ہم حاضر ہوئے۔ اسی طرح بائیں جانب رُخ کر کے آواز دی اے گروہِ انصار!

اُدھر کے انصار بھی پلٹ پڑے اور آواز دی یا رسُول اللہ ہم پہنچے (صحیح مسلم)۔

الغرض مکہ کے نو مسلموں کے بھاگنے سے جو ہلچل رونما ہوئی تھی وہ دور ہوئی اور خدائے عزیز نے کثرتِ تعداد کے زعم پر تنبیہ کرنے کے بعد شجاعانِ اسلام کے دل پھر مضبوط کر دیے چنانچہ واپس آکر قاطبۃً دشمن پر جھپٹ پڑے اور نارِ حرب بڑی شدت کے ساتھ شعلہ زن ہوئی۔ دوران جنگ میں آپ خچر پر سے بار بار گردن مبارک اُٹھا اُٹھا کر رفتارِ جنگ کا معاینہ فرما رہے تھے۔ آخر اہلِ ایمان نے تابڑ توڑ حملے کر کے اعداء کی صفیں درہم برہم کر دیں اور وہ تابِ مقاومت نہ لا کر سخت بے ترتیبی کے ساتھ بھاگنے پر مجبور ہوئے۔ سپاہِ اسلام نے ہزارہا عورتیں مرد اور بچے قید کیے اور چارپایوں اور دوسرے مالِ غنیمت کا تو کوئی حصر اور شمار ہی نہ تھا۔

شہدائے حُنین

لشکرِ اسلام میں سے ان چار حضرات کو درجۂ شہادت نصیب ہوا:

(۱) حضرت اُسامہ بن زید کے اخیافی بھائی ایمن بن عبید قرشی ہاشمی۔

(۲) یزید بن زمعہ بن اسود بن مُطّلب بن اسود قرشی۔

(۳) سُراقہ بن حارث بن عدی انصاری جو بنو عجلان میں سے تھے۔

(۴) ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہم (سیرت ابن ہشام)۔

قبائل متحدہ کے مقتولین کی تعداد ستر تھی۔ اس روز بہت سے غیر مسلم غلبۂ اسلام کے آئینے میں صداقتِ اسلام کا دل آویز چہرہ دیکھ کر اسلامی برادری میں داخل ہو گئے۔ منہزمین میں سے اکثر نے مالک بن عوف کے ساتھ بھاگ کر حصنِ طائف کا رُخ کیا اور کچھ لوگ بطن نخلہ کی طرف بھاگ گئے۔

فصل ۶۔ مالِ غنیمت کی تقسیم

ہوازن کی ہزیمت و فرار کے بعد آپ نے حکم دیا کہ غنائم حُنین موضع جعرانہ میں جمع کیے جائیں اور ان کی حفاظت کے لیے مسعود بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرما کر آپ خود عازم طائف ہوئے لیکن آپ کے پہنچنے سے پہلے منہزمین نے قلعہ طائف میں داخل ہو کر دروازے بند کر لیے۔ آپ نے جا کر قلعہ کا

محاصرہ کر لیا لیکن پندرہ بیس روز کے بعد محاصرہ چھوڑ کر جعرانہ کو مراجعت فرما ہوئے۔ اس مراجعت کی تفصیل سولھویں باب میں آئے گی۔ جعرانہ مکہ سے شمال مغرب کی طرف دس بارہ کوس کی مسافت پر ہے۔

مالِ غنیمت کی تفصیل

غنائم کا شمار یہ تھا: چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں اور چار ہزار اُوقیہ[ف] چاندی۔ ایک روایت میں بکریوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ وہ شمار ہی میں نہ آسکتی تھیں۔ آپ نے اپنے لشکر کے ہر پیدل کو چار اونٹ اور چالیس بکریاں عطا فرمائیں اور بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں ہر گھڑ چڑھے کے حصے میں آئیں۔ اسی طرح قیدی بھی آپ نے لشکر میں تقسیم فرما دیے۔ اس وقت چاندی کے سکوں کا بہت بڑا ڈھیر آپ کے سامنے لگا ہوا تھا۔ معلوم نہیں کہ لشکر میں سے ہر ایک کو کتنا کتنا نقد ملا (طبقات ابن سعد و مدارج النبوت)۔

رضاعی ہمشیر کی گرفتاری

اسیرانِ ہوازن میں شیماء بنت حلیمہ سعدیہ بھی گرفتار ہوئی تھیں جو حضور سلطان الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن تھیں۔ ان کے میدانِ کارزار میں آنے اور گرفتار ہونے کی وجہ یہ تھی کہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی انّا حلیمہ سعدیہ کا خاندان سعد بن بکر بن ہوازن جس میں آپ ایامِ طفلی کے ابتدائی چار پانچ سال پرورش پاتے رہے تھے قبیلۂ ہوازن ہی کی ایک شاخ تھا اور وہ بھی حملہ آور قبائل میں شامل تھا اور حملہ آور قبائل ازراہِ عاقبت نااندیشی اپنے زن و فرزند کو بھی ہمراہ لائے تھے۔

جعرانہ میں کوکبۂ نبوی کی مراجعت کے بعد جب قیدیوں کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا تو شیماء نے صحابۂ کرامؓ کو بتایا کہ میں تمہارے مقتدا کی رضاعی بہن ہوں۔ لوگ انھیں آپ کے پاس لائے۔ وہ کہنے لگیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حلیمہ سعدیہ کی بیٹی اور تمہاری رضاعی بہن ہوں۔ آپ نے پوچھا اس کا کیا ثبوت؟ انہوں نے آپ کے بچپن کے بعض وقائع آپ کو یاد دلائے۔ آپ نے ان بیانات

[ف] حدیثوں میں جہاں کہیں اُوقیہ کا لفظ آیا ہے اس کا وزن چالیس درہم مراد ہے۔ اس حساب سے چار ہزار اوقیہ چاندی ہمارے پندرہ من سے کچھ کم بنتی ہے۔

کو صحیح تسلیم کیا اور فرطِ محبت سے آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ان کے بیٹھنے کے لیے خود اپنی ردائے مبارک بچھائی اور نہایت اکرام اور پاسداری سے چاہا۔ پھر شیما کو حلیمہ اور ان کے شوہر حارث بن عبد العزی کا حال دریافت فرمایا۔ وہ بولیں دونوں نے اجل کو لبیک کہہ چکے ہیں۔ آنجناب آبدیدہ ہو گئے۔ اس کے بعد شیماء مشرف با یمان ہوئیں اور آپ نے ان کا نام حذافہ رکھا اور ارشاد فرمایا کہ جی چاہے تو مدینہ چل کر میرے گھر پر رہو۔ وہاں تمہیں بڑی عزت اور احترام کے ساتھ رکھا جائے گا اور اگر چاہو تو تمہیں تمہارے گھر پہنچا دیا جائے۔ انھوں نے گھر جانا چاہا۔ چنانچہ آپ نے چند اونٹ اور بکریاں اور بہت سا زر نقد عطا فرما کر انہیں رخصت کیا اور وہ بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ گھر پہنچا دی گئیں (طبقات ابن سعد، تاریخ ابن جریر طبری، اصابہ)۔

راوی کی غلط فہمی

واضح ہو کہ حضرت خلاصۂ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رضاعی بہن کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات جذامہ کہتے ہیں۔ اصابہ میں جذامہ (بکسر الخاء) لکھا ہے۔ تاریخ طبری اور طبقات ابن سعد میں جدامہ (بالجیم والدال المہملہ) بتایا ہے۔ اور چونکہ شیماء کو بعض نے شیما (بلا باء) لکھا ہے۔

حضرت ابوالطفیل صحابی رضی سے مروی ہے کہ آپ موضع جعرانہ میں گوشت بانٹ رہے تھے۔ ایک عورت آپ کے پاس آئی اور آپ نے اس کے لیے اپنی ردائے مبارک بچھا دی۔ وہ عورت اس پر بیٹھ گئی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ آپ کی رضاعی ماں ہیں جنھوں نے آپ کو بچپن میں دودھ پلایا تھا۔" (ابوداؤد)۔ مگر یہ راوی کی غلط فہمی ہے جعرانہ میں آپ سے ملنے والی آپ کی رضاعی بہن شیماء تھیں۔

مؤلفۃ القلوب کی گرانقدر مالی امداد

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جود و سخا کا ہاتھ یوں تو ہمیشہ ہی دراز رہتا تھا لیکن غنائم ہوازن کی تقسیم کے دن تو آپ کا دستِ نوال خلائق کے لیے اس درجہ کشادہ ہوا کہ بذل و نوال کی تاریخ میں شاید اس کی نظیر نہ مل سکے گی۔ خصوصاً مؤلفۃ القلوب جن کے دلوں میں نورِ ایمانی ہنوز قوت پذیر نہ ہوا تھا ان کو تو

آپ نے اس دن داد و دہش سے مالا مال کر دیا۔ تقسیم غنائم کے وقت مشہور دشمن اسلام ابو سفیان بن حرب، جو ابھی چند ہی روز پہلے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے آ کر عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! اس مال میں سے کچھ مجھے بھی عطا فرمائیے۔ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کو چالیس اوقیہ چاندی اور سَو اونٹ دیں۔ انھوں نے چالیس اوقیہ چاندی کے سکّے تول کر ان کے حوالے کیے اور پھر سَو اونٹ گن دیئے۔

اب ابن حرب بولے کہ میرے بیٹے یزید کو بھی مرحمت فرمائیے۔ یزید معاویہؓ کے بڑے بھائی تھے۔ آپ نے یزید کو بھی چالیس اوقیہ چاندی اور سَو اونٹ دینے کا حکم دیا۔ اب ابن حرب نے کہا یا رسول اللہ! میرا بیٹا معاویہ بھی حاضر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے بھی چالیس اوقیہ چاندی اور سَو اونٹ دو (طبقات ابن سعد)۔ اس داد و دہش پر ابو سفیان بن حرب نے آپ کو بہت دعائیں دیں اور کہا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ خدا کی قسم! آپ بڑے کریم ہیں۔ آپ سے ایام جنگ اور زمان آشتی دونوں حالتوں میں جو جود و کرم ظاہر ہوا۔ خدا سے بڑا آپ کو جزائے خیر دے (مدارج)۔

ام المومنین خدیجہؓ کے برادر زادہ حکیم بن حزام فتح مکہ کے دن چشمۂ ایمان سے سیراب ہوئے تھے۔ آپ نے ان کو بھی سَو اونٹ مرحمت فرمائے۔ انہوں نے مزید سَو اونٹوں کے لیے درخواست کی۔ آپ نے اور سَو اونٹ دے کر ان کی امداد فرمائی۔ (ابن سعد)۔ اسی طرح صفوان بن اُمیہ، عیینہ بن حصن فزاری، اقرع بن حابس تمیمی، عباس بن مرداس سلمی، علقمہ بن علاثہ عامری کلابی میں سے ہر ایک کو سَو سَو اونٹ عطا فرمائے گئے (صحیح مسلم)۔ ان میں پہلا غیر مسلم اور پچھلے چاروں مؤلفة القلوب تھے۔

ابن خلدون لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے حصے میں سے (یعنی خمس کا خمس) ان سلمانان قریش کو مرحمت فرمایا تھا جن کی تالیف قلوب مقصود تھی اور وہ بوقت فتح یا بعد از فتح مکہ ایمان لائے تھے۔ آپ نے ان میں سے بعض کو سَو سَو اونٹ، بعض کو پچاس پچاس اور بعض کو ان دونوں کے

ع طبی اوقیہ تو ساڑھے سات تولے کا ہوتا ہے لیکن حدیثوں میں جہاں کہیں اوقیہ کا لفظ آیا ہے اس سے مراد چالیس درہم ہیں۔ پس چالیس اوقیے قریباً چھ سیر چاندی ہوئی۔

درمیان میں روپے۔ ان لوگوں کو مؤلفۃ القلوب کہتے ہیں۔ یہ قریباً چالیس افراد تھے۔ (تاریخ ابن خلدون)۔

قریش کے مؤلفۃ القلوب میں دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو فتح مکہ کے ایام میں مسلمان تو ہوئے لیکن ہنوز ان کے ایمان میں ضعف تھا۔ مثلاً ابوسفیان بن حرب، معاویہ بن ابوسفیان، عُیَینہ بن حصن، سُہَیل بن عمرو وغیرہم۔ ان لوگوں کو زیادہ دینے سے یہ غرض تھی کہ ان کے دلوں میں حلاوت ایمان کامل و راسخ ہو جائے۔ دوسرے وہ غیر مسلم رؤساء جو مکہ معظمہ سے لشکر اسلام کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ ان کو بھی شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سو سو اونٹ عطا فرمائے تاکہ اسلام کے زیر بار احسان رہیں۔ جیسے صفوان بن اُمیّہ وغیرہ کہ آخر کار یہی حسن سلوک صفوان کے قبول اسلام کا محرک بن گیا۔

ایک منافق کی دریدہ دہنی

جب حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤلفۃ القلوب نو مسلموں اور مکہ معظمہ کے غیر مسلموں کو سب سے زیادہ مال دیا تو قبیلہ بنو تمیم کا ایک منافق جس کا نام ذوالخویصرہ تھا کہنے لگا خدا کی قسم! اس تقسیم میں نہ تو خدا کی رضا جوئی مطلوب تھی اور نہ عدل و انصاف ہی مدنظر رکھا گیا۔ یہ سن کر پیشوائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں بھی انصاف نہیں کرتا تو دوسرا کون ہے جو میزان عدل قائم کرے گا؟ فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس دریدہ دہنی اور بدلگامی کی تاب نہ لا سکے ورتعا تلوار دیتے ہوئے اس کی گردن مارنے کو لپکے لیکن آپ نے ان کو فی الفور روک دیا اور فرمایا خدا موسیٰ (علیہ السلام) پر رحم کرے انھیں اس سے بھی زیادہ ہدف اعتراضات بنایا گیا لیکن انہوں نے صبر و شکیب سے کام لیا (بخاری و مسلم)۔

لیکن جس صورت میں کہ حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ داد و دہش آپ کے اپنے خمس سے تھی اور آپ کو بحیثیت پیغمبر خدائے برتر کی طرف سے اس کی اجازت تھی تو کسی عدو سے حق کو اعتراض اور جرح و قدح کا کسی طرح حق نہیں پہنچتا تھا۔ علاوہ ازیں آپ نے اس عطا و بخشش

ہیں قریش سے امتیازی سلوک کرنے کی مصلحت یہ بیان فرمائی تھی کہ قریش زمانہ جاہلیت کے بہت قریب ہیں اور انھیں عہدِ ماضی میں بڑے بڑے مصائب و نوازل کا سامنا رہا ہے۔ اس لیے میں نے چاہا کہ کرم گستری سے ان کے مصائب کی تلافی کر دوں۔ اس اقدام سے توقع ہے کہ ان کے دلوں میں محبتِ اسلام کی تخم ریزی اور قبولِ ایمان کی تحریک ہوگی اور فرمایا دیکھو میں نے جُعیل بن سراقہ ضمری رضہ کو جو فقرائے اصحاب صُفّہ میں سے ہیں اور اکثر غزوات میں میرے ہمراہ رکاب رہتے ہیں ان غنائم میں سے کچھ نہیں دیا لیکن عیینہ اور اقرع کو سو سو اونٹ دیے ہیں کیونکہ مجھے جعیل کے ایمان و اخلاص پر پورا اعتماد ہے (مدارج النبوت)۔

فصل ۷ - ہوازن کا وفد بارگاہِ نبویؐ میں

جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ میں اموال و سبایا کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو ہوازن کے چند سرکردہ اشخاص حاضر خدمت ہو کر شرفِ اسلام سے مستفید ہوئے۔ ان لوگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی چچا ابو برقان بھی داخل تھے۔ یہ لوگ سعادتِ ایمانی کے بعد عرض پیرا ہوئے کہ یارسول اللہ! ہماری قوم پر جو مصیبت آئی وہ حضور سے مخفی نہیں ہے۔ اب آپ ہم پر رحم فرما کر ہمارے اموال اور قیدی واپس دے دیجیے۔ آپ کے رحم و کرم سے بعید نہیں کہ ہماری درخواست کو شرفِ قبول بخشیں گے خصوصاً ایسی حالت میں کہ قیدیوں میں آپ کی رضاعی عمات و خالات بھی ہیں۔ انھوں نے آپ کے بچپن میں آپ کی کفالت و نگہداشت اور خدمت کی تھی۔

دو میں سے ایک آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہارا بہت انتظار کیا کہ آج آتے ہو کل آتے ہو اور آ کر ان کی واپسی کے متعلق مجھ سے گفتگو کرتے ہو۔ لیکن تم لوگ نہ آئے اور آئے بھی تو ایسے وقت میں جب کہ قیدی اور اموال تقسیم کیے جا چکے ہیں۔ اب بتاؤ میں کیا کر سکتا ہوں؟ اگر ہوازن کا وفد تقسیم سے پہلے آ کر اسلامی برادری میں شامل ہونے کا اظہار کرتا تو آپ انھیں یقیناً ہر چیز واپس کر دیتے۔ لیکن انھوں نے تقسیم کے بعد یہ درخواست کر کے آپ کو الجھن میں

ڈال دیا۔ کیونکہ درخواست کا مسترد کرنا آپ کی عادت کے خلاف تھا اور لشکر کو جو اس زمانہ میں بالکل بے تنخواہ ہوتا تھا اس کا جائز حق دے کر واپس مانگنا آپ کے شایان شان نہ تھا۔ تاہم شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سراپا مجسمہ رحم و شفقت تھے فرمایا ایسا کرو کہ اموال اور قیدی دو چیزوں میں سے جس کو تم زیادہ عزیز رکھتے ہو وہ مانگ لو (مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۲۹۳)۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ہوازن کا وفد تقسیم غنائم سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا لیکن یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اگر وفد پہلے پہنچ چکا ہوتا تو آنحضرت کا لشکر سے قیدی واپس مانگنا بے معنی تھا۔ حالانکہ آئندہ سطور میں قارئین کرام کو معلوم ہوگا کہ آپ نے لشکر سے قیدی واپس طلب کیے بلکہ ابن خلدون نے آگے چل کر خود لکھا ہے کہ اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن اور عباس بن مرداس نے غنیمت (یعنی غلاموں کے) واپس کرنے سے انکار کیا تو آپ نے اس کا معاوضہ دے کر ان کو راضی کیا تھا۔ علاوہ ازیں بخاری کی روایت سے جو عنقریب معرض تسوید میں آئے گی صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ تقسیم شدہ قیدی رہا کیے گئے تھے۔

فصل ۸۔ قیدیوں کو پوشش اور خلعت عطا فرما کر مخلصی بخشنا

رسول اللہ کو سفارشی بنانے کی تلقین ہوازن کا وفد عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! ہم مال مویشی سے دست بردار ہوتے ہیں۔ ہمیں قیدی واپس دلا دیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں بنو ہاشم (یعنی اپنے خاندان) کے حصے کے قیدی تو خود ہی واپس کر سکتا ہوں۔ رہے دوسرے لوگ سو ان سے میں تمہارے لیے درخواست کروں گا کہ وہ بھی اپنے اپنے حصوں سے دست بردار ہو جائیں۔ آپ نے وفد سے فرمایا کہ جب میں نماز ظہر سے فارغ ہو جاؤں تو تم لوگ کھڑے ہو جانا اور مسلمانوں کے پاس مجھے شفیع بنا کر کہنا کہ ہمارے قیدی واپس دیئے جائیں۔ اس وقت میں تمہاری سفارش کروں گا۔ اہل وفد نے اس حکم کی تعمیل کی۔

بخوشی قیدی چھوڑنے پر آمادگی نماز کے بعد آپ کھڑے ہو گئے اور باری تعالیٰ کی حمد و نعت

کے بعد فرمایا اے مسلمانو! ہوازن تائب اور مشرف با یمان ہو کر میرے پاس آئے ہیں اور میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ان کے قیدی واپس دے دیے جائیں۔ تم میں سے جو حضرات خوشی سے اپنے قیدی چھوڑ سکتے ہوں انھیں میری درخواست پر لبیک کہنا چاہیے۔ لیکن جو لوگ اپنے حق سے دست بردار ہونے اور بلا معاوضہ قیدی چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوں' ان سے میں وعدہ کرتا ہوں کہ آیندہ جہاں کہیں سے پہلی غنیمت حاصل ہو گی' اس میں سے ان کا معاوضہ (ہر قیدی کے بدلے چھ اونٹ) سب سے پہلے دیا جائے گا۔" مسلمانوں میں سے کون تھا جو آپ کی خواہش کو ٹھکرا دیتا۔ اس ارشاد گرامی کے جواب میں تمام لشکر متفقہ آواز سے بول اٹھا کہ حضور! ہم خوشی سے اپنے قیدی چھوڑتے ہیں۔

آپ نے فرمایا' اس طرح پتہ چلنا مشکل ہے کہ کون خوش ہے اور کون ناخوش۔ تم سب قیام گاہ پر واپس جاؤ اور اپنے اپنے فوجی سرداروں کو میرے پاس بھیج دو۔ حسب ارشاد تمام فوجی افسر حاضر خدمت ہوئے اور آپ کو اطلاع دی کہ تمام مسلمان بطیب خاطر اپنے اپنے قیدی چھوڑتے ہیں۔ غرض سب کو مخلصی نصیب ہوئی (مسند امام احمد، سیرت ابن ہشام)

حضرت عمرؓ کا دو لونڈیاں آزاد کرنا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ میرے والد محترم حضرت عمرؓ کو حنین کے قیدیوں میں سے دو لونڈیاں ملی تھیں اور انھوں نے ان کو مکہ کے ایک خاندان میں لا کر رکھا تھا۔ جب سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے قیدیوں کو رہا کیا تو وہ لوگ خوشی سے مکہ کے گلی کوچوں میں دوڑنے لگے۔ والد محترم نے مجھ سے فرمایا کہ عبداللہ! جا کر دیکھو کیا معاملہ ہے؟ میں تحقیق کر کے واپس آیا اور انھیں بتایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے قیدیوں کو رہا کر دیا ہے۔ والد نے فرمایا کہ جاؤ تم بھی ان لونڈیوں کو رہا کر دو (بخاری)

الغرض سرور موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قیدیوں کو بڑی مروت سے کپڑے اور خلعت عطا کر کے عزت کے ساتھ رخصت فرمایا۔ جب ہوازن کا وفد اپنے اسیروں کو لے کر واپس پہنچا تو اس حسن سلوک نے قریب قریب تمام قوم ہوازن کو حقانیت اسلام کا جلوہ دکھا دیا اور وہ دائرۂ اسلام

میں داخل ہو گئے (مسند احمد و سیرت ابن ہشام)

مغلوب دشمنوں سے حسن سلوک کی واحد مثال

کیا دنیا کا کوئی فاتح اپنے مغلوب دشمنوں سے ایسا مشفقانہ برتاؤ کرتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تاریخ عالم میں حسن سلوک کی یہ واحد مثال ہے۔ غالب اور فاتح قوتیں تو نہ صرف زر و مال، اسلحۂ جنگ، ہر قسم کے ذخائر، قیدی اور تمام دوسرے ممکن الحصول ساز و سامان چھین لیتی ہیں بلکہ مفتوح قوم پر تاوانِ جنگ کا بھی اتنا بوجھ اتنا ناقابلِ برداشت بوجھ ڈال دیا جاتا ہے کہ وہ نصف صدی یا کم از کم ربع ہی صدی تک سر اٹھانے کے قابل نہیں رہ جاتی۔

فصل ۹۔ ابوسفیانؓ بن حارث کو خطاب سے سرفرازی

جنگ ہوازن میں حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ عم رسولؐ اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آپ کے عم زاد بھائی نے سب سے زیادہ شجاعت اور فداکاری کا جوہر دکھایا تھا۔ حارث حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے چچا تھے۔ ان کے تین بیٹے تھے۔ ابوسفیان، مغیرہ اور نوفل۔ ان میں سے ابوسفیان اور نوفل سعادت ایمانی سے مستسعد ہوئے تھے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جاں نثاری پر جو ابوسفیانؓ بن حارث سے ظاہر ہوئی ان کو اسد اللہ اور اسد الرسول کے معزز لقب سے سرفراز فرمایا (طبقات ابن سعد جلد ۴ ق اول ص ۳۲)۔

آپ نے مولفۃ القلوب نومسلموں کو چاندی کے سکے اور سو سو اونٹ دے دیئے تھے لیکن اپنے نومسلم بھائی ابوسفیان بن حارث کو ان کی شجاعانہ جانبازی پر ایک دینی خطاب سے نوازا لیکن ظاہر ہے کہ یہ خطاب ہزار اونٹوں اور چاندی کے انباروں سے کہیں زیادہ وسیع اور قابل قدر تھا۔

جرمن محبانِ وطن کو انتقامی سزائیں

دنیا سے برائی کا استیصال کرنے کے لیے ضرورت ہے کہ اخلاقی مجرموں کو عبرت ناک سزائیں دی جائیں

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے چور کا ہاتھ کاٹنے، شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنے، غیر شادی شدہ زانی کو سو کوڑے مارنے اور بادہ خوار کو اسی کوڑے لگا کر اس کی مستی دور کرنے کا حکم دیا۔ اور ظاہر ہے کہ سیاسی مجرم جو زیر عتاب ہوتے ہیں وہ حقیقت میں مجرم نہیں بلکہ اپنی قوم کے خیر خواہ ہوتے ہیں اس لیے ضرورت ہے کہ ان پر قابو ملے تو ان سے ہمدردانہ اور شریفانہ سلوک کیا جائے کیونکہ اپنی قوم اور ملک کی خیر خواہی کرنا کوئی جرم نہیں بلکہ قابل تحسین اور لائق قدر جذبہ ہے۔

لیکن اہل مغرب کی ماؤف ذہنیت دیکھو کہ وہ اخلاقی مجرموں کو تو کچھ ایسی برائے نام سزا دیتے ہیں جو نہ مجرموں کے لیے سبق آموز ہوتی ہے اور نہ عامۃ الناس کے لیے عبرت ناک۔ یہی وجہ ہے کہ اخلاقی جرائم دن بدن شدت اور کثرت اختیار کرتے جا رہے ہیں لیکن اپنے سیاسی حریفوں کی سرکوبی میں ایسے بیباک واقع ہوئے ہیں کہ ان سے انتقام لیتے وقت شرافت اور عالی حوصلگی تو کیا اصول انسانیت تک کو بھول جاتے ہیں۔ یورپ کی دوسری عالمگیر جنگ میں جو ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک برپا رہی جرمنی اور اٹلی کے مقابلہ میں روس، امریکہ، برطانیہ اور فرانس جیت گئے تھے لیکن فاتحین نے مفتوحین کے ساتھ جو سلوک کیا وہ شریفانہ اور فیاضانہ تو درکنار دائرۂ انسانیت ہی سے خارج تھا۔

ہٹلر کی خودکشی

جرمنی کے تمام بڑے بڑے سیاسی مختار جن کی تعداد اٹھارہ تھی، تختۂ دار پر لٹکا دیے گئے۔ چونکہ جرمنی کا مختار مطلق ہٹلر جانتا تھا کہ وہ دشمن کے ہاتھ میں چلا گیا تو اس کی قسمت کا کیا فیصلہ ہوگا۔ اس نے اسیری سے بچنے کے لیے خودکشی کر لی۔ اٹلی (اطالیہ) کے مختار مطلق مسولینی سے بھی کوئی روادارانہ سلوک نہ کیا گیا بلکہ وہ فاتحین کے ہاتھ سے کتے کی موت مارا گیا۔ اب میں نام نہاد متمدن ممالک کے فاتحین کے طرز عمل کے مقابلہ میں دکھانا چاہتا ہوں کہ پیغمبر ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سیاسی حریف مالک بن عوف سے جو متحدہ قبائل کو آپ پر چڑھا لایا تھا، کیا سلوک کیا؟

فصل ۱۰۔ مالک بن عوف پر نوازش

جب ہوازن اپنے قیدیوں کو چھوڑا کر مراجعت کرنے لگے تو سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ تمہارا سردار مالک بن عوف جس نے تم لوگوں کو خدا اور اس کے رسول سے لڑنے پر ابھارا تھا کہاں ہے؟ انہوں نے کہا وہ حضور کے لشکر سے شکست کھا کر طائف بھاگ گیا۔" آپ نے ارکانِ وفد سے فرمایا کہ اگر مالک بن عوف میرے پاس آجائیں تو میں نہ صرف ان کے اہل وعیال اور مویشی واموال واپس کر دوں گا، بلکہ اپنی طرف سے بھی سو اونٹ پیش کروں گا۔

مالک بن عوف کا شرفِ ایمانی

اس وقت مالک بن عوف طائف کے اندر سخت بے کسی کے عالم میں پریشان حال اپنی موت کی گھڑیاں گن رہے تھے اور یار و یاور کوئی نہ تھا جب انھیں یہ اطلاع ملی کہ پیغمبرِ عالم نے ان کی معافی کا وعدہ فرمایا ہے تو نہایت مسرور ہوئے اور بلا تامل جعرانہ ہی میں بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے آپ نے ان کا قصور معاف کر کے ان کے تمام مال واملاک اور اہل وعیال واپس کیے اور اس بخشش وعطا پر اپنی طرف سے سو اونٹوں کا اضافہ فرمایا۔ مالک بن عوف نے بادۂ ایمان سے مخمور ہو کر سرورِ دو جہان کی مدح وستائش میں چند اشعار کہے جن کا خلاصۂ مفہوم یہ تھا کہ میں نے مدت العمر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا کوئی انسان نہ کبھی دیکھا ہے اور نہ سنا ہے۔" آپ نے مالک بن عوف رضؓ کو نہ صرف ان کی قوم کا سردار بنا دیا بلکہ چند دوسرے قبائل کا بھی امیر مقرر فرما دیا جو شرفِ ایمانی سے بہرہ مند ہو چکے تھے (طبقات ابن سعد ومدارج النبوت)۔

دشمن کو دوست بنانے کی آسمانی تعلیم

کیا دنیا کے کسی ریفارمر (مصلح) کے وقائع حیات میں اس درگذر، عفو ومسامحت اور عطا وبخشش کی کوئی نظیر دکھائی جا سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اصل یہ ہے کہ آپ نے مالک بن عوف اور دوسرے

اعداء سے جو مربیانہ سلوک کر کے ان کو دوست بنایا، وہ عفو و درگزر کی اس آسمانی تعلیم کا نتیجہ تھا جس سے آپ کی رہنمائی کی جارہی تھی۔ اس سلسلۂ مودّت میں قرآن کے جو احکام نازل ہوئے ان میں یہ آیت بھی تھی:

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ٥ (۴۱ : ۳۴)	نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی (ہر ایک کا اثر جدا ہے) برائی کا دفعیہ حسن سلوک سے کرو اگر ایسا کرو گے تو تم دیکھو گے کہ تم میں اور کسی شخص میں عداوت ہو تو وہ ایسا ہو جائیگا جیسا کوئی دلسوز دوست ہوتا ہے۔

مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ (اے پیغمبر! درگذر کا شیوہ اختیار کیجیے اور پسندیدہ افعال کا حکم کرتے رہیے اور جاہلوں کی باتوں پر چشم پوشی فرمائیے۔ ۷ : ۱۹۹) تو سیّد الابرار صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین ؑ سے پوچھا کہ اس آیت کا منشا کیا ہے؟ انہوں نے باری تعالیٰ سے دریافت کر کے بتایا کہ جو کوئی آپ سے قطع کرے، اس سے آپ پیوند کیجیے۔ جو آپ کو محروم کرے اس کو عطا کیجیے، اور جو آپ پر جور و ستم کرے اُسے معاف فرمائیے۔

مدینۃ الرسول ؐ کو مراجعت

حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کے معاملات اور دوسرے قضایا سے فراغت پا کر جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ مکرمہ تشریف لا کر احکام عمرہ بجا لائے اور اس کے بعد عتاب بن اُسید رضؓ کو مکہ مکرمہ کا حاکم فرمایا اور حضرات ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل انصاری رضؓ کو اس غرض سے مکہ معظمہ چھوڑا کہ وہاں کے باشندوں کو قرآن پڑھائیں اور احکام شرعی کی تعلیم دیں اور احکام دین و ملت کا اجراء کریں۔

آپ نے حضرت عتاب رضؓ حاکم مکہ کی تنخواہ بیت المال سے ایک درہم روزانہ (قریباً دس روپے ماہوار) مقرر فرمائی اور ذی قعدہ ۸ھ میں لشکر سمیت ڈھائی مہینہ بعد رجعت فرمائے

مدینہ ہوئے (سیرت ابن ہشام مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۱۴۳)۔

اسماء الرجال کی بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے عتابؓ کو حُنین کی طرف خروج فرما ہونے کے دن عامل مکہ مقرر فرمایا تھا۔

عتاب بن اسید نہایت زاہد و متورع اور صالح جوان تھے۔ ان کی عمر بیس برس سے کچھ متجاوز تھی۔ انہی نے اسلام میں سب سے پہلے امیر ہوکر مسلمانوں کے ساتھ حج کیا۔ اس سال مسلمانوں نے بھی حج ادا کیا اور مشرکین نے بھی اپنے طریقہ پر حج کیا (ابن خلدون)۔

باب سیزدہم

قریش پر مزید نوازشوں کی بھرمار

فصل ۱۔ انصاری نوجوان کی ناگواری

ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ اپنے خُمس میں سے جہاں جہاں مناسب خیال فرماتے مفادِ اسلامی پر خرچ کیا کرتے تھے۔ باب سابق میں قارئینِ کرام نے پڑھا کہ فیاضِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غنائمِ ہوازن کی تقسیم کے وقت اپنے خُمس میں سے مکہ کے نومسلموں اور غیر مسلموں کو غیر معمولی عطایا سے نوازا تھا۔ سردارانِ قریش کے حق میں ایسی عدیم النظیر فیاضی اور دریا دلی دیکھ کر ایک انصاری نوجوان سے رہا نہ گیا۔ وہ ناگواری کے عالم میں بول اُٹھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسُول پر رحم کرے۔ آپ ہم کو چھوڑ کر قریش کو دیتے ہیں حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قریش کا خون ٹپک رہا ہے۔

انصار سے سرورِ دو جہانؐ کا خطاب

جب یہ مقولہ خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک میں پہنچا تو آپ نے انصار کو ایک چرمی خیمے میں جمع ہونے کا حکم دیا اور ان کے علاوہ کسی دوسرے کو طلب نہ فرمایا۔ جب سب آچکے تو آپ وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا اے گروہِ انصار! یہ کیا بات ہے جو تمہاری طرف سے مجھے پہنچی ہے؟

انصار کے فہیم و سربرآوردہ افراد نے گزارش کی یا رسول اللہ! ہم میں سے کسی ذمہ دار اور حقیقت شناس آدمی نے یہ بات نہیں کہی بلکہ غلطی سے ایک کم فہم نوجوان کے منہ سے نکل گئی ہے۔"

آپ نے فرمایا میں ایسے لوگوں کو جو جاہلیت کی تاریکی سے نکل کر نورِ اسلام میں آتے ہیں محض تالیفِ قلوب کے خیال سے دیتا ہوں۔ قریش نئے نئے حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ یہ لوگ اس وقت سخت مشکلات کے حصار میں گھرے ہوئے ہیں اور ان کی مالی حالت کمزور ہے۔ اس لیے ان کی دلجوئی کرتا ہوں۔ اور اے گروہِ انصار! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ اور لوگ تو مال و زر لے کر اپنے گھروں کو لوٹیں اور تم اللہ کے رسولؐ کو اپنے ساتھ لے کر اپنے شہر کو مراجعت کرو۔ اور یقین رکھو کہ جو کچھ تم لوگ اپنے ساتھ لے جاؤ گے وہ اس مال سے کہیں بہتر ہوگا جو مکہ کے یہ نومسلم اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔"

انصار کا جواب

تمام انصار قاطبۃً بول اٹھے یا رسول اللہؐ! ہماری مسرت اور سعادت حضورؐ ہی کو ساتھ لے جانے میں ہے۔" اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ مستقبل قریب میں بہت سے دوسرے لوگ تم پر مقدم کیے جائیں گے اور تمہیں چھوڑ کر اوروں کو حکومت اور دُنیوی مال و منال سے بہرہ مند کیا جائے گا۔ لیکن تم لوگ صبر کرنا یہاں تک کہ دارِ آخرت میں اللہ اور اس کے رسول کے پاس پہنچ جاؤ اور حوضِ کوثر پر مجھ سے ملاقات کرو (بخاری و مسلم)۔

فصل ۲۔ قریش کی مزید مالی امداد

رقم پہنچانے کے لیے عمرو بن فغواءؓ کی ماموری

خدا کے برگزیدہ رسولؐ نے عمائدِ قریش کو صرف جعرانہ میں غیر معمولی دادو دہش سے مالا مال نہ کیا بلکہ اس کے بعد بھی آپ وقتاً فوقتاً مدینہ منورہ سے زر اعانت بھیج کر اہلِ مکہ کو تقویت پہنچاتے اور ان کی جمعیتِ خاطر کا سامان کرتے رہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے عمرو بن فغواء خزاعی کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ میں ابوسفیان بن حرب کچھ اس غرض سے مال بھیجنا چاہتا ہوں کہ وہ مکہ معظمہ میں قریش کے لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ تم وہاں جانے

کے لیے کوئی رفیقِ سفر تلاش کر لو"۔

حضرت عمرو بن فغواء رفاقت کے لیے لوگوں سے دریافت کرنے لگے۔ اتنے میں عمرو بن اُمیّہ نام ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا میں نے سنا ہے کہ تم مکّہ جانے کے لیے کسی رفیقِ سفر کی تلاش میں ہو۔ انہوں نے کہا ہاں۔ ابن اُمیّہ بولا اچھا! میں ساتھ چلوں گا۔ عمرو بن فغواء نے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی یارسُولؐ اللہ! اور تو کوئی ساتھی نہیں ملا۔ ایک شخص عمرو بن اُمیّہ ملا ہے۔ حکم ہو تو اسی کو ساتھ لے جاؤں"۔ فرمایا ہاں اسی کو ساتھ لے جاؤ لیکن جب اس کی قوم کی سرزمین میں پہنچو تو ذرا بچ کے جانا (مبادا اپنی قوم سے سازش کر کے تم کو لٹوا دے)۔ آپ نے بہت سا زرِ نقد عمرو بن فغواء کے حوالے کیا اور وہ عمرو بن اُمیّہ کو ساتھ لے کر مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے۔

جب اَبواء نام ایک مقام پر پہنچے تو عمرو بن اُمیّہ کہنے لگا مجھے موضع وَدّان میں اپنے رشتہ داروں سے کچھ کام ہے۔ تم یہیں ٹھیرو تو میں وہاں سے ہو آؤں۔ عمرو بن فغواء نے کہا اچھا جاؤ۔ راستہ نہ بھولنا۔ وہ چلا گیا اور یہ وہیں اس کے انتظار میں ٹھہر گئے۔ تھوڑی دیر میں انہیں رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک یاد آگیا۔ جھٹ اُونٹ پر سوار ہوئے اور اس کی آمد سے پہلے ہی چل دیے۔

جب اصافر کے مقام پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ عمرو بن اُمیّہ اپنی قوم کے چند سواروں کے ساتھ ان کے تعاقب میں آرہا ہے۔ انہوں نے اپنے اونٹ کو زیادہ تیز کر دیا اور ان کی گرفت سے بہت دُور نکل گئے۔ آخر جب عمرو بن اُمیّہ نے دیکھا کہ وہ انہیں کسی طرح نہیں پا سکتے تو ساتھیوں کو نامراد واپس بھیج دیا اور خود تنہا ان سے آملا اور کہنے لگا مجھے اپنے لوگوں سے کچھ کام تھا۔ انہوں نے کہا ہاں ہوگا۔ حضرت عمرو بن فغواء اس کے بعد مکہ معظمہ پہنچے اور امانت مفوضہ ابوسفیان کے حوالے کی (ابوداؤد)۔

باب چہاردہم ۱۴

دوسرے دشمنانِ جان سے درگذر

دشمن سے انتقام لینا انسان کی ایک عزیز ترین فطری خواہش ہے اور دنیا میں مشکل کوئی ایسا شخص ملے گا جو قابو پانے پر دشمن سے درگذر کرے ۔ خصوصًا ایسے دشمن سے جو درپئے ہلاکت وجاں ستانی ہو۔ لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اس کلیہ سے بالکل مستثنیٰ تھی۔ آپ نے مدت العمر کسی دشمن سے بدلہ نہ لیا اور ایسے لوگوں سے بھی درگذر فرمایا جو آپ کا وجودِ مبارک صفحۂ ہستی سے معدوم کرنے میں ہر وقت کوشاں تھے یا جنھوں نے اپنی زندگی آپ کی ایذا رسانی کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ اس عفو و درگذر کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں ۔

فصل ۱۔ مکہ کے اسی ۸۰ عازمینِ قتل کو معافی

پہلے لکھا گیا تھا کہ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے تھوڑے فاصلہ پر بمقام حدیبیہ قیام فرما تھے اور وہیں اہل مکہ سے دس سال کے لیے معاہدہ طے ہوا تھا۔ قریش یعنی مکہ مکرمہ کے بُت پرست زعماء جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم قوم تھے آغازِ دعوت سے اس درجہ آپ کے دشمن ہو گئے تھے کہ آپ کو بحکم خداوندی حفاظتِ جان کے لیے وطن (مکہ معظمہ) چھوڑنا پڑا تھا۔ قیام

حُدَیبیہ کے ایام میں انہوں نے آپس میں صلاح کی کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) یہاں سے تھوڑے فاصلہ پر مقیم ہیں۔ اس سنہری موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ لڑائیاں لڑنے سے کہیں زیادہ آسان صورت یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حالتِ غفلت میں قتل کر کے اس شمع گیتی افروز کو ہمیشہ کے لیے گُل کر دیا جائے۔

چنانچہ اس فیصلہ کے بموجب شہر مکہ سے اسّی قوی ہیکل جانباز منتخب کیے گئے اور انہیں تاکید کی گئی کہ جس طرح بن پڑے اپنی جانوں پر کھیل کر محمد (علیہ التحیۃ والسلام) کو ٹھکانے لگا آؤ۔ چنانچہ یہ اسّی جوان مسلح ہو کر مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے اور کوہِ تنعیم سے اُتر کر نہایت خاموشی اور راز داری کے ساتھ منہ اندھیرے لشکرِ اسلام کے قریب پہنچے۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ لشکرِ اسلام میں گھس کر اپنے ناپاک مقصد کی تکمیل کی کوشش کرتے، صحابۂ کرام رضی کو ان کی آمد کا پتہ چل گیا اور سب کے سب گرفتار کر لیے گئے۔

ان سب نے اقبالِ جرم کر لیا اور ان کی سزا قتل تھی، لیکن جب یہ مجرم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیے گئے تو آپ نے کوئی ادنیٰ سزا دیے بغیر فرمایا میں تم کو معاف کرتا ہوں اور سب کو بری کر دیا۔ اس اقدامِ قتل کے متعلق قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی (بخاری ومسلم):

وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ
وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ
مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ
(سورۂ فتح، آیت ۲۴)

وہ ایسی ذات برتر ہے جس نے ان کے ہاتھ
تمہارے قتل سے اور تمہارے ہاتھ ان کے
قتل سے عین مکہ کے قرب میں روک دیے بعد
اس کے کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا۔

فصل ۲۔ عُمیر بن وَہب کی جان بخشی

قریش کے جن حرماں نصیبوں کو اسلام اور داعیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دشمنی میں خاص شغف وانہماک تھا، اُن میں عُمیر بن وَہب جمحی کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ یہ غزوۂ بدر میں کفار

کی طرف سے شریکِ جنگ ہوئے اور منہزم ہوکر بھاگ آئے تھے۔

قتل کی سازش

قریش مکہ کو مسلمانوں کے مقابلہ میں بدر کے میدانِ جنگ میں ذلت آفرین ہزیمت کا سامنا ہوا تھا۔ ایک دن مکہ معظمہ میں حجر کے مقام پر عُمیر بن وہب اپنے دوست صفوان بن اُمیہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے اپنے مقتولین بدر کا ماتم کر رہے تھے۔ سرخیلِ شرک صفوان بن اُمیہ کہنے لگے خدا کی قسم! اب زندگی سخت بے لطف ہوگئی ہے۔ عُمیر بولے یار واقعی سچ کہتے ہو۔ میں تو جنگ بدر میں شکست کھانے کے بعد اپنی زندگی سے سخت بیزار ہوں خصوصًا ایسی حالت میں جبکہ میرا بیٹا مسلمانوں کی قید میں ہے۔ اس کے بعد عُمیر نے کہا کاش! میں بارِ قرض کے نیچے دبا نہ ہوتا اور بال بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں یثرب پہنچتا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نقش وجود صفحۂ ہستی سے محو کر کے قریش کو اس مصیبت سے ہمیشہ کے لیے نجات دلا دیتا۔

بارِ قرض سے سُبکدوش کرنے کی ذمہ داری

صفوان نے کہا بھائی! اس وقت دنیا میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قتل سے بڑھ کر کوئی اور ضروری کام نہیں۔ تم اس کام کو انجام دے کر قریش کا کلیجہ ٹھنڈا کر دو۔ میں تمہیں بارِ قرض سے سبکدوش کرنے اور تمہارے اہل وعیال کی کفالت کا ذمہ لیتا ہوں۔ عُمیر نے پوچھا واقعی تم میرا قرض اتار دو گے اور میرے بال بچوں کے کفیل رہو گے؟ صفوان نے حتمی وعدہ کیا اور قسم کھائی کہ میں ہر طرح سے تمہارے گھر والوں کا نگرانِ حال اور کفیل رہوں گا اور ایک ایک پائی تمہارا قرض ادا کروں گا۔ عمیر تو یہ چاہتے ہی تھے۔ صفوان کا بہت کچھ شکریہ ادا کیا۔ صفوان نے سامانِ سفر مہیا کر کے ان کو ایک سم آلود تلوار لا دی۔ عُمیر نے یہ ہدایت کر کے کہ ابھی کچھ دنوں میرے حالات لوگوں سے مخفی رکھنا، مدینہ منورہ کا راستہ لیا۔

عمیر حضرت فاروق اعظمؓ کے آہنی چنگل میں

جب عُمیر مدینۃ الرسول میں پہنچے تو اتفاق سے حضرت عمرؓ نے انہیں ایک جگہ دیکھ لیا اور

دیکھتے ہی معاً یقین ہو گیا کہ یہ نابکار ضرور کسی فاسد ارادے سے یہاں آیا ہے۔ جھٹ ان کے سر پہ پہنچے اور بڑی چابک دستی سے تلوار کا قبضہ ایک ہاتھ میں لے کر دوسرے ہاتھ سے ان کا گلا دبا لیا اور پوچھنے لگے دشمن خدا! تو مکہ سے یہاں کس غرض سے آیا ہے؟ عمیر نے سخن سازی سے کام نکالنا چاہا مگر فاروق اعظم رضؓ کو ان کی کسی بات کا یقین نہ آیا اور اسی طرح ٹینٹوا دبائے انہیں دربارِ رسالت میں لائے۔

یہ دیکھ کر سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضؓ سے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ انہوں نے چھوڑ دیا۔ آپ نے عمیر سے فرمایا کہ میرے قریب آ جاؤ۔ جب وہ آپ کے پاس پہنچے تو پوچھا کہ کس ارادہ سے یہاں آئے ہو؟ بولے اپنے بیٹے کی خبر لینے آیا ہوں جو آپ کی قید میں ہے۔ آپ نے فرمایا تو پھر یہ تلوار کیسی گلے میں آویزاں ہے؟ عمیر نے کہا آتے وقت گلے سے نکالنا بھول گیا تھا اس لیے یہ لٹکی رہ گئی، مگر ان تلواروں نے بدر کے میدانِ جنگ میں تمہارا کیا بگاڑ لیا؟

عمیر رضؓ کا اسلام لانا

یہ سن کر حاملِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، اسی واسطے تم نے اور صفوان بن اُمیہ نے حجر میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش کی اور صفوان نے تمہارا قرض ادا کرنے کا وعدہ کیا اور تمہارے اہل و عیال کا خرچ اپنے ذمہ لیا۔ عمیر پیمبر کی بات سن کر سناٹے میں آ گئے اور حیرت زدہ آپ کی طرف دیکھنے لگے کہ ان کو اس رازِ سربستہ کی کیونکر اطلاع ہوئی۔ آخر بے اختیار ہو کر اسی زبان سے جس سے آپ کے قتل کا عہد کر کے آئے تھے بولے محمدؐ! واقعی تم خدا کے فرستادہ ہو۔ ہم آسمانی خبروں کے متعلق ہمیشہ آپ کو جھٹلاتے رہے لیکن اب اس اطلاع کے متعلق میں بالکل لاجواب ہوں کیونکہ میرے اور صفوان کے سوا کسی کو اس راز کی اطلاع نہ تھی"۔

یہ کہہ کر عمیر رضؓ مسلمان ہو گئے۔ آپ نے صحابہ رضؓ سے فرمایا کہ اپنے بھائی کو آرام پہنچاؤ اور ان کے فرزند کو آزاد کر دو۔ چنانچہ اس کو بلا فدیہ رہا کر دیا گیا۔

قریش کی مایوسی

عمیرؓ کی روانگی کے بعد صفوان بن اُمیّہ نے چند روز تو صبر کیا۔ اس کے بعد قریش سے کہنا شروع کیا کہ میں تمہیں عنقریب ایک ایسا مژدہ سناؤں گا کہ اس کے بعد تم ہزیمتِ بدر کا غم بھول جاؤ گے۔ اور ہر آنے والے سے پوچھتے کہ یثرب میں کوئی نیا واقعہ تو پیش نہیں آیا؟ جن ایام میں صفوان سراپا انتظار بنے بیٹھے تھے، ایک دن خلافِ توقع سُنا کہ جس شخص کو شکار کے لیے بھیجا تھا وہ یثرب جا کر خود صیدِ اقت اسلام کا شکار ہو گیا۔ جب صفوان اور دوسرے قریشیوں نے عُمیرؓ کے قبولِ اسلام کی خبر سنی تو وہ سخت مایوس ہوئے اور مکہ میں عمیرؓ کو ہر طرف گالیاں دی جانے لگیں اور طعن و تشنیع کا بازار گرم ہوا۔

عُمیرؓ کا وُرودِ مکہ

اس اثناء میں عُمیرؓ نے قرآن کی کچھ تعلیم حاصل کر کے بارگاہِ نبوت میں گذارش کی یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو میں مکہ جا کر تبلیغِ اسلام کا فرض ادا کروں؟ عجب نہیں کہ خدا ان لوگوں کو ہدایت دے۔ آپ نے اس کی اجازت دی۔ وہ اپنے فرزند سمیت مکہ معظمہ آئے۔ صفوان نے جب سے ان کے قبولِ اسلام کی خبر سنی تھی عہد کر لیا تھا کہ اب مدت العمر عمیرؓ سے نہ بولوں گا اور نہ اس کی کسی طرح مدد کروں گا۔"

حضرت عمیرؓ نے بلدالامین میں پہنچ کر بڑی سرگرمی سے تبلیغ اسلام شروع کی اور ان کی کوششوں سے متعدد افراد حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ انہوں نے صفوان کو بھی اسلام کی دعوت دی مگر اس نے ان کی بات کی طرف کوئی التفات نہ کیا (تاریخ ابن جریر طبری واصابہ)۔

بارِ قرض سے سبکدوشی

قبولِ اسلام کے بعد حضرت عمیرؓ نے صفوان اور کفارِ مکہ کی امداد سے صرفِ نظر کر کے خدائے معین کی امداد اور نصرت بخشی پر بھروسہ کر لیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسبب الاسباب عزّ اسمہٗ نے بارِ قرض سے سبکدوشی اور فارغ البالی کی ایک ایسی سبیل پیدا کر دی جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتی تھی۔ حضرت

عُمیرؓ کے باپ نے اپنے حینِ حیات بہت سا نقد اور سونا ایک جگہ دفن کیا تھا لیکن نہ تو کسی کو اس کی جگہ بتائی تھی اور نہ مرتے وقت اس کے متعلق کوئی وصیت کی تھی۔ مرکزِ نبوت سے مراجعت کرنے کے بعد حضرت عمیرؓ نے عالمِ رؤیا میں کسی کو یہ کہتے سنا کہ فلاں جگہ کھود کر اپنے باپ کا دفینہ نکال لو۔

حضرت عمیرؓ نے بیدار ہونے کے بعد اس جگہ کو کھودا جہاں سے انھیں دس ہزار درہم اور بہت سے سونے کے ٹکڑے ملے۔ انہوں نے اپنا قرض ادا کیا اور خوب مرفہ الحال ہو گئے۔ چونکہ یہ واقعہ ان کے مشرف باسلام ہونے کے فوراً بعد رونما ہوا، حضرت عُمیرؓ کی ایک کمسن صاحبزادی ان سے کہنے لگی ابا جان! یہ ہمارا رب بہت اچھا ہے اور ہُبل اور عُزّیٰ بتوں سے کہیں اچھا ہے۔ ابھی ہم نے چند ہی روز اس کی پرستش کی تھی کہ اس نے ہم کو اتنی بڑی دولت بخش دی ہے۔ ہُبل اور عُزّیٰ نے تو ساری عمر کچھ بھی نہ کیا تھا۔ (کتاب الرّوح علامہ ابن قیمؒ)۔

سچ ہے جو خدا کا ہو جائے خدا خود اس کا بہیر سامان بن جاتا ہے۔

فصل ۳۔ دیہاتی عازمِ قتل کی جان بخشی

رسُولُ اللہ کی جان لینے کی عزیز ترین خواہش

ابو سفیان بن حرب قبولِ اسلام سے پہلے سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کے بڑے حریص تھے۔ ان کی زندگی کی عزیز ترین آرزو یہ تھی کہ کسی طرح ظلمت کدۂ عالم کو رشد و ہدایت کے نیّرِ اعظم کی ضیا پاشیوں سے محروم کر دیں۔ انہوں نے اسی انوشدارو سے مقصد کی تلاش میں مکہ سے چل کر غزوۂ خندق میں احزابِ کفر کی قیادت قبول کی تھی لیکن جب جنگِ خندق میں بھی نامراد رہے تو دل کی دعشت دوبالا ہوئی اور نصیبِ اعداء حضورِ اقدس کی جاں ستانی کی انفرادی کوشش شروع کر دی۔ اور قساوت کا کمال دیکھو کہ چند در چند دلائلِ نبوت کا مشاہدہ کرنے کے باوجود وہ اس خیالِ زشت سے باز نہیں آتے تھے۔

ابوسفیان کا ایک دیہاتی کو آمادۂ قتل کرنا

اب انہوں نے ایک بدوی کو بہت بڑی رقم کا لالچ دے کر آپ کے قتل پر متعین کیا۔ اعرابی بڑے فخر سے کہنے لگا کہ میرے پاس ایک ایسا تیز و بُراں خنجر ہے کہ چشم زدن میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام تمام کر دے گا۔ ابوسفیان نے بہت کچھ انعام واکرام کا وعدہ کیا اور اپنا اونٹ اور زادِ راہ دے کر منزلِ مقصود کو روانہ کیا۔ جب اعرابی نے مدینہ منورہ جا کر آپ کے پاس پہنچنے کا قصد کیا تو اس وقت آپ مسجد نبوی میں کسی قبیلہ کے وفد کو پند و نصائح فرما رہے تھے۔ اعرابی وہاں پہنچ کر پُوچھنے لگا کہ ابن عبدالمطلب کون صاحب ہیں؟

ابن عبدالمطلب سے اس کی مراد آپ کی ذات بابرکات تھی کیونکہ مکہ معظمہ کے اطراف میں آپ والد محترم کی بجائے عموماً جدِ امجد کی طرف منسوب کیے جاتے تھے۔ آپ نے فرمایا ابن عبدالمطلب میں ہوں۔ وہ آپ کی طرف چلا۔ آپ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ یہ شخص میرے قتل کے ارادے سے آیا ہے۔ یہ سُن کر حضرت اُسید بن حُضَیر انصاری رضی اللہ عنہ بڑی تیزی سے اُٹھے اور جھپٹ کر دیہاتی کو دبوچ لیا۔ اس کے ازار میں سے خنجر گر پڑا۔ جُرم کھلا ہوا تھا۔ کسی گواہ شاہد کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامنِ عفو اس سے کہیں زیادہ وسیع تھا کہ اس کو سزا دی جاتی۔

عازمِ قتل کا مشرف بایمان ہونا

آپ نے بدوی سے فرمایا کہ تم سچ سچ بتا دو تو چھوڑ دیے جاؤ گے۔ اس نے بے کم و کاست حقیقتِ حال عرض کر دی کہ مجھے ابوسفیان بن حرب نے آپ کے قتل پر متعین کیا تھا۔ آپ نے اس کو امان دے کر فرمایا کہ جہاں چاہو چلے جاؤ۔ اس نے اس خلافِ توقع عفو اور جاں بخشی سے متاثر ہو کر کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ خدا کے بھیجے ہوئے ہیں اور مسلمان ہونے کے بعد کہنے لگا یا رسول اللہ! جب میں قتل کے ارادے سے آپ کی طرف بڑھا اور آپ سے آنکھیں چار ہوئیں تو میری عقل زائل ہو گئی اور میرے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ میرے اور ابوسفیان کے سوا کسی کو اس مشورہ کی اطلاع نہ تھی۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ کا حافظ و ناصر اور ہادی خود رب العالمین ہے اور ابوسفیان کی عناد کوشیاں آپ کا

بال تک بیکا نہیں کر سکتیں (طبقات ابن سعد و مدارج النبوت)۔

فصل ۴۔ ایک اور دشمن جان بدوی کو معافی

احادیث نبویہ میں ہمیں ایک اور دشمن جان بدوی کا تذکرہ ملتا ہے جس پر قابو پانے کے بعد آپ نے اس سے بھی درگزر فرمایا اور انتقام لیے بغیر اُس کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب نجد سے واپس آ رہے تھے۔ ہمیں ایک ایسے جنگل میں دوپہر ہو گئی جس میں خاردار درختوں کی بہتات تھی۔ آپ وہیں اُتر پڑے اور اصحاب علیہم الرضوان جنگل میں جا بجا پھیل کر درختوں کا سایہ تلاش کرنے لگے۔ آنحضرت ؐ نے ببول کے ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا اور اپنی تلوار اسی درخت سے لٹکا دی۔ پھر آپ استراحت فرما ہوئے اور تمام ہمراہی بھی آرام کرنے لگے۔

ابھی ہم تھوڑی ہی دیر آرام کرنے پائے تھے کہ آپ نے ہمیں آواز دی۔ ہم فوراً حاضرِ خدمت ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بدوی آپ کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے بحالتِ خواب میری تلوار کھینچ کر مجھ پر وار کرنے کا قصد کیا تھا لیکن اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔ یہ شخص مجھ سے کہنے لگا اب تجھے کون مجھ سے بچا سکتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ خدائے قدیر بچا سکتا ہے۔ اس جواب پر تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی جو میں نے اُٹھالی۔ اب یہ شخص بیٹھا ہوا ہے (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)۔

بخاری و مسلم کی اس متفق علیہ حدیث کی دوسری روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ جب آپ نے جواب دیا کہ خدائے قدیر مجھے بچا سکتا ہے تو تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی جو آپ نے اُٹھالی اور بدوی سے پوچھا کہ اب کون تجھے مجھ سے بچا سکتا ہے؟ تو دیہاتی کہنے لگا کہ مجھے معاف کر دو۔ آپ نے فرمایا کہ اس حقیقت کو تسلیم کرو کہ اللہ کے سوا کوئی قابلِ پرستش نہیں اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا کہ میں مسلمان تو نہیں ہوتا البتہ میں عہد کرتا ہوں کہ تمہارے خلاف کبھی نہ

لڑوں گا اور اس قوم کا ہرگز ساتھ نہ دوں گا جو تم سے رزم خواہ ہوگی"۔ آپؐ نے اس کو چھوڑ دیا۔ وہ اپنے گاؤں میں پہنچ کر لوگوں سے کہنے لگا کہ میں دنیا کے بہترین شخص کے پاس سے آرہا ہوں۔

یہ واقعہ پیغمبر ہاشمی کے کمال شجاعت اور توکل علی اللہ اور عزیمت و استقلال کا آئینہ دار ہے۔ ایسے نازک وقت میں یہ بے نظیر ثبات و استقلال بھی آپ کی نبوت کی ایک بین دلیل ہے۔

فصل ۵۔ دعثور بن حارث کی جاں بخشی

اسی قسم کا ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو:

جب حضرت خیرالابرار صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ انمار کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے ذی امر کے مقام پر پڑاؤ کیا اور خود قضائے حاجت کے لیے لشکر گاہ سے دور چلے گئے۔ جب مراجعت فرما ہوئے تو بارش آگئی اور آپ کے کپڑے بھیگ گئے اور آپ نے سکھانے کے لیے ایک درخت پر پھیلا دیے۔ اعداء نے دور سے دیکھ کر بھانپ لیا کہ آپ اپنے لشکر سے دور تنہا کپڑے سکھا رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک نامور سردار دعثور بن حارث (یا غورث) غطفانی سے جو بڑا شہزور اور بہادر تھا کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے لشکر سے دور تنہا نظر آرہے ہیں۔ پھر کوئی ایسا موقع ملنا محال ہے۔ بہتر ہے کہ تم معاً جاکر ان کا کام تمام کر دو۔

دعثور ہاتھ میں تلوار تولتا ہوا وہاں پہنچا۔ اتنے میں آپ ناگہاں کیا دیکھتے ہیں کہ وہ تلوار کھینچے سر پر کھڑا ہے۔ دعثور تلوار سر مبارک کے قریب لاکر آپ سے کہنے لگا کہ اب تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا خدائے حفیظ۔ یہ سن کر تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ آپ نے جھٹ تلوار اٹھالی اور کھڑے ہوکر دعثور سے کہا اب تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ دعثور نے کہا کوئی نہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ۔ چلے جاؤ۔ میں نے معاف کیا"۔

دعثور متعجب ہوکر وہاں سے پھر الیکن واپسی پر کہنے لگا آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ آپ نے

فرمایا کہ ہاں میرا یہی منصب ہے کہ تم سے بہتر ہونے کا ثبوت دوں۔

جب دعثور واپس آرہا تھا تو اس کی قوم کے لوگ یہ دیکھ کر سخت حیرت زدہ تھے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زندہ چھوڑ آیا ہے۔ جب ان لوگوں کے پاس پہنچا تو سب حیرت کے ساتھ پوچھنے لگے کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سر پہ پہنچے لیکن پھر تم سے کچھ نہ ہو سکا؟ بولا میں تو ان سے شکست کھا آیا ہوں اور پھر ماجریٰ سنا کر کہا میری مجال نہیں کہ کبھی ان کی مخالفت کا حوصلہ کروں۔ اس کے بعد دعثور رضی اللہ عنہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے (صحیح مسلم) اور انھیں صحابیت کا شرفِ سعادت نصیب ہوا۔

فصل ۶۔ فضالہ لیثی سے درگذر

فَضَالہ بن عُمیر بن مُلوَّح لیثی رضی اللہ عنہ بھی قبولِ اسلام سے پہلے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے اور ان کی بھی یہی کوشش تھی کہ اپنی جان پر کھیل کر آپ کی شمع حیاتِ گیتی افروز کو گُل کر دیں۔ فتح مکہ کے بعد ایک دن جب آنجناب خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو انہوں نے موقع کو غنیمت سمجھ کر اپنے ناپاک مقصد کی تکمیل کا قصد کیا۔ جب بارادۂ قتل آگے بڑھ کر آپ کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ فضالہ ہو؟ کہا ہاں۔ فرمایا ابھی تمہارا دل دماغ کس منصوبہ کی اُدھیڑ بُن میں مصروف تھا؟ کہا کچھ نہیں۔ خدا کو یاد کر رہا تھا۔

یہ اختراعی جواب سُن کر آپ ہنس پڑے اور فرمایا خدا سے مغفرت مانگو۔ اس کے بعد خود ان کے قریب بڑھ کر ان کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس سے فضالہ کو ایک طرح کا سکونِ قلب نصیب ہوا۔ فضالہؓ کا بیان ہے کہ ابھی آپ نے ہاتھ نہیں ہٹایا تھا کہ میرا سینہ جو اس سے پہلے عداوت کا آتش کدہ تھا آپ کی محبت کا گنجینہ بن گیا اور خلقِ خدا میں آپ سے زیادہ کوئی ہستی میرے لیے محبوب نہ رہی۔

اب فضالہ توحید و رسالت کا اقرار کر کے مسلمان ہوئے اور دولتِ ایمان سے مالا مال

ہونے کے بعد گھر واپس لوٹے۔ راستہ میں ایک آسینہ ملی جس سے ان کی راہ و رسم تھی۔ اس نے انھیں حسب معمول بلایا مگر انہوں نے انکار کر دیا اور یہ اشعار پڑھ کر آگے نکل گئے:

قَالَتْ هَلُمَّ اِلَى الْحَدِيْثِ فَقُلْتُ لَا	اس عورت نے کہا کہ آؤ باتیں کریں میں نے انکار کیا
يَأْبَى عَلَيْكِ اللّٰهُ وَالْاِسْلَامُ	اور کہا کہ خدا اور اس کے دینِ اسلام نے تیری مخالفت کی ہے
لَوْ مَا رَأَيْتِ مُحَمَّدًا وَقَبِيْلَهُ	کاش! تو محمد اور ان کے ساتھیوں کو فتح مکہ کے دن دیکھتی
بِالْفَتْحِ يَوْمَ تُكَسَّرُ الْاَصْنَامُ	جب کہ خانہ کعبہ کے بُت توڑے جا رہے تھے۔
لَرَأَيْتِ دِيْنَ اللّٰهِ اَضْحَى بَيْنَنَا	تو تجھے نظر آتا کہ ہمارے درمیان دینِ الٰہی روشن ہوا
وَالشِّرْكُ يَغْشَى وَجْهَهُ الْاِظْلَامُ	اور شرک تاریکیوں میں روپوش ہو گیا۔

(سیرت ابن ہشام و اسد الغابہ)

فصل: شیبہ بن عثمان کو معافی

تسخیرِ مکہ معظمہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جب لشکرِ اسلام نے حُنین کی طرف کوچ کیا تو جیسا کہ پہلے لکھا گیا مکہ معظمہ سے بھی بہت سے نومسلم اور غیر مسلم افراد اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ نومسلموں نے تو خلوص دل سے شرکت کی تھی لیکن بعض غیر مسلم کسی فاسد نیت کو دل میں پرورش کرتے ہوئے ساتھ ہو لیے تھے۔ خانہ کعبہ کے کلید بردار حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے عم زاد بھائی شیبہ بھی موخر الذکر جماعت میں داخل تھے۔ ان کا باپ عثمان بن ابو طلحہ اور چچا طلحہ بن ابو طلحہ غزوۂ اُحد میں لشکرِ اسلام کے ہاتھ سے مارے گئے تھے اور انہوں نے اس کا بدلہ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے لینے کا عہد کر رکھا تھا۔

شیبہ کی یہ کوشش تھی کہ دوران سفر میں کسی موزوں مقام اور مناسب موقع پر (معاذ اللہ) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ حیات کو منقطع کر دیں۔ لیکن آپ کو بذریعہ وحی الٰہی اس کی اطلاع ہو گئی۔ آپ نے ان کو اپنے قریب بلایا۔ یہ دیکھ کر شیبہ سخت مرعوب اور خوف زدہ تھے۔

اور آپ کی ہیبت سے کانپنے لگے۔ جب آپ نے ان کو لرزہ براندام دیکھا تو خود ان کے قریب جا کر ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا اب تم سے شیطان دُور ہو گیا۔

سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مامور من اللہ ہونے کی یہی ایک دلیل کافی تھی کہ شیبہ جاں ستانی کے قصد سے آگے بڑھے، لیکن آپ نے بجائے اس کے کہ اس فاسدارادے سے مطلع ہو کر فوراً ان کے قتل کا حکم دیتے، شیوۂ عفو اختیار کیا اور سختی کی جگہ نرم لہجہ میں خطاب فرمایا چنانچہ شیبہ داعیٔ اسلام علیہ التحیۃ والسلام کو قتل کرنے کے بجائے خود حقیقت اسلام کی تلوار کے قتیل ہو گئے اور اپنی قسمت اسلام کے دامن ہدایت سے وابستہ کر دی (اُسد الغابہ)

شیبہ کی اپنی زبانی واقعہ کی پوری تفصیل

شیبہ کا اپنا بیان ہے کہ میں آپ کے قتل کی کوشش میں آپ کے پیچھے کی طرف سے آیا اور آپ کے بالکل قریب ہو کر آپ پر تلوار چلانے کا قصد کیا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ آگ کا ایک شعلہ آپ کے اور میرے درمیان حائل ہو گیا ہے۔ میں سخت خوف زدہ ہو گیا۔ قریب تھا کہ مجھے جھلس دے لیکن آپ نے فوراً فرمایا شیبہ! مجھ سے بہت قریب ہو جاؤ۔ میں زیادہ قریب ہوا تو آپ نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا بارِ خدایا! اس کو شیطان کے شر سے بچا۔ فوراً حق تعالیٰ نے قتل کا داعیہ میرے دل و دماغ سے محو کر دیا اور جب میں نے آپ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو آپ مجھے میرے سمع و بصر سے بھی زیادہ محبوب تھے۔

شیبہ کا بیان ہے کہ اس کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا کہ جا کر کافروں سے مقاتلہ کرو۔ چنانچہ میں جا کر ہوازن سے لڑنے لگا۔ اور جوش و دلولۂ تیغ کا اس وقت یہ عالم تھا کہ اگر اس وقت میرا باپ زندہ ہوتا اور وہ بھی بحالت کفر میرے سامنے آ جاتا تو میں اس کو بھی علفِ تیغ بنا دیتا۔ الغرض قبائلِ متحدہ کو ہزیمت ہوئی اور آپ اپنے خیمے میں مراجعت فرما ہوئے۔ میں بھی جمالِ مبارک سے مشرف ہونے کے لیے وہاں پہنچا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا شیبہ! خدائے برتر نے تم سے جو چاہا وہ اس سے کہیں بہتر تھا جس کی تمہارے نفس نے خواہش کی تھی

بہن زینب بنت حارث کو ورغلایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زہر دے کر ان کا کام تمام کر دے۔ آپ ابھی خیبر ہی میں قیام فرما تھے کہ اس نے ایک بھنی ہوئی بکری کے شانے میں زہر ملایا اور آپ کے پاس لے آئی اور اظہارِ نیاز مندی کر کے اس کے قبول کرنے کی درخواست کی۔ چونکہ آپ تالیف قلوب کے لیے غیر مسلموں کا ہدیہ بھی قبول فرما لیتے تھے اور دلوں کا حال علام الغیوب کے سوا کوئی نہیں جانتا آپ نے اس کی خوشنودیٔ خاطر کے لیے اس کو قبول فرما لیا۔ جب کھانے کا وقت آیا تو آپ نے اس کو تناول فرمانا شروع کیا اور بعض صحابی بھی اس کھانے میں شریک ہوئے۔ لیکن پہلا ہی لقمہ کھا کر آپ پر حقیقتِ حال منکشف ہو گئی اور آپ نے معاً صحابیوں سے فرمایا کہ اس کے کھانے سے ہاتھ روک لو کیونکہ گوشت مسموم ہے (ابوداؤد وغیرہ)۔

یہودیوں کا اقبالِ جرم

یہودیوں کی تو یہ کوشش تھی کہ زہر دے کر دنیا کو آپ کے انوارِ رسالت سے محروم کر دیں لیکن خدائے قدیر کو ایسا منظور نہ تھا۔

اس انکشاف پر آپ نے حکم دیا کہ خیبر کے تمام یہودی جمع کیے جائیں چنانچہ سب آپ کے سامنے پیش کیے گئے۔ آپ نے فرمایا اگر میں تم لوگوں سے ایک بات پوچھوں تو سچ سچ بتا دو گے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ فرمایا تمہارا باپ (مورثِ اعلیٰ) کون تھا؟ بولے فلاں۔ آپ نے فرمایا غلط ہے۔ تمہارا باپ تو فلاں ہے۔ انہوں نے کہا بیشک آپ درست فرماتے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا اچھا اگر کوئی اور بات پوچھوں تو وہ بھی بلا کم و کاست صحیح بیان کرو گے؟ انہوں نے کہا بیشک سچ سچ بتا دیں گے اور گر ہم جھوٹ بولیں گے تو آپ پر ہمارا جھوٹ اسی طرح ظاہر ہو جائے گا جس طرح باپ کا نام بتانے میں ہماری غلط بیانی آپ پر منکشف ہو گئی۔ فرمایا اچھا بتاؤ، تم نے بکری کے شانے کو جو میرے پاس بھیجا گیا زہر آلود کیا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پوچھا یہ حرکت کیوں کی؟ بولے ہمارا یہ مقصد تھا کہ اگر آپ (معاذ اللہ) جھوٹے نبی ہیں تو ہمیں آپ سے نجات مل جائے گی اور اگر سچے ہیں تو آپ محفوظ رہیں گے (بخاری و مسلم)۔

تمام یہودی مجرموں کو معافی

اس کے بعد آپ نے اس عورت کو لانے جانے کا حکم دیا جب

وہ حاضر ہوئی تو آپ نے پوچھا کیا تو نے اس گوشت میں جو میرے پاس ہدیۃً لائی تھی زہر ملایا تھا؟ بولی آپ سے کس نے کہا؟ فرمایا مجھے خود گوشت ہی سے آواز آگئی تھی کہ میں مسموم ہوں" وہ بولی واقعی میں نے زہر ملایا تھا۔ پوچھا ایسا کیوں کیا؟ بولی یہ امتحان کرنا مقصود تھا کہ آپ سچے نبی ہیں یا نہیں؟ اگر سچے ہیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا اور آپ بچ رہیں گے۔ ورنہ آپ ہلاک ہو جائیں گے اور آپ کی ہلاکت ہمارے حق میں بہتر ہو گی"۔ آپ نے فرمایا کہ خدا ئے برتر تم لوگوں کو مجھ پر کبھی مسلط نہ کرے گا۔ آپ نے اس عورت کو اور خیبر کے تمام یہودیوں کا قصور معاف کر دیا اور کسی کو کوئی ادنیٰ سزا نہ دی لیکن سمیت کا اثر دور کرنے کی کوشش میں آپ نے ابو ہند نام ایک حجام کو بلا کر اپنے مونڈھوں کے بیچ میں پچھنے لگوائے (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد و دارمی)۔

حفظ ما تقدم

مسموم گوشت کھانے کے بعد ازراہِ احتیاط نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول ہو گیا کہ جب کھانے کی کوئی چیز ہدیۃً آپ کے پاس لائی جاتی تو آپ لانے والے کو حکم دیتے کہ پہلے تم خود اس میں سے کچھ کھاؤ۔ جب وہ کھا لیتا تو پھر آپ تناول فرماتے۔ چنانچہ ابن جریر ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت فاروق اعظم سے روایت کی ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یاکل ھدیۃ حتی یاکل منھا صاحبھا للشاۃ المسمومۃ التی اُھدِیَتْ لہ بخیبر (کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۳۴۳)۔

عورت کا قصاص میں قتل کیا جانا

معلوم نہیں کہ یہ زہر جو یہودیوں نے کھلایا کس قسم کا تھا کہ وہ تمام صحابی جنہوں نے مسموم گوشت کھایا تھا تیر اجل کا نشانہ بن گئے (ابوداؤد) طعمۂ اجل ہونے والے صحابیوں میں ایک بزرگ بشر بن برا بن معرور خزرجی بدری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کے ورثاء نے آپ کے حضور میں یہودن کے خلاف استغاثہ دائر کیا۔ آپ نے اس کی گرفتاری کا حکم دیا چنانچہ وہ گرفتار کر کے لائی گئی۔ آپ نے عورت حضرت بشر رضی اللہ عنہ کے وارثوں کے حوالے کر دی۔ انہوں نے اسے قصاص میں موت کے گھاٹ اتار دیا (بیہقی فی الدلائل و تاریخ ابن جریر طبری)۔

سیدالانبیاءؑ کی مرگِ شہادت

شاید ہی کوئی جزئی فضیلت ایسی ہو گی جو انبیائے سلف میں سے کسی میں پائی گئی ہو اور سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اس سے سرفراز نہ ہوئے ہوں جس طرح بعض انبیاء یہود کی تیغ جفا کے قتیل ہو کر منصب نبوت کے ساتھ درجۂ شہادت پر بھی فائز ہوئے تھے اسی طرح آپ نے بھی یہود کے ہاتھ سے مسموم گوشت کھا کر جرعۂ شہادت نوش فرمایا تھا۔

چنانچہ اُم المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ کا بیان ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال مسموم گوشت کے اثر سے علیل ہو جاتے تھے (ابن ماجہ)۔ آپ کے خادم خاص حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں اُس زہر کا اثر ہمیشہ آپ کے تالو اور مسوڑوں میں دیکھا کرتا تھا اور آپ بسا اوقات اس تکلیف سے بیمار ہو جاتے تھے (بیہقی)۔ آپ نے اپنے مرض موت میں اُمّ المومنین سے فرمایا اے عائشہ! میں ہمیشہ اس مسموم غذا کی تکلیف محسوس کرتا رہا جو مجھے خیبر میں کھلائی گئی تھی اور اب یہ وہ وقت ہے کہ اسی زہر کے اثر سے میری رگِ جاں کٹتی اور میرا انتقال ہوا چاہتا ہے (بخاری و مسلم)۔

زہر کا اثر حیز التواء میں

یاد رہے کہ انبیائے کرام علیہم السّلام اپنے مقصد تبلیغ میں ہمیشہ کامیاب ہوتے تھے اور کوئی ماسوی اللہ طاقت انہیں اس فریضہ سے روک نہیں سکتی تھی۔ زہر خورانی کا واقعہ حضرت سیّد العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے کئی سال پیشتر رونما ہوا تھا اور باوجودیکہ شرکائے طعام نے اس کے کھاتے ہی جام شہادت پی لیا تھا لیکن آپ پر یہ زہر اُس وقت تک پوری طرح اثر انداز نہ ہوا جب تک تکمیل دین نہ ہو لی اور آپ کا مشن باحسن وجوہ پورا نہ ہو چکا۔

فصل ۹۔ یہودی ساحر سے درگذر

سنہ ۷ھ میں لبید بن اعصم یہودی نے آپ پر جادو کیا۔ اس سے آپ کو اور تو کوئی نقصان نہ پہنچا البتہ یہ اثر ظاہر ہوا کہ آپ ناکردہ دُنیوی کاموں کی نسبت خیال کرنے لگتے تھے کہ کر چکے ہیں۔ چالیس روز تک اس کا اثر رہا (بخاری ومصابیح)۔

دو فرشتوں کی آمد

آخر آپ نے حصولِ صحت کے لیے دعا کی۔ اب آپ کے پاس دو اشخاص (فرشتے بصورتِ انسان) آئے۔ ایک آپ کے سر کے پاس بیٹھا اور دوسرا پاؤں کے پاس۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا ان کو کیا تکلیف ہے؟ دوسرے نے کہا مسحور ہیں۔ پہلے نے پوچھا کس نے سحر کیا ہے؟ دوسرے نے کہا کہ لبید بن اعصم یہودی نے۔ پوچھا کس چیز میں کیا ہے؟ دوسرے نے کہا کہ کنگھی اور ان بالوں میں جو کنگھی سے جھڑے اور تر خرما کی بالی کے غلاف میں۔ پوچھا جادو کی یہ چیزیں کہاں رکھی ہیں؟ کہا ذروان کے کوئیں میں (بخاری و مسلم)۔

آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو چاہ ذروان پر بھیجا۔ انہوں نے جا کر جادو نکالا اور دیکھا کہ تر خرما کی بالی کا غلاف ہے۔ اس میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مومی تصویر رکھی ہے اور اس میں سوئیاں چبھی ہیں اور ایک تاگہ بندھا ہے جس میں گیارہ گرہیں ہیں۔ حضرت علیؓ اور حضرت عمّارؓ جادو لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ اتنے میں حق تعالیٰ نے معوّذتین (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) نازل فرمائیں۔ ان کی ہر آیت کے پڑھنے سے ایک ایک گرہ کھلتی گئی اور سوئیاں نکلنے لگیں اور آپ کو صحت ہوئی۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ نے گزارش کی یا رسول اللہ! اس جادوگر یہودی کو قرار واقعی سزا دے کر جلا وطن کر دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا مجھے خدا نے شفا بخش دی ہے۔ میں کیوں اس فتنہ کو بیدار کروں۔ اس کے بعد وہ کنواں بند کر دیا گیا (بخاری)۔

ایک واہمہ اور اس کا جواب

یہاں یہ وہم ہو سکتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام پر جادو کی اثر انگیزی کو تسلیم کرنا موجب قباحت ہے کیونکہ اس سے شریعت پر سے اعتماد اُٹھ جاتا ہے۔ علماء نے اس واہمہ کا یہ جواب دیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام بلا ریب بشر تھے اور سحر بھی عوارض بشریہ میں سے ایک عارضہ ہے اور عوارضِ بشریہ کے لاحق ہونے میں عقلاً کوئی مانع نہیں ہے لیکن انبیاء کے ارواح اور ان کے باطن معصوم و مصئون رہتے تھے۔

اگر امورِ دین یا ابلاغ شریعت میں کسی طرح کا نقص رونما ہوتا تو البتہ موجب قباحت تھا اور ممکن ہے کرامت کی تعلیم و رہنمائی کے لیے سورۂ مُعَوِّذتین نازل کرنی مقصود ہو اور ان کی تنزیل کے لیے منجانب اللہ یہ تقریب پیدا کر دی گئی ہو۔

عوارض بشریہ کے عارض ہونے کی حکمت

یاد رہے کہ حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دوسرے انسانوں کی طرح عوارض بشریہ لاحق ہوتے تھے۔ آپ بھی مرض اور درد دُکھ میں مبتلا ہوئے۔ گرمی سردی کا اثر ہوا۔ بھوک پیاس لگی۔ غصہ آیا اور انقباض طبع ہوا۔ ماندگی، خستگی، کمزوری اور ضعف پیری سے سابقہ پڑا۔ سواری پر سے گرے اور چوٹیں آئیں۔ دشمنوں نے زخمی کیا۔ زہر کھلایا، جادو کیا۔ آپ نے دوا کی۔ پچھنے لگوائے۔ تاہم ربّ جلیل نے ہر موقع پر آپ کی عون و نصرت فرمائی۔ جب ہجرت کے وقت کوہ ثور کی طرف تشریف لے گئے تو قریش کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ خدائے ناصر و معین نے آپ کو ابوجہل کے پتھر، دعثور بن حارث کی تلوار، سراقہ بن مالک کے گھوڑے، لبید بن اعصم کے سحر اور یہودی عورت کے زہر کی فوری تاثیر سے محفوظ رکھا۔

چونکہ آپ سے معجزے بکثرت ظاہر ہوتے تھے، اس لیے خدائے حکیم و خبیر وقتاً فوقتاً آپ کو عوارض بشریہ میں مبتلا کر دیتا تھا تاکہ خوارق و معجزات کو دیکھ کر لوگ اسی طرح آپ کی بھی الوہیت و خدائی کا وہم نہ کرنے لگیں جس طرح اس سے پیشتر نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کے پیشِ نظر انہیں خدا یا ابنِ خدا سمجھ بیٹھے تھے۔

عہدِ عثمانی کا ایک شعبدہ گر

معلوم ہو کہ سحر و ساحری شرک کی ایک قسم ہے اس لیے اسلام نے اس کی شدید مخالفت فرمائی ہے۔ یہاں ضمناً خلافت راشدہ کا ایک واقعہ لکھا جاتا ہے:

امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں کوفے میں ایک شعبدہ باز آیا۔ اس کے کمالات فن میں سے ایک شعبدہ یہ تھا کہ آدمی کو قتل کر کے زندہ کر دیتا تھا۔

عوام اس کے شعبدے دیکھ دیکھ کر محو حیرت تھے۔ ان ایام میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت جُندُب بن کعب ازدی غامدی رضی اللہ عنہ کوفہ میں قیام فرما تھے۔ ان کو خبر لگی تو وہ بھی تماشہ گاہ میں پہنچے۔ اس وقت وہ ولید بن عقبہ حاکم کوفہ کو تماشہ دکھا رہا تھا حضرت جُندُبؓ کو غیرت ایمانی نے بے چین کر دیا۔ انہوں نے عوام کے عقاید میں تزلزل دیکھ کر تلوار کے ایک ہی وار میں شعبدہ گر کا کام تمام کر دیا اور فرمایا اب اپنے آپ کو زندہ کر دکھا۔ پھر قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمانے لگے۔ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ (کیا تم دیدہ و دانستہ جادو کی باتیں ماننے آتے ہو؟) (اصابہ)

فصل ۱۰۔ منافقینِ عَقَبہ کے مساعئ قتل سے چشم پوشی

منافقوں کی ایک ٹولی اصحاب عَقَبہ کے نام سے مشہور ہو گئی تھی۔ یہ ٹولی پندرہ منافقوں پر مشتمل تھی۔

سرورِ کائنات پر حملہ کرنے کی سازش

جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے مراجعت فرما ہوئے تو اس جماعت نے صلاح کی کہ رات کے وقت عقبہ میں آپ پر اچانک حملہ کر دیں اور سواری سے اُٹھا کر گھاٹی کے نیچے پھینک دیں اور (نصیب اعداء) آپ کا کام تمام کر دیں لیکن یہ سب کارروائی اس ہوشیاری اور راز داری کے ساتھ ہو کہ کسی مسلمان کے کان میں اس کی بھنک نہ پڑے۔ جب حضرت سید کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام اس گھاٹی پر پہنچے تو خدائے غالب و برتر نے اپنے برگزیدہ رسول کو منافقوں کی اس سازش سے مطلع کر دیا۔ آپ نے ایک صحابی کو حکم دیا کہ تمام لشکر میں پکار دو کہ عقبہ کی راہ سے کوئی نہ آئے۔ سب لوگ بطن وادی سے جائیں جو بڑی وسیع اور آسان گزرگاہ ہے"

لشکر سے الگ ہو کر سرورِ عالم تک پہنچنا

لشکر نے بطن وادی کا راستہ لیا اور آپ نے بذاتِ خود عمّار بن یاسر، حُذیفہ بن یمان اور

حمزہ بن عمرو اسلمی (رضی اللہ عنہم) کی معیت میں عقبہ کی راہ لی۔ حضرت عمارؓ آپ کے آگے، حضرت حُذیفہؓ پیچھے اور حضرت حمزہؓ ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ منافقوں نے دیکھا کہ لشکر کے ساتھ جانے میں وہ اپنے ناپاک منصوبے کی تکمیل نہ کرسکیں گے آپ کے حکم کی تعمیل نہ کی اور لشکر سے الگ ہوکر عقبہ کے راستہ سے اچانک باراوۂ فاسد آپ تک پہنچ گئے۔

آپ کو ان کے پہنچنے کی خبر ہوگئی اور حضرت حُذیفہؓ سے ارشاد فرمایا کہ لکڑی کے اشاروں سے ان کی سواریوں کا رُخ دوسری طرف موڑ دو"۔ حضرت حُذیفہؓ ان کی سواریوں کے مونہوں پر لکڑی مارنے لگے اور زبان سے کہنا شروع کیا "اللہ کے دشمنو! دور ہوجاؤ۔ اللہ کے دشمنو! دور ہوجاؤ"۔ منافقوں نے بھانپ لیا کہ ہماری سازش آپ پر آشکارا ہوگئی ہے۔ تمام منافق پلٹ پڑے اور بطنِ وادی میں صحابہ سے جا ملے۔

حُذیفہؓ کو منافقوں کے نام بتانا

آپ نے اسی وقت حضرت حُذیفہؓ کو منافقوں کے نام بتا دیے۔ حضرت حُذیفہؓ آپ کے راز دار تھے اور منافقوں کو جانتے پہچانتے تھے لیکن حبیبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشا نہ کرتے تھے۔ جب صحابہؓ نے منافقوں کو حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرنے پر ملامت کی تو پندرہ میں سے تین منافقوں نے یہ عذرِ لنگ پیش کیا کہ ہمیں اس کی ہرگز اطلاع نہیں ہوئی کہ رسول اللہؐ نے عقبہ کے راستہ سے آنے کی ممانعت فرمائی ہے اور نہ ہمیں منافقوں کے ناپاک ارادے کا کوئی علم تھا۔ عقبہ سے گزر کر آپ لشکر سمیت سنگستان میں مقیم ہوئے۔ جب وہاں سے چلنے کا قصد ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگلے پڑاؤ پر پانی بہت کم ہے۔ اس لیے کوئی آدمی مجھ سے پہلے وہاں نہ پہنچے۔ لیکن جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ممانعت کے باوجود چند منافق اس منزل پر موجود ہیں۔

لشکرِ اسلام میں منافقوں کی ناہنجاری کا چرچا

جب لشکرِ اسلام میں منافقوں کی

ان حرکتوں کا چرچہ ہوا اور یہ اطلاع بھی زبان زدِ خاص و عام ہوئی کہ حذیفہؓ منافقین عقبہ کو نام بنام جانتے ہیں تو ایک منافق رفع خجلت کے خیال سے حضرت حذیفہؓ کو قسم دے کر پوچھنے لگا کہ اصحاب عقبہ کتنے ہیں؟ انہوں نے بتانے میں تأمل کیا۔ صحابہؓ نے حضرت حذیفہؓ سے کہا کہ جب یہ پوچھتا ہے تو اسے بتا کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا کہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جن منافقوں کی اطلاع دی وہ تیرے سوا چودہ آدمی ہیں۔ اور اگر تو بھی ان میں داخل ہے تو پھر ان کی تعداد پندرہ ہے (مسلم)۔

حضرت حذیفہؓ نے اشارۃً جتلا دیا کہ تو بھی منافقین میں داخل ہے لیکن اس لحاظ سے کہ حضُور کا راز افشا ہوتا تھا صراحتً کچھ نہ بتلایا۔

ضبط و تحمّل کی انتہاء

قارئینِ کرام! یہ کتنا بڑا ضبط و تحمل ہے کہ مٹھی بھر اعداء جن کا قلع قمع ایک اشارۂ ابرو کا محتاج ہے، صحابہؓ میں خلا ملا رکھ کر فتنہ انگیزیاں کرتے ہیں لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے تعرّض نہیں فرماتے۔ ان کی ناپاک شخصیتوں کا علم ہے لیکن ان سے ہمیشہ چشم پوشی فرماتے ہیں۔ وہ قتل اور جاں ستانی تک سے بھی نہیں چُوکتے لیکن آپ کو اتنا بھی گوارا نہیں کہ نام ظاہر کر کے ان کی رسوائی کا سامان بہم پہنچائیں۔ کیسا دنیا کی تاریخ میں اس رحم و درگذر اور حلم و وقار کی کوئی نظیر پیش کی جا سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

مہاجروں میں نفاق کا فقدان

یہاں یہ جتلا دینا بھی مناسب ہے کہ منافق سب کے سب مدنی قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ مہاجروں میں کوئی منافق نہ تھا۔ جب اوس اور خزرج کے مدنی قبیلے سعادت ایمانی سے مشرف ہوئے اور مدینہ منوّرہ میں اسلام کو شوکت و رفعت نصیب ہوئی تو شہر کے دوسرے باشندے بھی مشرف با یمان ہوئے۔ لیکن مدینہ منورہ کے بعض افراد اور مضافاتِ مدینہ کے اعراب محض شوکتِ اسلام سے مرعوب ہو کر بظاہر اسلام لے آئے۔ یہی لوگ منافق تھے جیسا کہ رب جلیل فرماتا ہے:

وَ مِمَّنۡ حَوۡلَكُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ ۔۔۔ اور مسلمانو! تمہارے قرب و جوار کے دیہاتیوں

مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝ (۹ : ۱۰۱)

ہیں سے (بعض) منافق ہیں اور خود مدینہ کے رہنے والوں میں بھی جو نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ اے پیغمبر! آپ ان کو نہیں جانتے ہم ان کو خوب جانتے ہیں عنقریب ہم ان کو (دنیا میں) دوہرا عذاب چکھائیں گے۔ پھر انجام کار (قیامت میں) بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ نفاق اور نفاق پیشہ لوگوں کا تذکرہ مدنی سورتوں میں تو ہے کی سورتوں میں نہیں کیونکہ مکہ والوں میں کوئی متنفس دائرۂ اسلام میں منافقانہ داخل نہیں ہوا تھا۔ مکہ مکرمہ میں اسلام ابھی بالکل ابتدائی حالت میں تھا اور اس کا آغاز غربت وبیکسی سے ہوا تھا۔ مکہ میں مسلمانوں کے پاس نہ زر ومال تھا اور نہ قوت وحکومت تھی بلکہ جو لوگ مسلمان ہوتے تھے، ہر وقت ان کی جان کے لالے پڑے رہتے تھے اس لیے ان کا اسلام خالصۃً لوجہ اللہ تھا اور ہجرت کے بعد جو لوگ مدینہ میں مسلمان ہوئے ان میں سے بعض لوگ درپردہ اسلام کے دشمن تھے مگر اسلامی قوت کے خوف سے اس دشمنی کا اظہار نہیں کر سکتے تھے اور بعض لوگ تو محض مال ودولت کی طمع میں مسلمان ہوئے تھے لیکن حضرات مہاجرین رضوان اللہ علیہم کا ایمان ان آلائشوں سے پاک تھا۔ انہیں اللہ اور اس کے رسول کی محبت اہل وعیال اور مال ودولت کی محبت سے یقیناً فزوں تر تھی۔

تالیفِ قلوب کی مصلحت

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ گو منافقوں کا قتل وقمع ضروری تھا لیکن اس ضرورت کے مقابلہ میں یہ خرابی زیادہ بڑی تھی کہ اس سے لوگوں میں بددلی پھیلے گی اور وہ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو خود اپنے ہی ساتھیوں پر ہاتھ صاف کر رہے ہیں۔ آپ کو اندیشہ ہوا کہ اگر یہ خیالات پھیل گئے تو لوگ اسلام میں داخل ہونے سے رک جائیں گے اور جو نئے نئے داخل ہوئے ہیں وہ متزلزل ہو جائیں گے۔ پس آپ کے نزدیک منافرتِ قلوب کا فتنہ ترکِ قتل کے مفسدہ سے زیادہ عظیم تھا اور منافرتِ قلوب کے مقابلہ میں

تالیفِ قلوب کی مصلحت زیادہ اہم تھی اس لیے آپ نے ایک جائز اور کسی حد تک ضروری فعل کو ترک فرما دیا (اعلام الموقعین)۔

فصل ۱۱۔ عامر بن طُفَیل کی دھمکی اور آقائے دوعالم کا درگذر

ایک مرتبہ نجد کا ایک رئیس ابو براء عامر بن مالک جو قبیلہ بنو عامر کا ممتاز رکن تھا، بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے تبلیغ کی۔ وہ مسلمان تو نہ ہوا لیکن کہنے لگا کہ آپ اپنے کچھ آدمی میرے ساتھ میری قوم پر اسلام کی حقیقت ظاہر کرنے کے لیے بھیج دیجیے۔ اگر میری قوم کے لوگ مسلمان ہو جائیں گے تو میں بھی بسر و چشم اسلام قبول کروں گا۔ آپ نے فرمایا مجھے اہل نجد کی طرف سے غداری کا خوف ہے۔ اس نے کہا خوف کی کوئی بات نہیں۔ میں آپ کے آدمیوں کو اپنی پناہ میں لے لوں گا۔

ستر قاریوں کی روانگی

آپ نے صفر ۴ھ میں انصار میں سے ستر قاریوں کو اس کے ساتھ کر دیا اور حضرت مُنذر بن عَمرو انصاریؓ کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔

اس جماعت میں یہ حضرات شامل تھے۔ حارث بن صمہؓ، حرام بن ملحان، عروہ بن اسماء سُلَمی، نافع بن بدیل بن ورقاء خزاعی، عامر بن فہیرہ مولیٰ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت کے وقت ایک نامہ رؤسائے نجد کے نام لکھ کر انہیں دے دیا۔ یہ حضرات چلتے چلتے بیرِ معونہ کے مقام پر پہنچے جو قبیلہ بنو عامر اور حرّہ بنو سُلیم کے درمیان واقع ہے۔

یہاں قیام کرنے کے بعد حضرت مُنذر بن عمروؓ نے جناب حرام بن ملحان رضؓ کو اس غرض سے بنو عامر کے پاس روانہ کیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک ان کے پاس پہنچا دیں۔ حرام دو آدمیوں کی معیت میں روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر حرامؓ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے کہ پہلے میں جاتا ہوں۔ تم پیچھے پیچھے رہو۔ اگر خیریت گزری اور مجھے کوئی گزند نہ پہنچا تو تم بھی آ جانا۔ حضرت حرامؓ قبیلہ کے ایک رئیس عامر بن طفیل سے ملے جو اسلام اور داعئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن تھا اور انہیں اس کی عداوتِ اسلام کا علم نہ تھا۔ انہوں نے ابن طفیل کو نامۂ مبارک دے کر

کہا کہ یہ جناب محمد رسول اللہ کی چٹھی ہے۔ اس نے نامۂ مبارک کو نہ دیکھا اور نہ پڑھا بلکہ آپ کا نام نامی سن کر ہی آگ بگولہ ہو گیا اور کہنے لگا ذرا ٹھہرو اور آگے بڑھ کر ایک آدمی کو ان کے قتل کا اشارہ کیا۔

اس شخص نے حضرت حرام رضؓ کے پس پشت سے آکر انہیں اس زور سے نیزہ مارا کہ دوسری طرف نکل گیا۔ انہوں نے نیزہ کھاتے ہی کہا فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ (رب کعبہ کی قسم! میں اپنی مراد کو پہنچ گیا) یعنی باری تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر لی۔ یہ دیکھ کر حضرت حرام رضؓ کے دونوں ساتھی واپس آئے اور حضرت حرام رضؓ کی شہادت کا واقعہ صحابۂ کرام کے گوش گزار کیا۔ اس کے بعد عامر بن طفیل اپنے قبیلہ بنو عامر کو صحابہ کرام پر حملہ آور ہونے کے لیے برانگیختہ کرنے لگا۔ لیکن عامر بن مالک نے مداخلت کی اور اپنے قبیلہ والوں کو بتایا کہ ان لوگوں کو میں امان دے کر لایا ہوں۔ قبیلہ بنو عامر نے ابن طفیل کی درخواست مسترد کر دی۔

عامر بن طفیل کو اس کوشش میں کامیابی نہ ہوئی تو اس نے قبائل عُصَیَّہ، رعل اور ذکوان کے پاس قاصد بھیج کر ان کو لڑائی کے لیے بلا بھیجا۔ انہوں نے آکر بیر معونہ کا محاصرہ کر لیا جہاں صحابۂ کرامؓ قیام فرما تھے۔ جب محصورین نے یہ حالت دیکھی تو ناچار تلواریں لے کر مقابلہ کرنے لگے یہاں تک کہ سب کے سب شہادت کا آبِ حیات پی کر روضۂ رضوان میں چلے گئے۔ البتہ ایک بزرگ کعب بن زید رضی اللہ عنہ کو جو بری طرح مجروح ہوئے تھے محاصرین نے مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا اور جب اعداء محاصرہ چھوڑ کر وہاں سے چلے گئے تو یہ اٹھے اور زخموں کے ساتھ گرتے پڑتے کئی دن میں مدینہ منورہ جا پہنچے۔

جب تین قبیلوں نے آکر بیر مَعُونہ کا محاصرہ کیا ہے اس وقت ستر میں سے دو صحابی عمرو بن اُمَیّہ ضمریؓ اور مُنذر بن محمد انصاری رضؓ اونٹ چرانے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر انہوں نے دور سے دیکھا کہ بیر معونہ کے اردگرد سوار کھڑے ہیں اور اوپر فضا میں چیلیں بکثرت اُڑ رہی ہیں۔ انہیں یقین ہو گیا کہ حضرات صحابہ مرگِ شہادت سے ہمکنار ہو گئے۔ پھر انہوں نے ایک ٹیلے پر

چڑھ کر دیکھا کہ محاصرین کے حلقے کے اندر چاروں طرف لاشیں ہی لاشیں پڑی ہیں۔ یہ دونوں صلاح کرنے لگے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

عَمرو بن اُمیّہ رضؓ بولے کہ ہمیں یہیں سے مدینہ جاکر رسولِ خداؐ کو اس حادثہ کی اطلاع دینی چاہیے۔ انصاری نے کہا نہیں۔ ہمیں مرگِ شہادت کا سنہری موقع ملا ہے اس کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہیے۔ آخر رائے قرار پائی کہ اپنے ساتھیوں کی طرح ہم بھی چل کر جامِ شہادت پی لیں۔ چنانچہ انہوں نے اُونٹوں کو تو وہیں چھوڑا اور خود تلواریں سونت کر محاصرین کے پاس پہنچے اور لڑائی شروع کر دی۔ لیکن دو کا سیکڑوں سے کیا مقابلہ؟ منذر رضؓ نے تو جرعۂ شہادت نوش فرمالیا اور عمرو بن اُمیّہ اسیر کر لیے گئے۔ اور جب انہوں نے بتایا کہ ان کا تعلق قبیلۂ مُضر سے ہے تو عامر بن طفیل نے ان کی پیشانی کے بال کاٹ کر ان کو رہا کر دیا کیونکہ اس کی ماں کے ذمّے ایک غلام آزاد کرنا تھا۔ ابن طفیل نے اس میں عمرو بن اُمیّہ رضؓ کی رہائی محسوب کر لی (سیرت ابن ہشام)۔

مرکزِ نبوّت میں وفود کی حاضری

اہلِ عرب کے دلوں میں خانۂ کعبہ کی عظمت بڑی شدّت سے جاگزیں چلی آتی تھی۔ بعثت نبوی کے بعد کعبۂ معلّیٰ پر اصحاب الفیل کی یورش اور تباہی کو ہنوز تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا اس لیے عربوں میں یہ اعتقاد راسخ ہو گیا تھا کہ اہلِ باطل ہرگز کعبہ پر غالب اور متسلط نہیں ہو سکتے۔ چونکہ مکہ معظمہ اور کعبۂ معلّی پر حضرت خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری طرح عمل ودخل ہو گیا تھا اور وہاں آپ ہی کا مقرر کیا ہوا عامل حکمران تھا، اہلِ عرب کو اسلام کے صدق و حقیّت کا یقین ہو گیا۔ اس بنا پر فتح مکہ کے بعد اہلِ ملک جوق جوق دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

جن غیر مسلم قبائل نے بارگاہِ نبوت میں اپنے نمایندے بھیج کر اپنے اسلام کا اعلان کرنا چاہا یا جن اسلامی جماعتوں نے شرائع اسلام سیکھنے کے لیے اپنے کچھ آدمی مرکزِ نبوت میں روانہ کیے ارباب سیر نے ان کو وفود کے نام سے یاد کیا ہے۔ وفود وفد کی جمع ہے۔ چونکہ ۹ھ میں وفد کثرت سے مدینہ منورہ حاضر ہوئے اس لیے یہ سال عام الوفود کہلاتا ہے۔ اس قسم کے وفود کی

مجموعی تعداد سو سے متجاوز تھی جن میں سے زیادہ اہم و مشہور ۴۲ تھے۔

بنو عامر کا وفد مدینۃ الرسول ؐ میں

حادثۂ بیرمعونہ کے قریباً پانچ سال بعد یعنی سنہ ۹ ھ میں نجد کے قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ کے رئیس جبّار بن سلمٰی بن مالک عامری نے بھی اپنے اظہارِ عقیدت اور حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کا جمالِ مبارک دیکھنے کے لیے چودہ آدمیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ لے جانے کا قصد کیا جب مشہور عدوئے رسالت عامر بن طُفَیل کو جو ۶۸ قاریوں کی جاں ستانی کا ذمہ دار تھا اس سفارت کا علم ہوا تو وہ سخت برافروختہ ہوکر سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا۔ مگر چونکہ اس کی طرح جبّار بن سلمٰی بھی قبیلہ کے ایک بڑے رئیس تھے ان کو روک نہ سکا۔ اب اس نے قبیلہ کے ایک اور رئیس اربد بن قیس سے جا مشورہ کیا کہ ہم دونوں بھی شریکِ وفد ہوکر یثرب جائیں اور وہاں پہنچ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ٹھکانے لگا دیں۔

اب قبیلہ بنو عامر کے سولہ افراد مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ جبّار بن سلمٰی اور مشہور صحابی حضرت کعب بن مالک خزرجی میں پہلے کے مراسم تھے اس لیے وہ مدینہ پہنچ کر اپنے تیرہ آدمیوں کے ساتھ انہی کے گھر مہمان اُترے اور کعب بن مالک ؓ ہی ان کو لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ عامر بن طفیل اور اربد بن قیس رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے خاندان کی ایک عورت کے مہمان ہوئے۔ مدینہ پہنچ کر یہ دونوں بدنہاد جو شر و فتنہ کی نیت سے آئے تھے جبّار ؓ اور ان کے ساتھیوں سے بالکل الگ تھلگ رہے کیونکہ ہر دو فریق کے مقاصد جداگانہ تھے۔

عامر کا رسولِ خدا کو اپنا رقیب قرار دینا

جب بنو عامر بن صعصعہ کا وفد دیارِ رسول میں پہنچا تو بعض صحابہ ؓ نے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوکر التماس کی یا رسول اللہ! عامر بن طفیل جو حادثۂ بیرمعونہ کا مجرم ہے یہاں آیا ہوا ہے اگر مرضی مبارک ہو تو وہ کیفرِ کردار کو پہنچا دیا جائے لیکن آپ نے کچھ جواب نہ دیا اور وہ آزادی سے شہر میں پھرتا رہا۔ اس عدم تعرض کی وجہ یہ تھی کہ وہ وفد کے ساتھ آیا تھا اور ارکانِ وفد میں شامل تھا۔

عامر بن طفیل کی منافقت اور بغض و کینہ کا اندازہ اس حقیقت سے بھی ہو سکتا ہے کہ جب اس سے کہا گیا کہ اے عامر! اب تو ہر طرف اسلام ہی کا پھریرا اڑنے لگا ہے تو بھی مسلمان ہو جا تو بولا میری دیرینہ خواہش تھی کہ تمام عرب پر میرا ملوکانہ تسلط قائم ہو لیکن اس شخص (ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم) کی وجہ سے ملک کے سیاسی حالات نے جو پلٹا کھایا ہے اس نے میرے مقاصد و عزائم میں ایک سنگِ گراں حائل کر دیا ہے۔ لیکن اب بھی میری یہی خواہش ہے کہ کسی طرح اس شخص کا (معاذاللہ) قلع قمع کر کے اپنی حکومت کی بنیاد ڈالوں اور عرب کو اپنے حیطہ اقتدار میں لاؤں۔ ان حالات میں کیونکر ممکن ہے کہ اپنے رقیب کی اطاعت کروں"۔ اس کے ساتھی اربد نے اس کی پیٹھ ٹھونکی اور کہا تم واقعی مردِ میدان ہو اور تم ضرور کچھ کر کے دکھاؤ گے"۔

قاتلانہ حملہ کرنے پر اربد کی آمادگی

مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد عامر اربد سے کہنے لگا کہ جب ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس پہنچیں تو میں اس شخص کو باتوں میں لگا رکھوں گا اور جب تم دیکھو کہ وہ بالکل غافل ہو گیا اور مجلس مسلمانوں کے وجود سے خالی ہے تو تم اپنی جان پر کھیل کر تلوار کا ایسا وار کرنا کہ معاً شہر خموشاں کی راہ لے۔ اربد اس پر آمادہ ہو گیا۔ جب یہ دونوں اس خاکسار ادے سے بارگاہ نبوی میں پہنچے تو عامر کہنے لگا محمدؐ! مجھے تم سے خلوت میں کچھ باتیں کرنی ہیں"۔ آپ نے فرمایا تم پہلے ایمان قبول کر لو تو تخلیہ کی گفتگو بھی ہو سکتی ہے"۔ اس نے کہا اگر میں تمہاری پیروی اختیار کر لوں تو مجھے کیا ملے گا؟ فرمایا تمہارے بھی وہی حقوق ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں۔ بولا کیا مجھے اپنے بعد اپنا جانشین مقرر کر سکتے ہو؟ فرمایا نہیں۔ اس نے ادھر ادھر کی باتیں ملا کر سلسلہ گفتگو طویل کر دیا۔ اس اثناء میں وہ بار بار اربد کی طرف دیکھتا تھا کہ وہ کب اپنا کام انجام دیتا ہے لیکن وہ بت بنا خاموش کھڑا رہا۔

احمقانہ دھمکی

جب عامر نے دیکھا کہ اربد میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی تو انتظارِ شدید کے بعد عالمِ غیظ میں اٹھ کھڑا ہوا اور مغلوب الغضب ہو کر سرکارِ دوجہان

صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرکے کہنے لگا خدا کی قسم! میں تم پر اتنی سوار اور پیدل فوجیں لاؤں گا کہ زمین ان سے بھر جائے گی اور تیرا قلع قمع کرکے ہم دنیا سے یثرب کا نام و نشان مٹا دیں گے۔" اگر اس وقت آپ جان نثار صحابہ کو ایک ادنیٰ سا اشارہ فرما دیتے تو دونوں دشمنان دین آناً فاناً قعرِ ہلاک میں ڈال دیے جاتے لیکن آپؐ نے درگذر فرمایا اور اپنی معتاد بردباری اور ضبط و تحمل سے کام لے کر خاموشی اختیار کی۔

بارگاہِ ایزدی میں التجا

البتہ آپ نے ان کے جانے کے بعد درگاہِ خداوندی میں ان لفظوں سے دُعا کی "بارِ خدایا! تو میری طرف سے عامر کے لیے کفایت فرما۔ اور بنو عامر کو راہِ ہدایت دکھا اور اسلام کو عامر بن طفیل سے مستغنی کر دے"۔

جب یہ دونوں بدگوہر مدینہ منورہ سے نکلے تو عامر اربد کو چشم نمائی کرنے لگا کہ ایسا زریں موقع ہاتھ آنے کے باوجود تو نے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو ٹھکانے نہ لگایا"۔ اربد بولا عامر! تم ناحق خفا ہوتے ہو۔ جب میں قتل کا قصد کرتا تھا تو مجھے اپنے اور تمہارے سوا کوئی تیسرا شخص وہاں دکھائی نہ دیتا تھا۔ ایسی حالت میں تم خود ہی بتاؤ میں کس پر وار کرتا؟"

عامر اور اربد کی ہلاکت

خدا کے محبوبوں کے منہ سے نکلی ہوئی بات کبھی خالی نہیں جاتی۔ جب یہ لوگ وطن واپس آئے تو عامر کی زبان حلق سے اس طرح باہر نکل پڑی جس طرح بکری کا تھن لٹکا ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ اس کی گردن میں طاعون کا پھوڑا نکل آیا۔ اسی حالت میں وہ بنو سلول کی ایک عورت کے گھر میں جا گھسا اور وہیں ہلاک ہو گیا۔ اور اربد گھر پہنچنے کے بعد اپنا اونٹ کہیں لیے جا رہا تھا۔ یک بیک بجلی گری اور اس کو جلا کر خاک سیاہ کر گئی۔ اور ربِ ذوالمنن نے اس کے چند ہی روز بعد قبیلۂ عامر کو اسلام کی دولتِ جاوید سے مالا مال کر دیا (ابن سعد و ابن ہشام وغیرہما)۔

فصل ۱۲

اعدائے نبوی کی کثرت اور دشمن سے پیار کرنے کا مسیحی نظریہ

تائید ایزدی کی رفاقت و پشت پناہی

معلوم ہو کہ ایک طرف تو مکہ کے قریش ہر وقت حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے لاگو بنے ہوئے تھے اور دوسری طرف منافقوں اور یہودیوں اور دوسرے اعدائے دین کو (معاذ اللہ) آپ کے قلع قمع کی سازشوں سے ایک لمحہ فرصت نہ تھی اور اگر اعداء کی کثرت اور ان کے مساعیِ قتل کی شدتِ انہماک کا لحاظ کیا جائے تو بظاہر دنیا میں آپ کا ایک لمحہ کے لیے بھی زندہ رہنا محال تھا لیکن چونکہ نصرتِ الٰہی آپ کی میرِ ساماں اور تائید ایزدی ہر لحظہ آپ کی رفیقِ کار تھی، اعداء ہر مخالفانہ تدبیر میں خائب و خاسر رہتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا میں کوئی مفید انقلاب برپا کرنے آتے تھے، اس لیے عوائق و مشکلات کا سامنا ناگزیر تھا جس طرح کسی سنگلاخ زمین میں سڑک نکالنے کے لیے بڑی بڑی چٹانوں اور پہاڑیوں کو راستہ سے ہٹانا پڑتا ہے، اسی طرح سیدِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دنیا کی اعتقادی اور اخلاقی حالت کا نقشہ بدلنے کے لیے تشریف لائے تھے، عرب جیسی سنگلاخ زمین کے صاف اور ہموار کرنے میں بڑے بڑے سنگ ہائے گراں راستے سے ہٹانے پڑے۔

عفو و درگذر ہی دشمن سے محبت کرنا ہے

نصاریٰ کو اس پر بڑا ناز ہے کہ مسیح علیہ السلام نے دشمنوں سے محبت کرنے کی تعلیم دی ہے حالانکہ دشمنوں کو پیار کرنا اسی عفو و درگذر اور حسن سلوک کا نام ہے جس کے بیسیوں عملی نمونے روحانیت کے پیکرِ اعظم حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیے۔ یہ نمونے عہدِ حاضر کی محرف انجیلوں کی طرح صرف شیریں کلامی اور خوش گفتاری تک محدود نہیں بلکہ

دنیا میں حقائق ثابتہ بن کر نمودار ہوئے ہیں۔ اور لطف یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم تو یہ پیش کی جاتی ہے کہ دشمن سے بھی پیار کرو لیکن ساتھ ہی انجیلوں نے مسیح علیہ السلام کی طرف اقربائے دوستوں کے حق میں بھی ایسی بدسلوکی اور زشت خوئی منسوب کر دی ہے جو پیغمبر عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدت العمر کسی دشمن سے بھی روا نہ رکھی۔

مثلاً مسیح علیہ السلام نے پطرس حواری سے کہا اے شیطان دُور ہو تو میرے لیے ٹھوکر کا باعث ہے (متی ۱۶ : ۲۳، مرقس ۸ : ۳۳) اور اپنی قوم کے علماء کی نسبت کہا اے سانپ کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے (متی ۲۳ : ۳۳) اور اپنی اُمّتِ دعوت کے بارہ میں کہا زناکار اور خطاکار قوم (مرقس ۸ : ۳۸) اور جب علمائے یہود نے مسیح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا تو جواب دیا کہ اس زمانہ کے بُرے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں (متی ۱۲ : ۴۰)۔

پیشوائے اُمّت کے اعمال و کردار

چونکہ دُوسرے ادیان و ملل کے پیرو اپنے مقتداؤں کے اعمالِ حیات اور وقائع زندگی اور اخلاقی نمونے پیش نہیں کر سکتے اس لیے ہمیشہ ان کے اقوال ہی کی طرف لوگوں کو بُلایا کرتے ہیں اور بار بار اُنہی کا اعادہ کرتے ہیں کیونکہ ان اقوال و تعلیمات کے سوا ان کے پاس اور کچھ نہیں لیکن دینِ حنیف اپنے ہادی و رہبر کی پاک تعلیمات کے ساتھ آپ کے اعمالِ حسنہ اور اخلاقی نمونے بھی پیش کرتا ہے اور دنیا کو ان دونوں کی طرف بُلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے کتاب اللہ کی پیروی کے ساتھ اتباعِ سنّت کی بھی دعوت دی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (تمہارے لیے رسُولُ اللہ کی زندگی میں پیروی کا بہترین نمونہ ہے)۔

اور یہ جو میں نے کہا کہ دُوسرے مذاہب کے لوگ اپنے مقتداؤں کے عملی نمونے پیش نہیں کر سکتے تو اس کا یہ منشا نہیں کہ انبیائے سلف کی تعلیماتِ حقّہ کے ساتھ ان کا اُسوۂ حسنہ موجبِ ہدایت نہ تھا بلکہ مقصود یہ ہے کہ چونکہ انبیائے سابقین محض اپنی اپنی قوم کی ہدایت و

رہنمائی کے لیے محض وقتی طور پر مبعوث ہوتے تھے اور ان میں سے کسی کی دعوت عالمگیر اور دوامی نہ تھی، اس لیے ان کے بعد کی مخلوق ان کی پاک تعلیمات اور زندگی کے عملی کارناموں کی مکلف اور حاجت مند نہ تھی، اس لیے ان کے اعمال و کردار کے محفوظ رکھنے کی طرف اعتنا نہ کیا گیا۔ لیکن خاتم الانبیاء حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دوامی اور ابدی نبی ہیں اور آپ دنیا کی ہر قوم، ہر ملک اور ہر زمانہ کے ہر انسان کی ہدایت و رہبری کے لیے مبعوث ہوئے تھے، اس لیے خدائے حکیم و کارساز نے آپ کو بقائے دوام کے لیے چُن لیا اور آپ کی زندگی کے ہر چھوٹے بڑے اُسوہ کو محفوظ رکھنے کے لیے آپ کے پیروؤں کی ایک جماعت اس پر کمربستہ کر دی ۔

باب پانزدہم

عدی بن حاتم طائی پر شفقت

زید الخیل یمن میں طے ایک نامور قبیلہ تھا۔ اس کے دو رئیس اعظم تھے۔ زید الخیل اور عدی ابن حاتم طائی۔ دونوں کے حدودِ حکومت الگ الگ تھے۔ زید عہدِ جاہلیت کے مشہور خطیب، شاعر، خوش جمال، فیاض اور بہادر تھے۔ ۹ھ میں چند معززین کے ساتھ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ سبھوں نے صدقِ دل سے اسلام قبول کیا۔ شہسواروں کی وجہ سے یہ زید الخیل کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ نے اس لقب کو زید الخیر سے بدل دیا۔ آپ نے فرمایا کہ زید الخیل کے سوا جس عرب کے بھی مجھ سے کچھ فضائل و صفات بیان کیے گئے، میں نے اس کو ان بیان کردہ صفات سے کمتر ہی پایا"۔ لیکن افسوس کہ زید مدینہ منورہ سے مراجعت کے بعد فردہ کے مقام پر پہنچے تو داعئ اجل کو لبیک کہہ دیا (سیرت ابن ہشام، جلد چہارم صفحہ ۲۲۴)۔

عدی بن حاتم کی عداوتِ رسولؐ عدی مشہور حاتم طائی کے بیٹے اور مذہباً عیسائی تھے دوسرے سلاطینِ عرب کی طرح ان کو بھی ملک کی آمدنی کا چوتھا حصہ ملتا تھا۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ سنا تھا مجھے آپ سے سخت نفرت تھی۔ انہوں نے اسلام اور داعئ اسلام کی

مخالفت میں جو عملی حصہ لیا وہ ہر وقت ان کے پیش نظر تھا اور جب اسلام کو روز افزوں عروج حاصل ہونے لگا اور دیکھا کہ عرب کے اندر تمام مخالفانہ طاقتیں اسلامی سیلِ اقبال کے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہ رہی ہیں تو انھیں یقین ہو گیا کہ ان کی بھی بہت جلد خبر لی جائے گی۔

عدی کا فرار

ایک دن عدی نے اپنے ایک خاص عربی غلام سے کہا کہ میرے اونٹوں میں سے بہترین تیز رفتار اونٹ انتخاب کر کے الگ کر لو اور جوں ہی لشکرِ اسلام کی آمد کی اطلاع ملے، مجھے فوراً خبر کرو۔ غلام نے معاً دو اونٹ چھانٹ لیے اور اس کے دوسرے ہی دن عدی سے آکر کہا کہ جو کچھ آپ کو کرنا ہے اس کو بلا توقف انجام دے لیجیے کیونکہ لشکرِ اسلام بہت جلد آیا چاہتا ہے۔ چنانچہ عدی نے تحقیق کی تو یہ اطلاع بالکل صحیح نکلی۔ اب غلام ان اونٹوں کو لے آیا اور عدی اپنے اہل و عیال کو سوار کر کے ملک شام کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہ ایسی بدحواسی میں بھاگے تھے کہ اپنی بہن سفانہ کو بھی ساتھ نہ لے جا سکے۔

بنو طے کی ہزیمت

ان کے فرار کے بعد اسلامی لشکر بھی پہنچ گیا۔ فلس کے مقام پر بنو طے سے خفیف سی جھڑپ ہوئی۔ وہ مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔ مسلمان بنو طے کے چند قیدیوں کو جن میں عدی کی بہن سفانہ بھی داخل تھیں لے کر مدینہ طیبہ پہنچے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے طائی اسیروں کو مسجد نبوی کے دروازے کے سامنے ایک خیمے میں رکھے جانے کا حکم دیا اور جب آپ کو بتایا گیا کہ عدی اپنے اہل و عیال کو لے کر شام بھاگ گئے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے بھاگ کر کہاں جا سکتے ہیں؟

سفانہ بنت حاتم طائی کی اسیری

عدی کی بہن سفانہ ہمت، جرأت اور عقل و دانش میں سرآمدِ روزگار تھیں۔ ایک مرتبہ جب آپ ان کے خیمہ کے سامنے سے گزرے تو وہ عرض کرنے لگیں حضور! باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ بھائی مفقود ہو گیا۔ اب حضور مجھ پر احسان فرمائیں، خدا آپ پر احسان کرے گا۔" آپ نے فرمایا تمہارا بھائی کون ہے؟ عرض کی عدی بن حاتم" فرمایا ہاں وہی عدی جو خدا اور رسولؐ سے بھاگا ہوا ہے؟ یہ کہہ کر آپ

تشریف لے گئے۔ دوسرے دن آپ کا ادھر سے گزر ہوا۔ سفانہ نے پھر وہی درخواست پیش کی اور آپ نے پھر وہی جواب دیا اور چلے گئے۔ اب کی مرتبہ سفانہ بالکل ناامید ہو گئیں اس لیے تیسری مرتبہ جو حضور کا ادھر سے گزر ہوا تو سفانہ نے اپنی عرضداشت پیش نہ کی اور بدستور اپنی جگہ پر بیٹھی رہیں۔

ایک صاحب نے جو آپ کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے سفانہ کو اشاروں سے سمجھایا کہ کھڑے ہو کر پھر عرض معروض کرو۔ انہوں نے کھڑے ہو کر پھر وہی درخواست پیش کی۔ آپ نے فرمایا اچھا تم کو رخصت کر دیا جائے گا لیکن تم جانے میں عجلت نہ کرو۔ جب کوئی معتبر آدمی تمہارے وطن کی طرف جانے والا ملے تو مجھے خبر کرنا میں اس کے ساتھ تمہیں بھیج دوں گا" یہ فرما کر آپ چلے گئے۔

قید سے رہائی

حاتم طائی کی بیٹی نے لوگوں سے پوچھا یہ صاحب کون تھے جنہوں نے مجھے اشارہ کیا تھا؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت علی مرتضیٰ تھے۔ چند روز کے بعد قبیلہ قضاعہ کے چند آدمی آئے۔ یہ لوگ شام کی طرف جانے والے تھے۔ سفانہ نے ارادہ کیا کہ وطن جانے کی نسبت بہتر ہے کہ اپنے بھائی کے پاس شام چلی جاؤں۔ چنانچہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں حضرت والا! میری قوم کے چند معزز آدمی آئے ہیں مجھے ان پر کامل وثوق ہے۔ آپ مجھے جانے کی اجازت دیں" آپ نے سفانہ کے لیے کھانا طیار کرایا اور کپڑوں کے چند جوڑے اور بہت سا زادِ راہ عطا فرمایا۔ ان کے پاس سواری نہیں تھی۔ آپ نے سواری کے لیے اپنا اونٹ دے دیا اور شامی قافلہ کے ساتھ روانہ کر دیا (ابن ہشام)

عدی کی مدینہ منورہ کو روانگی

ایک دن عدی بن حاتم نے دور سے دیکھا کہ ایک عورت اونٹ پر سوار چلی آتی ہے۔ دل میں آرزو ہوئی کاش! یہ میری بہن ہو۔ جب سواری قریب آئی تو دیکھا کہ واقعی وہی ہیں۔ سفانہ اونٹ سے اترتے ہی عدی کو ملامت کرنے لگیں کہ اے ظالم جفاکار! اے قاطع رحم! تو اپنے بال بچوں کو تو لے آیا اور مجھ کو

دشمن کے ہاتھ میں چھوڑ دیا۔ یہ تو نے کیا حرکت کی؟ عدی سخت شرمندہ ہو کر عذر خواہ ہوئے کہ میں اس وقت سخت مجبور ہو گیا تھا ورنہ یہ کبھی ممکن نہ تھا کہ تمہیں دشمن کے پنجۂ عذاب میں چھوڑ آتا۔ اب بھائی کی درخواست پر بہن نے اپنا تمام ماجرا کہہ سنایا اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ اور مربیانہ سلوک کی بڑی تعریف کی اور بتایا کہ دنیا کا کوئی فاتح اپنے مقہور دشمنوں کے ساتھ ایسا فیاضانہ سلوک نہیں کرتا جو محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ہم لوگوں کے ساتھ روا رکھا ہے"۔

عدی دریافت کرنے لگے کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے"؟ بہن نے کہا میں تو یہی رائے دوں گی کہ تم بے خطر ان کے پاس جاؤ اور سر کے بل جاؤ۔ جہاں تک مجھے تجربہ ہوا وہ صاحبِ عفو و بخشش کا دریا ہیں۔ اگر واقعی نبی ہیں تو تمہیں سبقت الی الخیر کی فضیلت نصیب ہو گی اور اگر بادشاہ ہیں تو بھی تمہاری عزت میں کوئی فرق نہیں آئے گا"۔ عدیؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور فوراً مدینۃ الرسولؐ کا راستہ لیا۔

بارگاہِ نبویؐ میں

یہاں پہنچ کر مسجدِ نبویؐ میں سیدِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے آئے اور سلام کیا۔ اس وقت صحابہ کرام آپ کے ارد گرد اس طرح بیٹھے ہوئے تھے جس طرح چاند کے گرد ستارے۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ کہا میں حاتم طائی کا بیٹا عدی ہوں۔ یہ سن کر آپ کھڑے ہو گئے اور بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد عدیؓ کو ساتھ لیے ہوئے کاشانۂ اقدس کو تشریف لے چلے۔ راستہ میں ایک مسکین عورت نے آپ کو ٹھیرا لیا اور اپنے کسی کام کے متعلق آپ سے عرض کرنے لگی۔ آپ اس بیکس عورت کی خاطر بہت دیر تک کھڑے رہے۔ عدیؓ دل میں کہنے لگے کہ یہ یقیناً بادشاہ تو نہیں ہیں کیونکہ بادشاہوں کے اخلاق ایسے عظیم و بلند نہیں ہوتے۔

اس کے بعد آپ عدیؓ کو لیے ہوئے اپنے ایک حجرہ میں داخل ہوئے اور ایک موٹا گدا اٹھا کر ان کے سامنے رکھ دیا اور فرمایا اس پر بیٹھو۔ عدیؓ نے کہا حضور! آپ خود اس پر تشریف رکھیں۔ فرمایا

نہیں تم ہی بیٹھو۔ آخر عدی اس پر بیٹھ گئے اور آپ ان کے سامنے زمین پر تشریف فرما ہوئے۔ شاید زمین پر کچھ ٹاٹ وغیرہ بچھا ہوگا۔ عدی دل میں کہنے لگے یہ تواضع یہ انکساری کسی بادشاہ میں یقیناً نہیں پایا جا سکتا۔

عدی کی سعادتِ ایمانی

آپ نے فرمایا عدی! کیا تم نصارٰی کے فلاں فرقہ سے تعلق رکھتے ہو؟ بولے ہاں۔ فرمایا تم اپنی قوم سے فلاں محصول لیتے تھے حالانکہ تمہارے مذہب میں حرام تھا؟ یہ سُن کر عدیؓ کو یقین ہو گیا کہ آپ خدا کے سچے رسُولؐ ہیں جو آپ کو ان باتوں کی اطلاع ہے۔ عدی نے کہا ہاں میں یہ محصُول اپنی قوم سے لیتا تھا۔"

اس کے بعد فرمایا عدی! شاید تمہیں اس بنا پر قبولِ اسلام میں تامل ہے کہ مسلمان قلیل و غیر مسلم غالب و کثیر ہیں لیکن یاد رکھو کہ عنقریب عورت ذات بھی تن تنہا قادسیہ سے مکہ معظمہ تک کا سفر کرے گی تو اسے راستہ میں اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا اور عجب نہیں کہ تم اس بنا پر بھی قبولِ حق سے گھبراتے ہو کہ مسلمانوں کے پاس مُلک اور سلطنت نہیں ہے لیکن تم یقیناً جلد سُن لوگے کہ مسلمانوں نے بابل کے سفید محل فتح کر لیے۔" یہ سُن کر حضرت عدیؓ نے اپنے گلے سے صلیب اتار دی اور صَہبائے ایمان سے مخمُور ہوئے اور کلمۂ شہادت پڑھ کر اپنی قسمت اسلام کے ساتھ وابستہ کر دی اور فیضانِ نبوت سے اچھی طرح استفادہ کرنے کے بعد اپنے وطن کو لوٹ گئے۔

پیشین گوئیوں کا پُورا ہونا

اب حضرت عدیؓ کا محلسرائے وہ بُرجِ سعادت تھا جہاں سے خورشیدِ اسلام کی شعاعیں دُور دُور تک ضوء افگن ہوئیں۔ اور سارا قبیلہ پرتوِ ایمان سے مستنیر ہوا۔ حضرت عدیؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق میں زنانہ مسافر کو تن تنہا قادسیہ سے کعبۂ معلّٰی کی زیارت کے لیے بے خوف و خطر آتے دیکھتا ہوں اور بابل کے محل بھی بتائیدِ ایزدی مسلمانوں نے فتح کر لیے (ابن ہشام و مدارج النبوت، واخرجہ الترمذی مختصرًا)۔

باب ششدہم

اہلِ طائف کا قبولِ اسلام

فصلِ اوّل۔ طائف میں حضرت خیرالانامؐ کی دعوت و تبلیغ

تبلیغ کا کٹھن کام

دعوت و تبلیغ کا کام بڑا کٹھن ہے۔ پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر ان میں سے سڑک نکالنا بڑا مشکل کام ہے لیکن دعوت و تبلیغ کا کام اس سے بھی کہیں زیادہ مشکلات سے لبریز ہے۔ اگر مدعو کوئی شریف اور حلیم الطبع انسان ہو تب تو خیریت گذرتی ہے ورنہ داعی کو بسا اوقات ذلیل و رسوا کر کے واپس کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے عقاید خواہ کیسے ہی مبتذل کیوں نہ ہوں بڑے عزیز ہوتے ہیں۔ ان عقاید سے دست بردار ہونا لوگوں پر بڑا شاق ہے۔ تاہم انبیاء علیہم السلام کو تبلیغ کی دشوار گزار گھاٹی میں سے گذرنا ہی پڑتا تھا۔ یہاں بتایا جاتا ہے کہ سیدِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف میں تبلیغ کا مرحلہ کس طرح طے کرنا پڑا۔

سیدِ عالمؐ کا تبلیغ کے لیے طائف پہنچنا

ہجرت مدینہ سے کچھ مدت پہلے یہ دیکھ کر کہ اہل مکہ بالفعل قبولِ حق پر آمادہ نہیں ہیں سیدِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بیگانوں میں جا کر دعوت و تبلیغ شروع کرنے کا عزم فرمایا تھا۔ گو اس وقت طائف

بھی آپ کے لیے ساتھیوں اور مجبوروں کا مسکن تھا تاہم آپ نے تن تنہا یہ تبلیغی سفر اپنے دوش ہمت پر گوارا فرمایا۔ آپ کے متبنّیٰ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ دس دن تک طائف رہ کر قبیلۂ ثقیف کو دینِ حق کی طرف بُلاتے رہے لیکن ایک متنفّس کو بھی قبولِ حق کی توفیق نہ ہوئی۔

آپ وہاں جس رئیس کے پاس بھی جاتے، وہی بداخلاقی اور اکھڑپن سے پیش آتا۔ ان نوں رؤسائے طائف میں تین شخص سب سے زیادہ با اقتدار تھے۔ عبد یالیل، مسعود اور حبیب جب آپ نے ان کے پاس جاکر دینِ حق کی دعوت دی تو تینوں نے نہایت درشت اور تلخ جواب دیے۔ عبد یالیل نے کہا اگر خدا نے تمہیں نبی بناکر بھیجا ہوگا تو میں کعبۂ معلّٰی میں جاکر اپنی ڈاڑھی منڈوا دوں گا۔ مسعود بولا کیا خدا کو پیغمبری کے لیے تمہارے سوا اور کوئی نہیں ملتا تھا، اگر اس نے نبی بنانا ہی ہوتا تو کسی بڑے رئیس کو بناتا، نہ کہ تم جیسے نادار کو جسے سواری تک میسّر نہیں۔" حبیب نے کہا میں تم سے خطاب کرنا نہیں چاہتا۔ بہتر یہ ہے کہ ہمارے شہر سے فی الفور نکل جاؤ۔ چنانچہ آپ بے نیل مرام طائف سے مراجعت فرما ہوئے۔

ابلیسی لشکر حبیبؐ رب العالمین کے تعاقب میں

رؤسائے طائف نے کج خلقی اور دریدہ دہنی پر ہی اکتفا نہ کی بلکہ طائف کے اوباشوں اور لفنگوں اور شریر لونڈوں کو ہشکار دیا۔ یہ ابلیسی لشکر ہر طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑا۔ انہوں نے گالیاں دینا، تالیاں بجانا اور شور مچانا شروع کر دیا۔ اس کے بعد کنکر، پتھر سے جو کسی کے ہاتھ آیا آپ کو مارنے لگے۔ آپ جدھر کا رُخ کرتے، اشقیاء برابر آپ کا تعاقب کرکے پتھر ٹُکرتے جاتے۔ حضرت زیدؓ نے اپنے آپ کو آنحضرت کی ڈھال بنا رکھا تھا لیکن جب چاروں طرف سے بے پناہ سنگ باری ہو رہی تھی تو زیدؓ آپ کو کہاں تک بچا سکتے تھے۔ اتنے پتھر پڑے کہ آپ کا جسدِ اطہر لہو لہان ہو گیا اور نعلین مبارک خون میں چھپ گئیں۔ جسم مبارک کا کوئی حصّہ ایسا نہیں تھا جو مجروح نہ ہو اور جس سے خون کے فوّارے نہ چھوٹ رہے ہوں۔ آخر آپ نے ایک باغ میں پناہ لی اور اوباشوں سے پیچھا چھوڑایا (تاریخ ابن جریر طبری، سیرت ابن ہشام، الروض الانف)۔

باغ میں اطمینان کی سانس لینی نصیب ہوئی تو حضرت زیدؓ نے اپنی چادر سے پہلے آپ کے جسمِ اطہر کا خون پونچھا اور پھر اپنے زخم صاف کیے۔ چونکہ آنحضرتؐ کے نعلین میں خون بہت جم گیا تھا، آپ وضو کرتے وقت اپنے پیر بمشکل نکال سکے (تاریخ ابن جریر و مدارج)۔

فصل ۲۔ قلعۂ طائف کا محاصرہ

اس واقعہ کے نو دس سال بعد ثقیف نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ایک اور اقدام کیا۔ غزوۂ حُنین میں اسلام کے خلاف جن قبائل نے حصّہ لیا تھا، ان میں بنو ثقیف سب سے پیش پیش تھے۔ قیدیوں کی رہائی کے بعد قریب قریب سارے بنو ہوازن مسلمان ہو گئے تھے۔ اوطاس میں منہزم ہونے کے بعد ثقیف اور دوسرے ہزیمت خوردہ غیر مسلم بھاگ کر طائف کے قلعہ میں جا پناہ گزیں ہوئے اور انہوں نے داخل ہو کر شہر کے دروازے بند کر لیے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے طائف جا کر شہر پناہ کے قریب ان کا محاصرہ کیا۔

محصُورین نے مسلمانوں پر تیر اندازی شروع کر دی۔ مشکل یہ تھی کہ محصُورین کے تیر آ آ کر مسلمانوں کو نقصان پہنچا رہے تھے لیکن اہلِ ایمان کو قدرت نہیں تھی کہ شہر میں گھس کر حملہ کر سکیں۔ جب متعدد اصحاب کرام تیروں کی زد میں آ کر تیرِ قضا کا نشانہ بن چکے تو آپ نے شہر پناہ سے دُور ہٹ کر اس جگہ حصار قائم کیا جہاں بعد میں طائف کی جامع مسجد بنی۔

جب محاصرہ کو سترہ راتیں گزر چکیں تو صبح کو حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے پاس مکھن سے بھرا ہوا ایک پیالہ لایا گیا ہے۔ لیکن ایک مُرغ نے اس میں ٹھونگ مار دی جس سے سارا مکھن بہ گیا ہے۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ جنہیں تعبیر خواب میں بڑا ملکہ حاصل تھا عرض پیرا ہوئے۔ یا رسول اللہ! میرے نزدیک اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اس محاصرہ میں آپ کی مقصد براری نہ ہو سکے گی۔ آپ نے فرمایا میں نے بھی اس کی یہی تعبیر کی ہے (سیرت ابن ہشام جلد چہارم صفحہ ۱۲۷)۔

چونکہ انبیاء کا خواب بھی وحی ہوتا تھا آپ گویا خواب میں محاصرہ اُٹھانے کے مامور ہوئے۔ چنانچہ آپ نے محاصرہ چھوڑ کر مراجعت فرمائی۔

ثقیف کیلئے قبولِ اسلام کی دُعا

روانگی کے وقت بعض صحابہ نے التماس کی یارسول اللہ! آپ ثقیف (اہل طائف) کے حق میں بددُعا فرمائیں۔ حضرت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بددُعا کی جگہ یہ دُعا کی: الٰہی! ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو اسلام کے آستانہ پر جھکا" اور دوسری روایت میں آپ نے فرمایا میں ان کی ہلاکت نہیں چاہتا بلکہ امیدوار ہوں کہ حق تعالیٰ ان کے صلب سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو خدا ے واحد کی پرستش کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھیرائیں گے (بخاری ومسلم)۔

آپ نے ثقیف کی ہدایت کے لیے جو دعا کی تھی وہ موقفِ اجابت پر پہنچی۔ رؤساے طائف نے باہم مشورہ کیا کہ تمام عرب دائرۂ اسلام میں داخل ہوچکا۔ اب ہمارا انکار و اعراض بے معنیٰ ہے۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ ایک وفد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں روانہ کیا جائے (طبقات ابن سعد وسیرت ابن ہشام)۔

فصل ۳۔ وفدِ ثقیف مدینۃ الرسولؐ میں

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان ۹ ہجری میں تبوک سے مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے تھے۔ اسی مہینہ میں ثقیف کا وفد دارالہجرت میں وارد ہوا۔ وفد کے دُوسرے ارکان یہ تھے۔
(۱) شرحبیل بن غیلان بن سلمہ (۲) عثمان بن ابوالعاص (۳) اوس بن عوف (۴) نمیر بن خرشہ رئیس وفد وہی عبد یالیل تھا جس نے اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا کر آپ پر سنگ باری کرائی تھی۔ جب یہ لوگ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو مغیرہ بن شعبہؓ سے ملاقات ہوئی جو اس وقت بیت المال کے اُونٹ چرا رہے تھے۔ انہوں نے اُونٹ تو دو ثقفیوں کے سپرد کیے اور خود بڑی تیزی کے ساتھ وفد ثقیف کی آمد کی اطلاع دینے کے لیے آستانِ مبارک کی طرف چلے۔ راہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ

رل گئے۔ ان کو معلوم ہوا تو وہ مغیرہؓ سے کہنے لگے کہ بارگاہ نبوی میں یہ خوشخبری مجھ کو پہنچانے دو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جاکر آپ کو اس کی خبر کی۔

قبولِ اسلام کے شرائط

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمے نصب کرا کر ان کو صحن مسجد میں ٹھیرایا (اس سے یہ غرض تھی کہ یہ لوگ مسلمانوں کی نماز اور توجّہ الی اللہ کے منظر دیکھ کر متأثر ہوں)۔ یہ لوگ نماز اور خطبہ کے وقت موجود ہوتے تھے لیکن خود شریک نہیں ہوتے تھے۔ آخر انہوں نے قبولِ اسلام پر آمادگی ظاہر کی لیکن یہ شرط لگائی کہ تین سال تک ان کے معبود (بت) لات کو منہدم نہ کیا جائے۔ آپ نے اس سے انکار کیا۔ انہوں نے دو سال تک بحال رکھنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے انکار کیا۔ انہوں نے اس کے بعد ایک سال اور پھر ایک مہینہ تک بھی اس سے عدم تعرض کی درخواست کی لیکن آپ نے کوئی بات قبول نہ فرمائی۔ انہوں نے دوسری درخواست یہ پیش کی کہ انھیں نماز سے معاف رکھا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اُس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز کا وجود نہیں۔ وہ عرض پیرا ہوئے اچھا ہم نماز کے پابند رہیں گے۔

امیر کا تقرر

الغرض وہ ایمان لائے اور سرورِ کونین نے ان کے لیے ایک فرمان لکھ دیا اور وفد کے ایک رکن عثمان بن ابو العاص کو ان کا امیر مقرر فرمایا حالانکہ وہ عمر میں سب سے چھوٹے تھے۔ اس انتخاب کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بارگاہِ نبویؐ میں اطلاع دی تھی کہ عثمان بن ابو العاص تفقہ فی الاسلام اور تعلیم قرآن کا بڑا حریص ہے۔ اس کے بعد ارکانِ وفد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھاتے اور افطار کرتے رہے۔ آخر چند روز کے بعد رخصت ہو گئے (سیرت ابن ہشام جلد ۴ ص ۱۸۲۔ ۱۸۵)۔

بُت خانہ کا انہدام

چند روز کے بعد خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیرہ بن شعبہ صحابیؓ کو چند آدمیوں کے ساتھ طائف بھیجا کہ لات کو توڑ آئیں۔ جب انہوں نے وہاں پہنچ کر بُتکدہ کو ڈھانا چاہا تو وہاں کی نومسلم خواتین جو ہنوز اسلامی تعلیمات سے بے خبر اور ایّامِ طفولیت سے بُت پرستی کی خوگر تھیں روتی ہوئی ننگے سر گھروں سے نکل آئیں اور چند اشعار میں

لات کا مرثیہ پڑھنے لگیں جن کا مفہوم یہ تھا کہ لوگوں پر روؤ کہ پست ہمتوں نے اپنے معبود کو دشمنوں کے سپرد کر دیا اور لڑائی سے جی چرایا (ابن جریر طبری)۔

جب حضرت مغیرہؓ نے بُت توڑنے کے لیے تبر چلایا تو اتفاق سے ان کا پاؤں پھسل گیا۔ یہ دیکھ کر ثقیف کے بعض جوان جن کے دلوں میں بُت پرستی کا پرانا اثر موجود تھا کہنے لگے دیکھا! لات نے تمہاری کیسی خبر لی؟ حضرت مغیرہؓ نے فرمایا ثقیف والو! تم لوگ بڑے احمق ہو۔ اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ بے حس پتھر جسے اپنے وجود تک کا علم نہیں کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس کے بعد حضرت مغیرہؓ نے بُت کو چند ہی ضربوں سے ریزہ ریزہ کر دیا۔

اس معبودِ باطل کو بے نشان کرنے کے بعد مغیرہؓ نے مندر کی دیواروں کو گرانا شروع کیا یہاں تک کہ سارا بُت خانہ زمین کے برابر ہوگیا۔ مندر کا پجاری کہنے لگا کہ مندر کی بنیادیں ان پر غضب نازل کریں گی۔" یہ سُن کر حضرت مغیرہؓ نے بنیادیں بھی کھوکھلی کر ڈالیں۔ جب ثقیف کے بے خبر نو مسلموں نے دیکھا کہ نہ بُت مغیرہؓ کا کچھ بگاڑ سکا اور نہ دیواروں اور بنیادوں ہی نے کوئی کرامت دکھائی تو شرمسار ہو کر چلے گئے اور انہیں یقینِ کامل ہوگیا کہ اسلام ہی دنیا کا سچا دین ہے (زاد المعاد)۔

فصل ۴ - مسلم سلاطین کی بُت شکنی

فصل سابق کی آخری سطور کے مطالعہ سے جو "بُت خانہ کا انہدام" کے عنوان سے حوالۂ قرطاس ہوئیں ان سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ بُت شکنی بھی اسلامی فرائض و واجبات میں داخل ہے حالانکہ ایسا نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس اسلام غیر مسلموں کے معابد کی حفاظت کا علم بردار ہے۔ یہاں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی جاتی ہے:

حفاظتِ معابد کا عملی پہلو

ربّ تدبیر نے اپنے کلام میں فرمایا کہ اگر حق تعالیٰ بعض انسانوں کو دوسروں کے ہاتھوں سے دفع نہ کرتا رہتا تو نصاریٰ کے

صومعے اور گرجے اور (یہود کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے کبھی کے منہدم ہو چکے ہوتے۔"

عہدِ جاہلیت میں صورتِ حال یہی تھی۔ قبل از اسلام کی کسی جنگ میں معابد و منادر محفوظ نہ تھے۔ اسلام ہی تنہا ایک ایسا دین ہے جس نے اپنے پیروں کو معابد کی حفاظت کا حکم دیا۔ خلافتِ راشدہ میں غیر مسلموں سے جو معاہدے ہوئے ان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اسلام میں معابد کی حفاظت کی کہاں تک تاکید ہے۔

عہدِ فاروقی میں گرجاؤں سے عدمِ تعرض کا عہد

بیت المقدس میں وہاں کے عیسائیوں سے جو معاہدہ ہوا وہ خلیفۂ ثانی حضرت فاروق اعظمؓ کی موجودگی میں اور ان کے الفاظ میں زیب رقم ہوا تھا، اس کا ابتدائی حصہ یہ تھا:

هذا ما اعطى عبد الله عمر	یہ وہ امان ہے جو خدا کے بندہ امیر المومنین
امير المؤمنين اهل ايلياء من	عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی
الامان اعطاهم امانا لانفسهم	جان، مال، گرجاؤں، تندرست، بیمار اور ان کے
واموالهم ولكنائسهم وصلبانهم	تمام ہم مذہبوں کے لیے ہے۔ اس طرح پر
وسقيمها وبريئها وسائر ملتها	ان کے گرجاؤں میں سکونت کی جائے گی، نہ
انه لا يسكن كنائسهم ولا تهدم	وہ ڈھائے جائیں گے، نہ گرجاؤں کو یا ان کے
ولا ينتقص منها ولا من حيزها و	احاطے کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی
لا من صليبهم ولا من شئ من اموالهم	صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔
ولا يكرهون على دينهم ولا يضار	مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائیگا۔ نہ ان
احد منهم۔	میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔

(تاریخ محمد ابن جریر طبری فتح بیت المقدس)۔

اس معاہدہ میں صاف تصریح ہے کہ عیسائیوں کے گرجے اور چرچ نہ توڑے جائیں گے،

نہ ان کی عمارات کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کے احاطوں میں دست درازی کی جائے گی۔

عامل مصر کا انتقام گیری کے لیے اپنی آنکھ پیش کرنا

اور بت شکنی کے امتناع کو اس واقعہ پر بھی قیاس کر سکتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے ۱۹ھ میں اسکندریہ فتح کیا تو وہاں کسی مسلمان کے تیر سے حضرت مسیح علیہ السلام کے مجسمہ کی ایک آنکھ پھوٹ گئی۔ اسلامی انصاف و رواداری نے غیر مسلموں کے حوصلے یہاں تک بڑھا دیے تھے کہ عیسائیوں نے مسلمانوں سے مطالبہ کیا کہ تم اپنے پیغمبر کی تصویر دو تاکہ ہم اس سے بجنسہ بدلہ لے سکیں۔ ان سے کہا گیا کہ ہمارے پیغمبر کی کوئی تصویر نہیں۔ ہاں ہم موجود ہیں۔ ہم میں سے جس کی آنکھ چاہو پھوڑ دو۔ حضرت عمرو بن عاص فاتح مصرؓ نے اپنی ایک آنکھ مطالبہ کرنے والے عیسائی کے ہاتھ کی تلوار کے سامنے کر دی اور فرمایا کہ تم اس سے انتقام لے سکتے ہو۔" یہ شانِ انصاف دیکھ کر عیسائی نے خنجر اپنے ہاتھ سے رکھ دیا (واقعاتِ ہند تلسی رام)۔

درۂ خیبر سے آنے والے اسلامی احکام سے بے خبر تھے

ان نظائر سے ظاہر ہے کہ اگر کسی مسلمان فاتح نے غیر مسلموں کے کسی معبد کو نقصان پہنچایا تو اس کی دو میں سے ایک نہ ایک وجہ ضرور تھی۔ یا تو وہ اسلامی احکام سے بے خبر ہوگا یا اس معبد کو کوئی ایسی خاص سیاسی اہمیت حاصل ہوگی کہ دشمن کی مقہوری و مغلوبیت اس معبد کے انہدام پر موقوف ہوگی۔ ترک، افغان اور مغل ناظمین چونکہ پیروانِ اسلام تھے، اس بنا پر حقیقت ناشناس لوگ ان کی سیاسی اور جنگی کارروائیوں کو اسلام اور اہلِ اسلام کے سر تھوپتے ہیں۔ حالانکہ ان حملہ آوروں کو جنھوں نے درۂ خیبر کی راہ سے متحدہ ہندوستان آ کر فتح و ظفر کے پھریرے اڑائے، احکامِ اسلامی سے بہت کم واقفیت تھی۔ ان لوگوں کو نہ تو اسلامی قوانینِ صلح اور آئینِ جنگ کا کوئی علم تھا اور نہ ان کے اصولِ سلطنت و جہانبانی

اسلام کے اُصولِ فرمانروائی سے کوئی مناسبت و مطابقت رکھتے تھے۔

ناواقفیت کی علّت

اس بے خبری کا باعث یہ تھا کہ یہ ترکستان یا تو خود تھوڑی ہی مدت پیشتر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے، یا ان نو مسلم قوموں سے تعلق رکھتے تھے جن میں اسلامی تعلیمات کا ہنوز بہت کم چرچا تھا۔ جن ایّام میں ترک فاتحین نے ہندوستان کی سرزمین میں قدم رکھا ہے، اس وقت تک ترک من حیث القوم اسلامی برادری میں داخل نہیں ہوئے تھے اور ان کی بہت بڑی اکثریت ہنوز غیر مسلموں پر مشتمل تھی۔ یہ غیر مسلم کثیر تعداد میں غلاموں کی حیثیت سے فروخت ہوتے رہتے تھے اور مسلم امراء و سلاطین ان کو خرید کر مسلمان بنا لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد ان کو اسلامی لشکر میں بھرتی کر کے تھوڑی مدت میں افسری کے درجہ تک ترقی دے دیتے تھے۔

ان غلاموں کو یہاں تک ترقی کے مواقع حاصل رہتے کہ ان میں سے بعض عروج بلکہ کرسیٔ بادشاہت پر سرفراز ہو جاتے رہے۔ چنانچہ غزنوی سلطنت کے بانی الپتگین، سبکتگین اور فرمانروایانِ دہلی میں سے سلطان شمس الدین التمش وغیرہ اوائل میں ایسے ہی ترکی غلام تھے جو تھوڑے دنوں سے مشرف باسلام ہوئے تھے۔ اس وجہ سے ان لوگوں کو اسلامی احکام و تعلیمات پر عبور نہ تھا۔

غزنوی سلطنت کی فوج

اسی طرح غزنوی سلطنت نے جس ملک (یعنی افغانستان) میں جنم لیا، وہ اس وقت اسلامی دنیا کا آخری کنارہ تھا جو اسلام کے نورِ ہدایت سے پوری طرح منور نہ ہو سکا تھا۔ سلطان محمود غزنوی کو لوگ عام طور پر افغان اور غزنی کا باشندہ گمان کرتے ہیں حالانکہ وہ ترکی نژاد تھے۔ سلطان محمود کی فوج ترکستان اور ماوراء النہر کے نو مسلم رضاکاروں پر مشتمل تھی جو مقامی باشندوں یعنی افغانوں سے خالی تھی۔ گو پہلے بھی انفرادی حیثیت سے اسلام قبول کرنے والے افراد افغانستان میں کہیں خال خال نظر آ جاتے تھے۔ تاہم افغانستان نے من حیث القوم محمود غزنوی کے عہدِ سلطنت میں اسلام لانا شروع کیا تھا۔ غوری قبائل اس وقت تک حلقہ بگوشِ اسلام نہیں ہوئے تھے اور قلمرو سے غزنی میں نہ کوئی اسلامی درسگاہ

تھی جہاں سے علم دین کی روشنی پھیلتی اور نہ علمائے راسخین میں سے کسی کے قدم وہاں پہنچے تھے کہ جن کے برکتِ انفاس سے لوگ فیض یاب ہوتے۔

چنگیز خاں اور ہلاکو خاں

اور مغل قوم بھی اس وقت تک نہ صرف کفر و شرک کی وادیوں میں بھٹک رہی تھی بلکہ یہ لوگ تمام دوسرے معاندینِ اسلام سے زیادہ اسلام اور پیروانِ اسلام کے دشمن تھے۔ مغلوں کا جدِ اعلیٰ ترکستان کا بادشاہ تومنا خان تھا۔ اس کی چوتھی پشت میں چنگیز خان ہوا جس نے ۶۱۸ھ میں مسلم فرمانروا محمد خوارزم شاہ کو مغلوب کر کے ایران، افغانستان، بخارا اور سمرقند پر قبضہ کر لیا تھا۔ ہلاکو خاں جس نے ۶۵۶ھ میں بغداد میں قتلِ عام کیا اور خلیفہ مستعصم باللہ کو جرعۂ شہادت پلا کر خلافتِ بغداد کا خاتمہ کر دیا اسی کا پوتا تھا۔

مغلوں کا قبولِ اسلام

ہلاکو کا ایک جانشین شاہ غازان خان ۶۹۴ھ میں مشرف باسلام ہوا۔ اکثر اوقات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی صحبت میں رہا کرتا تھا۔ ان ایام سے تاتاری مغل حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے یہاں تک کہ تھوڑی ہی مدت میں تومنا خان کی ساری اولاد دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئی۔ اور خدائے ناصر کی نصرت بخشی کا کمال دیکھو کہ وہی تاتاری مغل جو پہلے ہر وقت خانہ بر اندازیٔ چمنِ اسلام میں منہمک و سرشار تھے، اب دینِ حنیف کے سچے جان نثار بن گئے۔ امیر تیمور گورگانی جو ۷۳۶ھ میں پیدا ہوا تومنا خان کی نویں پشت میں تھا۔ دہلی کے مغل سلاطین ہمایوں، اکبر، جہانگیر وغیرہ اسی امیر تیمور کی اولاد تھے۔

الغرض کوئی ترک حکمران تھا یا افغان، مغل یا راجپوت، جس کسی نے بھی ہندوؤں یا بدھوں کے بُت توڑے یا کسی مندر یا شوالے کی بے حرمتی کی، اس نے اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ ہونے کے باعث ایسا کیا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ کسی مسلمان فاتح نے کسی خاص مجبوری کے بغیر محض مذہبی تعصب سے ایسا کیا ہو۔

لیکن لالہ پرتاب سنگھ لکھتے ہیں کہ مندروں میں جو لوگ رہتے اور پوجا پاٹ کرتے تھے، ملکی

سیاست کی باگ انہی کے ہاتھ میں تھی۔ کوئی راجہ مہاراجہ مندر کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا تھا تمام مذہبی اور دُنیوی امور مندر ہی کی کونسل کی تجویز سے حل ہوتے تھے۔ مندر کا خزانہ ملکی ضروریات (ملکی مصائب، قحط، وبا اور مصارفِ جنگ) میں کام آتا تھا۔ راجاؤں کا کام محض مندر کی قرار دادوں کو عملی جامہ پہنانا تھا۔ صدر مقام پر جو بڑا مندر ہوتا تھا وہ اس زمانہ کی سیاسی جدوجہد کے لیے مخصوص ہوتا تھا اور تمام سیاسی گتھیاں وہاں ہی سلجھائی جاتی تھیں۔ ان کا خزانہ صدقات و خیرات کا خزانہ نہ تھا بلکہ ملکی پیپد گیوں کا بیت المال تھا (واقعات ہند تلسی رام)۔

سومنات کا مندر

ظاہر ہے کہ کوئی فاتح ایسے خطرناک سازشی مراکز اور جنگی قوت کے معابد کو صحیح و سلامت نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ مسلم فرماں رواؤں نے جن معابد کو منہدم کیا وہ خالص معابد نہ تھے بلکہ سیاسی مرکز و محور تھے۔ سومنات کے انہدام کے متعلق حقیقت یہ ہے کہ یہ مندر نہ تھا بلکہ لنگ تھا۔ کوئی مورت نہ تھی بلکہ اس کی حیثیت مرکزی خزانہ کی تھی جو دولت سے لبریز تھا۔ جب سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان میں پیش قدمی کی تو تمام راجاؤں نے اپنی قوت کا مرکز سومنات ہی کو قرار دیا تھا (واقعات ہند تلسی رام)۔

سومنات وہ مندر تھا جس کے پُجاری اس کے زور اور قوت پر فخر کرتے تھے (تاریخ مالکم، فرامطہ اور ہندوؤں نے اپنی تمام قوت سومنات کو منتقل کر دی تھی اور سب وہیں جمع ہو گئے تھے۔ اس لیے سلطان محمود غزنوی نے وہاں کا رُخ کیا۔ یہ حقیقت قابلِ توجہ ہے کہ اگر سلطان محمود غزنوی یا عالمگیر اورنگ زیب مذہبی تعصب کی بنا پر کوئی کارروائی کرتے تو پشاور سے گجرات کاٹھیاواڑ تک ہزارہا مندر تھے ان میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ رہنے دیتے۔ لیکن انہوں نے اُنہی منادر کو ہاتھ لگایا جو سازشوں یا بے حیائیوں کے مرکز تھے۔ سلطان عالمگیر اورنگ زیب رحمہ اللہ قریباً چوتھائی صدی تک دکن میں مصروفِ جنگ رہے لیکن اس تمام دوران میں انہوں نے کسی ایک مندر کو بھی ہاتھ نہ لگایا۔ ہندو فاضل سسر شرما لکھتے ہیں کہ سلطان ٹیپو کے محل ہی کے پاس ایسے مندر موجود ہیں جنھیں شدید جنگوں میں بھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا بلکہ انہوں نے ہمیشہ مندروں کو دل کھول کر

امداد دی۔ تھانیسر کا بُت خانہ محض اس بنا پر منہدم کیا گیا کہ وہاں انسانی قربانی کا رواج تھا اور وہ سازشوں کا مرکز بھی تھا (گلستانِ ہند دفتر دوم) بلکہ ہندو مؤرخ سجان سنگھ نے اس کے توڑنے پر اظہارِ پسندیدگی کیا اور اس بُت خانہ کا مذاق اُڑایا ہے۔ (خلاصۃ التاریخ)۔

اِسلام نے ہرگز بُت شکنی کا حکم نہیں دیا

بہرحال اسلامی تعلیمات کا صحیح نمونہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا عمل ہے۔ پہلے تین خلفائے راشدین اور امیر معاویہ کی حکومتوں میں ہزاروں بلاد و امصار اسلامی عملداری میں داخل ہوگئے اور عساکرِ اسلامی نے شرق اور غرب کو پامال کیا لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ کسی غیر اسلامی عبادت گاہ کو بھی ٹھیس لگائی گئی ہو۔ پس سلطان محمود غزنوی یا سلاطینِ ہند میں سے کسی دوسرے نے بت شکنی کی یا کسی معبد کو نقصان پہنچایا تو اس نے اسلامی تعلیم کے تحت ایسا نہیں کیا بلکہ محض ذاتی رجحان سے یا کسی سیاسی مصلحت یا عسکری ضرورت کے تحت ایسا کیا ہوگا۔ ورنہ اسلام نے نہ تو بُت شکنی کی تعلیم دی ہے اور نہ اس کی ہمت افزائی کی ہے۔

بُت شکنی سے محمد بن قاسم کا اعراض

بالکل صحیح طریقِ عمل اور اسلامی شعار وہ تھا جس کا عملی نمونہ محمد بن قاسم فاتح سندھ نے پیش کیا۔ سندھ کے مشہور شہر اَلُور کی لڑائی میں سندھیوں نے اسلامی سپہ سالار کے سامنے حوالگیٔ شہر کی دو شرطیں پیش کی تھیں۔ اول یہ کہ کوئی سندھی قتل نہ کیا جائے۔ دوسرے ان کے بُت خانوں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے"۔ محمد بن قاسم نے دونوں شرطیں منظور کیں اور دوسری شرط کے متعلق حسب بیان بلاذری فرمایا:

ما البد الا ککنائس	ہندوستان کا بت خانہ بھی عیسائیوں اور
النصاریٰ والیهود و بیوت نیران	یہودیوں کی عبادت گاہوں اور مجوس کے
المجوس۔	آتش کدوں کی مانند ہے۔

اور محمد بن قاسم اور ان کے رفقاء ایسے زمانہ کے لوگ تھے جنہیں بعض صحابہ کا شرف دید حاصل ہو

ہوران میں بہت سے ایسے تھے جنھوں نے تابعین یعنی اصحاب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کا فیضِ صحبت پایا تھا۔ اسی بنا پر محمد بن قاسم کا اُصُولِ حکومت اور آئینِ صلح وجنگ درۂ خیبر کی راہ سے ہندوستان پر ترکتاز کرنے والے ترک، افغان اور مغل فاتحین کے طریق عمل سے بالکل مختلف یعنی شریعت کے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔

ملتان کا بُت خانہ

رواداری کی اسی سنت جاریہ کے تحت فتح ملتان کے بعد وہاں کا عظیم الشان بُت خانہ بھی بالکل صحیح وسلامت رہنے دیا گیا۔ سومنات اور تھانیسر کے بُت خانوں کی مرکزیت سے پہلے ملتان کا بُت خانہ متحدہ ہندوستان کا مرکزی معبد تھا۔ ہندو سیکڑوں کوس سے چل کر اس کی جاترا کو آتے تھے۔ حسب بیان امام ابن جوزی جاترا کی شرط یہ تھی کہ ہر جاتری حسب استطاعت سو روپیہ سے دس ہزار روپیہ تک نذر چڑھاتا اور جو کوئی اتنا نذرانہ نہیں لاتا تھا اس کی جاترا قبول نہیں ہوتی تھی۔ راجے مہاراجے سیکڑوں ہزاروں روپے کا عُود وہاں جلانے کو بھیجتے تھے جن کو پُجاری عرب تاجروں کے ہاتھ بیچ ڈالتے تھے۔ سندھ کے سارے سہ صد سالہ عربی دَورِ حکومت میں یہ بُت خانہ علیٰ حالہٖ قائم رہا۔

شارع علیہ السلام کے فرمانِ بُت شکنی کا مقصد

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہؓ کرام کو بھیج بھیج کر عرب کے تمام مشہور بُت خانے کیوں منہدم کرائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عرب میں کوئی بُت خانہ ایسے وقت میں نہیں توڑا گیا جب کہ بُتوں کے پُوجنے والے موجود ہوں۔ جب کوئی قوم دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتی تھی تو مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد اس قوم کے معبود بُت کو منہدم کرا دیتے تھے کیونکہ لوگوں کے قبولِ اسلام کے بعد بُتوں کے حفظ وبقا کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی تھی۔ لوگوں کے داخلۂ اسلام کے بعد ان کے سابقہ معبود کی بحالی ایسا ہی عبث فعل تھا جیسے مثلاً کسی ملک کی حکومت شراب خواری کی ممانعت کر دے لیکن شراب خانوں کو بند نہ کرے۔

باب ۱۷ ہفدہم

قبیلۂ بنو تمیم پر احسان

عہدِ نبوت کے اواخر میں مالِ زکوٰۃ نہایت منظم طریق پر جمع ہو کر فقراء و مساکین اور دوسرے مستحقین میں تقسیم ہوتا تھا۔ حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۹ھ کے شروع میں اپنے عامل زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے قبائل اسلامیہ میں روانہ فرمائے۔ ان میں سے بشیر بن ابوسفیان قبیلہ بنو کعب کے پاس بھیجے گئے۔

بنو تمیم کا مالِ زکوٰۃ چھین لینا

ان ایام میں ایک غیر مسلم قبیلہ بنو تمیم بھی چشمۂ ذات الرقاع میں ان کے قریب مقیم تھا۔ بنو کعب نے حساب کے بموجب زکوٰۃ کے مویشی الگ کر کے بشیر بن ابوسفیان رضؓ کے حوالے کر دیے۔ بنو تمیم ان سے کہنے لگے تم اپنا مال ناحق کیوں برباد کرتے ہو؟ بنو کعب نے جواب دیا ہم مسلمان ہیں اور اسلام نے غرباؤ مساکین کی امداد اور دوسری ملی ضروریات کے لیے ہر صاحب نصاب پر ہر سال مال کا چالیسواں حصہ ادا کرنا ضروری قرار دیا ہے۔! جب حضرت بشیر رضؓ زکوٰۃ کے مال مویشی لے کر مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے تو بنو تمیم نے مالِ زکوٰۃ چھین لینے کا قصد کیا۔ بنو کعب مزاحم ہوئے لیکن بنو تمیم زیادہ قوی تھے ان کی پیش نہ گئی۔

بنو تمیم کی سرکوبی

بشیر رضؓ جان بچا کر مدینہ منورہ پہنچے اور پیش گاہ نبویؐ میں عرض کیا کہ

بنو تمیم نے تمام مالِ زکوٰۃ چھین لیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عُیَینہ بن حُصَین فزاری رضی اللہ عنہ کو سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ ان کی گوشمالی کے لیے روانہ فرمایا۔ بنو تمیم پر ایسا رُعب چھایا کہ مقابلہ کیے بغیر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمان بنو تمیم کے گیارہ مرد، گیارہ عورتیں اور تیس لڑکے گرفتار کر لائے۔ یہ سب قیدی رملہ بنت حارث کے گھر میں رکھے گئے۔

بنو تمیم کا وفد مدینۃ الرسولؐ میں

چند روز کے بعد بنو تمیم کا ایک وفد جلالانہ ٹھاٹھ کے ساتھ مدینۃ الرسولؐ آیا۔ اس سفارت میں یہ رؤساء شامل تھے: اقرع بن حابس، زبرقان بن بدر، عمرو بن اہتم، قیس بن عاصم، نعیم بن یزید، عطارد بن حاجب۔

رؤساے عرب کی طرح بنو تمیم کے عمائد کو بھی عالی نسبی کا بڑا غرور اور مال و دولت کا بڑا نشہ تھا۔ اس لیے یہ وفد تعلّی اور فخاری کے لیے آتش بیان خطیب اور سحر بیان شعراء بھی ساتھ لایا۔ گرمی کا موسم اور دوپہر کا وقت تھا اور آپ حریمِ قدس میں تشریف لے جا چکے تھے۔ ارکانِ وفد نے آپ کی تشریف آوری کا انتظار نہ کیا اور کاشانۂ نبوی پر پہنچ کر سخت بدتمیزی کے ساتھ پکارنے لگے "محمدؐ! باہر آؤ"۔ آپ آستانِ اقدس سے باہر تشریف لے آئے۔

مجلس مفاخرت قائم کرنے کی خواہش

بجائے اس کے کہ بنو تمیم اپنے جرم کی معافی مانگ کر اپنے قیدیوں کی رہائی کی درخواست کرتے الٹا غرور و نخوت کا شیوہ اختیار کیا اور کہنے لگے "ہم وہ لوگ ہیں کہ ہماری ستائش آرائش اور ہجو عیب ہے"۔

آپ نے فرمایا کہ یہ صفت تو ذاتِ ربّ العالمین کی ہے۔ ایسی باتوں کو چھوڑ دو اور اپنا مدعا بیان کرو۔ بولے "ہم لوگ فخاری کے لیے آئے ہیں۔ ہمارے ساتھ چل کر مجلس مفاخرت قائم کرو تاکہ ہمارے شعراء و بلغاء اپنی طلاقتِ لسانی اور سحر بیانی کے جوہر دکھائیں"۔

آپ نے فرمایا میں شعر بازی اور فخاری کے لیے مبعوث نہیں ہوا۔ یہ لوگ پھر بھی تعلّی سے باز نہ آئے اور کہنے لگے "ہماری خواہش ہے کہ ہم اور آپ باہم مفاخرت کریں اور ایک دوسرے پر اپنی برتری جتلائیں"۔ آپ نے فرمایا میں شاعر بنا کر نہیں بھیجا گیا اور نہ مجھے تفاخر و مباہات کی اجازت

ہے۔" وہ لوگ پھر بھی اپنی ہٹ سے باز نہ آئے۔ آخر آپ نے ان کے اصرار پر مناسب خیال فرمایا کہ ان کا گھمنڈ توڑ دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے اس کی اجازت دی۔

تمیمی خطیب کی تقریر اور حضرت ثابتؓ کی طرف سے اس کا جواب

اب بنو تمیم کے خطیب عطارد بن حاجب نے کھڑے ہو کر نہایت کبر و غرور کے ساتھ بنو تمیم کے تموّل، ثروت، اثر و اقتدار، عالی نسبی، مہمان نوازی اور فرزانگی کا نغمہ چھیڑ دیا۔ جب عطارد اپنی تقریر ختم کر چکے تو مسلمانوں کی طرف سے حضرت ثابت بن قیس انصاریؓ پیشوائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ پا کر جواب کے لیے کھڑے ہوئے لیکن یہ جواب تو عالی نسبی کی فخاری تھا اور نہ مال و دولت کا غرور۔ نہ آباؤ اجداد کی بڑائی تھی اور نہ شجاعت و بامردی کی مدح سرائی بلکہ باری تعالیٰ کی حمد و ثنا، سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، اسلام کی دعوت، قریش کی مخالفت، مہاجرین کے ثبات و استقلال اور انصار کی عون و نصرت اور خدمت گزاری کا تذکرہ تھا۔ حضرت ثابتؓ کا خطبہ ایسا فصیح و بلیغ تھا کہ بنو تمیم کے اکابر اور ان کے خطباء و شعراء ان کی فصاحت و بلاغت اور خوبی تقریر پر انگشت بدنداں رہ گئے۔

تمیمی شاعر کی نظم اور حضرت حسانؓ کی طرف سے اس کا منظوم جواب

حضرت ثابتؓ بیٹھ گئے تو بنو تمیم کے ایک ممتاز رکن زبرقان بن بدر اُٹھے اور اسی جاہلانہ اور غرور آمیز انداز میں بنو تمیم کی عظمت و برتری کے موضوع پر ایک نظم پڑھی۔ اس کے مقابلہ میں دربارِ رسالت کے ملک الشعراء حضرت حسّان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو جواب کا حکم ہوا۔ انھوں نے فی البدیہہ ایک نظم آبدار سنائی جس میں حمد باری تعالیٰ اور نعت سیدِ ابرار علیہ التحیۃ والسلام کے بعد اسلام کی خوبیاں اور مہاجرینؓ و انصار کے فضائل مذکور تھے۔ ارکانِ بنو تمیم حضرت حسانؓ کی فصاحت و بلاغت اور شاعرانہ عظمت کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

اب بنو تمیم کے شاعر اقرع بن حابس نے کھڑے ہو کر ایک پُر زور قصیدہ جو تمامتر نخوت،

تعلّی، فخاری اور خود ستائی پر مشتمل تھا، سنایا۔ اس کے جواب میں پھر طوطیٔ اسلام حضرت حسّان ؓ کھڑے ہوئے اور اپنی قادر الکلامی کے وہ وہ جوہر دکھائے کہ بنو تمیم کو بھی مسلمان خطیب اور شاعر کی فوقیت اور برتری کی داد دیے بغیر چارہ نہ رہا۔ خود اقرع بن حابس حضرت حسّان ؓ کی دوسری فی البدیہہ نظم کے ختم ہوتے ہی بولے واللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خطیب اور شاعر ہمارے خطیبوں اور شاعروں سے کہیں فائق ہیں۔"

غرض ان تبلیغی جوابات کا یہ اثر ہوا کہ تمام ارکان وفد سلکِ اسلام میں منسلک ہو گئے، اور شفیقِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا قصور معاف کر کے ان کے قیدی واپس کر دیے (اُسد الغابہ، طبقات ابن سعد)۔

ایک لمحۂ فکریّہ

حضرات! آپ نے صفحاتِ گذشتہ میں اس سلوک کا مطالعہ کیا جو پیغمبر عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دشمنوں سے کیا۔ اور ان برائے نام جانی نقصانات کا بھی اندازہ لگایا جو پورے عرب کو زیرِ نگیں کرنے میں جانبین کو برداشت کرنے پڑے۔ ان برائے نام نقصاناتِ جان سے بھی صرف ان لوگوں کو سابقہ پڑا تھا جنھوں نے حرب و قتال میں عملی حصّہ لیا۔ عام غیر مصافی رعایا پر ایسے ہرگز کبھی تعرض نہ کیا گیا۔

اس کے مقابلہ میں مغرب کے مدّعیان تہذیب کا طریقِ عمل ملاحظہ ہو۔ یورپ اور امریکہ کی نام نہاد مہذب قومیں جب رزم و پیکار کا سلسلہ شروع کرتی ہیں تو اندھا دھند بے گناہ نہتی رعایا کی جان لینے سے بھی دریغ نہیں کرتیں حالانکہ اُصولِ انصاف کے رُو سے صرف اُن لوگوں کے درپئے ہلاک ہونا چاہیے جو لڑائی میں عملی حصّہ لیں۔ اس وقت صفحۂ ہستی پر سب سے زیادہ مہذب اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم امریکی گمان کی گئی ہے۔ امریکہ نے دوسری عالمگیر جنگ میں دو جاپانی شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر وہاں کی بے گناہ رعایا کو جس طرح تباہ

کیا اس کی دردناک تفصیل آپ کو ذیل کی ہولناک خبر سے معلوم ہوگی:

سان فرانسسکو، ۵ر جولائی سنہ ۱۹۴۶ء۔ امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن نے اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ جاپان میں دو ایٹم بموں سے جو ہیروشیما اور ناگاساکی پر گرے تھے تین لاکھ بیس ہزار انسانی جانوں کو نقصان پہنچا۔ ہیروشیما میں ۸۰ ہزار آدمی مارے گئے اور چالیس ہزار مجروح ہوئے۔ ناگاساکی میں چالیس ہزار ہلاک اور ۲۵ ہزار مجروح ہوئے۔ ہیروشیما میں ۸۵ ہزار اور ناگاساکی میں ۳۵ ہزار انسان فوری طبی امداد کے محتاج ہوگئے۔

اور برطانوی مشن کا بیان ہے کہ ہیروشیما میں ۷۸۱۵۰ آدمی مارے گئے اور ۱۳۸۹۳ مفقود الخبر ہیں۔ ناگاساکی کے متعلق کوئی اعداد و شمار شائع نہیں ہوئے۔ (اسٹیٹسمین مؤرخہ ۸ر جولائی سنہ ۱۹۴۶ء)۔

تکملہ

گزشتہ سترہ ابواب میں وہ سلوک دکھایا گیا ہے جو اُمتِ مرحومہ کے سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمنوں سے کیا۔ لیکن یہ موضوع بحث اس وقت تک تشنۂ تکمیل رہے گا جب تک یہ بھی نہ دکھایا جائے کہ اغیار کے ساتھ داعیٔ اسلام علیہ التحیۃ والسلام کے برتاؤ کی کیا نوعیت تھی اور آپ نے اپنی اُمت کو غیر مسلموں سے کیسا برتاؤ برتنے کا حکم دیا۔ یہ تکملہ اِن شاء اللہ العزیز دس فصلوں میں حوالۂ قرطاس ہوگا۔ وباللہ التوفیق۔

فصل ۱

غیر مسلموں کے حق میں دُنیا کے محسنِ اعظم کی رواداری

غیر مسلموں سے آشتی ومحبت کا برتاؤ

ہمدردِ بنی نوعِ انسان حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیروں کے ساتھ جس مسالمت ورواداری کا برتاؤ برتا اس کی نظیر جریدۂ عالم میں بالکل ناپید ہے۔ قطع نظر اس سے کہ آپ کو فطرۃً خویش وبیگانہ سب سے اُنس تھا آپ منجانب اللہ اس بات کے مامور تھے کہ غیروں کی طرف بھی محبت اور دوستی کا ہاتھ بڑھائیں خواہ کیسے ہی شدید العداوت کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (اگر اعداء صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی صلح پر مائل ہو جائیے)۔

آپ نے اس کوشش میں کہ واجب القتل اعداء زیادہ سے زیادہ تعداد میں بری کیے جائیں حکم دے رکھا تھا کہ ہر ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی غیر مسلم مجرم کو پناہ دے سکتا ہے اور وہ سفارش کرنے کا مجاز ہے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ اگر کوئی عورت بھی کسی مشرک کو امان دیا کرتی تو وہ امان درست ہوا کرتی تھی (ابو داؤد)۔ یعنی ہر مسلمان پر اس امان کا احترام لازم ہوتا تھا۔

چھوت چھات کی ناگواری

آپ غیر مسلموں کے ہدیے قبول فرماتے اور ان کی طرف ہدایا بھیجا کرتے تھے۔ ایلہ کے حاکم نے آپ کو ایک سفید خچر ہدیۃً بھیجا تو آپ نے اس کے لیے ایک چادر بھجوائی اور شہر کی حکومت اس کو لکھ دی (بخاری) حجاز اور شام کے مابین دُومہ نام ایک شہر ہے۔ وہاں کے عیسائی حاکم نے جس کا نام دُومہ تھا آپ کے پاس سندس (نہایت باریک اور بیش قیمت دیبا) کا ایک جُبہ ہدیۃً بھیجا۔ یہ جُبّہ ایسا نرم اور خوشنما تھا کہ تمام لوگ اس کی نفاست و پاکیزگی پر اُش اُش کرتے تھے (بخاری)۔

ہندو قوم ہر وقت مقاطعہ اور چھوت چھات کے ہتھیاروں سے مسلح رہتی ہے لیکن نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم ٹوٹے دلوں کو جوڑنے اور رابطۂ محبت و ارتباط استوار کرنے کے لیے دنیا میں تشریف لائے تھے۔ آپ نے اپنے پیروؤں کے لیے اس قسم کی تنگ خیالی اور بنی نوع کی تحقیر قطعاً گوارا نہ فرمائی۔ چنانچہ جس طرح خود آپ نے خیبر میں ایک یہودی عورت کے گھر کا کھانا کھایا اسی طرح آپ نے اپنے پیروؤں کو بھی غیر مسلموں کے ہاتھ کی چیز کھانے کی اجازت دی بشرطیکہ اس غذا کا کھانا شرعاً ممنوع نہ ہو۔ چونکہ چھوت چھات کا جذبہ سراسر اشرف المخلوق انسان کی تذلیل اور اس سے نفرت اور انقطاع کو مستلزم ہے اسلام اس قسم کی عدم رواداری کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

غیر مسلم اقرباء سے حسن سلوک

حضرت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خویش و اقارب کے ساتھ جو مربیانہ سلوک کیے ان کی نظیر کبھی تاریخ عالم میں بمشکل مل سکے گی۔ لیکن یہ شفقتیں اور نوازشیں صرف مسلمان اور اقرباء کے ساتھ مخصوص نہ تھیں بلکہ

غیر مسلم رشتہ داروں کے حال پر بھی یکساں ہمدردی تھی۔ جنگ بدر میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب اور آپ کے چچازاد بھائی نوفل بن حارث اور حضرت علی مرتضیٰ کے حقیقی بھائی عقیل بن ابو طالب جو عمر میں حضرت علی سے بیس برس بڑے تھے قریش مکہ کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے آئے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے تھے۔ اس وقت تک تینوں میں سے کسی نے اسلام کا طوقِ غلامی زیبِ گلو نہیں کیا تھا۔

جنگ بدر کے اختتام پر آپ نے حضرت علی مرتضیٰ سے فرمایا کہ جاکر دیکھو کہ ہمارے گھرانے (بنو ہاشم) کے کون کون آدمی گرفتار ہوئے ہیں؟ جناب علی مرتضیٰ نے جاکر دیکھ بھال کی اور آکر گذارش کی کہ چچا عباس، بھائی عقیل اور نوفل بن حارث اسیروں میں داخل ہیں۔ یہ سُن کر آپ تینوں قیدیوں سے ملنے کو تشریف لے گئے اور حضرت عقیل کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا "ابوجہل مارا گیا ہے"۔ عقیل بولے "اب تہامہ میں مسلمانوں کا کوئی مزاحم نہیں رہا"۔ حضرت عقیل بالکل تہی دست تھے۔ اس لیے ان کے چچا حضرت عباس نے اپنی گرہ سے ان کا فدیہ ادا کر کے ان کو آزاد کرایا۔ (طبقات ابن سعد)۔

غیر مسلمہ رضاعی ہمشیرہ پر شفقت

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایامِ رضاعت میں حلیمہ سعدیہ کا دُودھ پیتے رہے تھے جو قبیلۂ ہوازن میں سے تھیں۔ ان کی بیٹی شیماء آپ کو آپ کے بچپن میں گود میں کھلاتی رہی تھیں۔ اور اسلام نے جس طرح نسبی قرابت کے حقوق مقرر کیے ہیں ویسے ہی رضاعت کے قرار دیے ہیں۔ حلیمہ سعدیہ جنگ حُنین سے پہلے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ چکی تھیں البتہ شیماء زندہ تھیں۔ اور قبیلۂ ہوازن نے ایک بڑی فاحش غلطی یہ کی تھی کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لشکرکشی کی تو اپنے اہل وعیال اور مال مویشی کو بھی ساتھ لے آئے تھے۔ شیماء بھی غزوۂ حنین کے اسیرانِ جنگ میں داخل تھیں۔ جب مسلمانوں نے ان کو گرفتار کیا تو کہنے لگیں کہ میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں۔ صحابہ کرام ان کو تصدیق کے لیے آپ کے پاس لے آئے۔ ان کو دیکھ کر فرطِ محبت سے آپ کی آنکھوں میں

آنسو بھر آئے۔ ان کے بیٹھنے کے لیے خود اپنی ردائے مبارک بچھائی۔ دیر تک محبت آمیز گفتگو کرتے رہے اور چند اونٹ اور بکریاں عنایت فرمائیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جی چاہے تو مدینہ چل کر رہو اور چاہو تو تمہیں تمہارے گھر پہنچا دیا جائے۔ انہوں نے وطن جانا چاہا، چنانچہ نہایت عزت و احترام کے ساتھ گھر پہنچا دی گئیں (ابن سعد و ابن جریر طبری)۔

غیر مسلمہ ماں کی امداد کرنے کا فرمان

عہدِ جاہلیت میں حضرت ابوبکر صدیق رض کی دو بیویاں تھیں۔ ایک قتلہ بنت عبدالعزیٰ مادرِ عبداللہ و حضرت اسماء ذات النطاقین رض دوسری ام رومان رض بنت عامر والدہ عبدالرحمٰن و ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ ان میں سے موخر الذکر ایمان لائیں اور ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئیں۔ حضرت اسماء رض کا بیان ہے کہ جن ایام میں حدیبیہ کے مقام پر قریش سے معاہدہ ہوا ان دنوں میری والدہ مکہ معظمہ سے میرے پاس مدینہ منورہ آئیں اور مجھ سے مالی امداد طلب کی۔ میں نے آستانۂ نبوت میں حاضر ہوکر التماس کی یا رسول اللہ! میری والدہ مکہ سے آئی ہیں اور ایسی حالت میں کہ اسلام سے بیزار ہیں مجھ سے مدد مانگتی ہیں۔ کیا مجھے کچھ اعانت کرنی چاہیے یا نہیں؟ فرمایا ہاں ضرور امداد کرو (بخاری و مسلم)۔

غیر مسلم اقرباء کو صحابہ رض و اہل بیت کی امداد

چونکہ آپ اپنے غیر مسلم اقارب کے ساتھ نہایت فیاضانہ سلوک کرتے تھے اس لیے آپ کے صحابہ و اہل بیت بھی آپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ان کی طرف دستِ اعانت دراز کرنے کے عادی تھے۔ ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم رض کو ایک ریشمیں جوڑہ عطا فرمایا تو انہوں نے اس کو اپنے ایک غیر مسلم بھائی کے پاس جو مکہ معظمہ میں تھا بھیج دیا (ابوداؤد)۔ ام المومنین صفیہ رض ایک یہودی سردار حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ انہوں نے اپنے ایک یہودی رشتہ دار کے لیے ایک جائداد وقف کی تھی (مسند دارمی)۔

دربارِ خلافت میں ام المومنین رض کی خفگی

ایک مرتبہ ایک لونڈی نے امیر المومنین حضرت عمر

فاروق رضؓ سے جا کر یہ بات لگائی کہ اُمّ المومنین صفیہ رضؓ سبت (ہفتہ کے دن) کا احترام کرتی ہیں اور یہود پر بڑی شفقتیں فرماتی اور انہیں عطیات سے نوازتی ہیں"۔ حضرت فاروق اعظم رضؓ نے اُمّ المومنین رضؓ سے دریافت کرایا کہ آپ کی لونڈی نے یہ شکوہ کیا ہے۔

اُمّ المومنین صفیہ رضؓ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ جب سے حق تعالیٰ نے مجھے نعمت ایمان سے سرفراز فرمایا اور جمعہ کا دن عطا کیا میں نے سبت سے کبھی محبت نہیں کی۔ رہے یہود، ان سے میری قرابت ہے۔ اور گو وہ غیر مسلم ہیں مگر صلۂ رحمی کے خیال سے ان کو خوب دیتی ہوں"۔

اس کے بعد اُمّ المومنین رضؓ نے لونڈی سے دریافت کیا کہ اس شکایت کا منشا کیا تھا؟ لونڈی نے کہا مجھے شیطان نے ورغلایا تھا۔ اُمّ المومنین رضؓ کہنے لگیں جا میں نے فی سبیل اللہ تجھے آزاد کیا۔ (استیعاب)۔

کتابیہ سے شادی کرنے کی اجازت

داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی رواداری ملاحظہ ہو کہ آپ نے بحکم رب جلیل اپنے پیروں کو کتابیہ یعنی یہودی اور نصرانی عورت سے شادی کرنے کی اجازت دی۔ اور مسلمان شوہر پر کتابیہ بیوی کے یہ حقوق رکھے کہ اسے اپنے عقاید پر قائم رہنے کی اجازت دے اور فرائض عبادت بجالانے کے لیے اپنے معبد میں جانے کی پوری آزادی عطا کرے حالانکہ عورت مرد کے بدن کا ایک جزء، اس کے بچوں کی ماں، تنہائی اور سفر و حضر میں اس کی رفیقہ، اس کے گھر کی ملکہ اور کنبہ پر حکومت کرنے میں اس کی شریک ہے۔ اسلام نے مسلمہ اور کتابیہ بیوی کے حقوق میں کوئی امتیازی درجہ قائم نہیں کیا۔ نہ کتابیہ بیوی کو اختلاف عقاید کی بنا پر شوہر کی رفاقت سے الگ کیا گیا بلکہ جس طرح ایک مسلمان بیوی اپنے مسلمان شوہر کے لیے دل آرام اور قلب کی ٹھنڈک ہے اسی طرح کتابیہ عورت بھی اس کی محبوبہ و راحت جاناں ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ	اور خدائے برتر کی نشانیوں میں ایک نشان یہ ہے
اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا	کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس کی بیویاں

إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۔ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝
(۳۱ : ۲۱)

بنائیں تاکہ تم ان کے پاس آرام و تسکین پاؤ اور تم میاں بیوی میں محبت و ہمدردی کا جذبہ پیدا کیا۔ بیشک اس میں ان لوگوں کے لیے عبرت سبق ہیں جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔

پس ظاہر ہے کہ یہودی اور نصرانی بیوی بھی مرد کی محبت اور مہربانی کا ویسا ہی حصہ پائے گی جو مسلمہ کو ملتا ہے اور جس طرح مسلمان شوہر مسلمہ بیوی کی ذات سے آرام پاتا ہے اسی طرح کتابیہ بیوی بھی اس کے لیے موجب راحت ہوگی۔ پھر اس کے ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس شادی سے میاں بیوی کے اقرباء میں بھی دوستانہ مراسم اور اُلفت و ہمدردی کے روابط استوار ہوں گے جو انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ اس مناکحت سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ اپنے ننھیال کی نظروں میں عزیز ہوگی اور اس کے ذریعہ سے خاندانوں میں تعلّقات قریبہ پیدا ہوں گے۔ غرض اسلام نے مسلمان اور غیر مسلم اہل کتاب میں محبّت و یگانگت بڑھانے کا یہ ایسا آسان ذریعہ قرار دیا ہے جو اس سے پہلے یا پچھلے کسی دین و ملت میں نہیں پایا جاتا یہاں تک کہ دنیا کے دونوں سابق آسمانی مذاہب یعنی یہودیت و نصرانیت بھی اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

غیر کتابیہ عورت یا غیر مسلم مرد سے امتناع نکاح کی حکمت

یہاں یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ جب مسلمان مرد کو کتابیہ سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور اس کا مدعا یہ قرار دیا گیا ہے کہ نوع بشر میں اتحاد و یگانگت قائم ہو تو اس کی کیا وجہ ہے کہ مسلمان کو غیر کتابیہ عورت سے اور مسلمہ کو کتابی یا غیر کتابی مرد سے شادی کرنے کی اجازت نہ دی گئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اہل اسلام اور اہل کتاب بنیادی عقاید مثلاً انبیاء، ملائکہ، وحی و رسالت، آسمانی کتب و صحائف، قیامت، جنت و دوزخ وغیرہ مسائل میں باہم متحد العقیدہ ہیں اور دوسرے غیر مسلم (ہندو، سکھ، بدھ، پارسی وغیرہم) ان عقاید کو تسلیم نہیں کرتے۔

چونکہ اہلِ کتاب بنیادی عقاید و خیالات میں مسلمانوں سے متفق تھے اور کتابیہ سے نباہ ہو جانے کا قرینہ غالب تھا اس لیے مسلمان کو کتابیہ سے ازدواجی تعلقات قائم کرنے کی اجازت دی گئی لیکن ہنود وغیرہ سے تمام بنیادی عقاید میں اختلاف ہونے کے باعث غیر کتابی مرد یا عورت سے نباہ کی بمشکل امید کی جا سکتی تھی اس لیے مسلمان مرد یا عورت کو ان سے شادی کرنے کی اجازت نہ دی گئی۔

اور مسلمہ کو کتابی مرد سے نکاح کرنے کی اس لیے ممانعت کی گئی کہ مرد عورتوں کی نسبت زیادہ قوی ہوتے ہیں اور ان پر حکمران رہتے ہیں۔ پس یہ امر کسی طرح قرین عدل اور مقتضائے حکمت نہ تھا کہ ایک قوی فرد کو جو اپنے دینی احکام کے رو سے مخالف عقیدہ بیوی کو غلط کار سمجھنے پر مجبور ہے کمزور فرد (مسلمان بیوی) پر مسلط کر کے اس کی زندگی تلخ کر دی جائے۔ ہاں اسلام نے یہ امر مسلمان کے لیے مباح کر دیا جو شریعتِ اسلامیہ کی طرف سے عدل اور مہربانی کے اصول پر سختی سے عمل پیرا ہونے کا مامور ہے اور ان کی پابندی بھی کرتا ہے۔

حضرات! آپ نے اسلام کی یہ رواداری دیکھی کہ وہ ایک ایسی عیسائی عورت کو رفیقۂ حیات بنانے اور مدت العمر اس کے ساتھ الفت و محبت کے تعلقات قائم رکھنے کی اجازت دیتا ہے جو ایک خالق یکتا کی جگہ تین خدا مانتی ہے۔ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی مورتوں کے سامنے سجدہ ریز ہے اور سید الاولین والآخرین خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا رسول نہیں مانتی۔

اہل کتاب کا ذبیحہ کھانے کی اجازت

اسلام کی ایک رواداری یہ ہے کہ اس نے اپنے پیروؤں کو یہود و نصاریٰ کے ذبح کیے ہوئے حلال جانور کھانے کی اجازت دی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ۔ (اہل کتاب کا طعام تمہارے لیے حلال ہے۔ ۵ : ۵)۔ طعام میں حلال ذبائح اور تمام دوسری حلال چیزیں داخل ہیں۔ بخاری میں ابن عباس رض سے مروی ہے کہ طعام سے ذبائح مراد ہیں کیونکہ دوسری حلال چیزوں

کے بارہ میں کوئی اختلاف نہیں۔

معلوم ہو کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صابئی بھی اہل کتاب کے حکم میں ہیں۔ لیکن امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ صابئی دو قسم کے ہیں۔ ایک تو زبور پڑھتے اور ملائکہ کی پرستش کرتے ہیں، اور دوسرے وہ ہیں جو کوئی کتاب نہیں پڑھتے۔ مؤخر الذکر اہل کتاب میں داخل نہیں۔ مجوس سے اہل کتاب کی طرح جزیہ تو لیا جاتا ہے لیکن ان کا ذبیحہ نہیں کھایا جاتا اور نہ ان کی عورتوں سے مسلمان کا نکاح جائز ہے۔

اور اگر یہودی و نصرانی ذبیحہ پر غیر اللہ مثلاً حضرت عزیر یا عیسیٰ علیہما السلام کا نام لیں، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ حلال نہیں۔ لیکن اکثر اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ وہ حلال ہے اور یہی شعبیؒ اور عطاءؒ کا قول ہے۔ یہ دونوں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ ذبیحہ پر کیا پڑھتے ہیں تاہم اس ذاتِ برتر نے ان کے ذبیحے حلال قرار دیے۔ اور امام حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اگر یہودی یا نصرانی نے تمہاری موجودگی میں ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا تو ہرگز مت کھاؤ، اور اگر اس نے جانور تمہاری غیبت میں ذبح کیا تو کھا سکتے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حلال قرار دیا ہے (روح المعانی)۔

ایک غیر مسلم کی احسان فراموشی اور محسن کشی

حضرت سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا و بخشش کا یہ عالم تھا کہ کسی سوال و درخواست کے وقت لا (نہیں) کا لفظ آپ کی زبان سے مدت العمر کبھی نہ نکلا۔ مسلم ہو یا غیر مسلم ہر ایک کے لیے آپ کا خوانِ کرم ہر وقت بچھا ہوا تھا۔ آج تک کوئی ایسا واقعہ راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزرا جس میں آپ نے مسلمان تو کجا کسی غیر مسلم کی درخواست ہی مسترد فرمائی ہو۔ باوجودیکہ برگشتہ بخت غیر مسلم آپ کے احسان کا بدلہ عموماً برائی سے دیتے تھے تاہم آپ کی فیض رسانی میں کبھی کوئی انحطاط رونما نہ ہوا۔ حدیث اور تاریخ میں اس قسم کے واقعات بکثرت دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ لکھا جاتا ہے:

سنہ ۶ھ میں عُیَینہ بن حصن نام ایک غیر مسلم نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اسے مدینہ کی چراگاہ میں اُونٹ چرانے کی اجازت دی جائے۔ آپ نے بخوشی اجازت دی۔ وہ برابر ایک سال تک اپنے اُونٹ بلا معاوضہ وبلا محصُول چراتا رہا۔ آخر اس احسان کا معاوضہ اس صورت میں دیا کہ بنو غطفان کے سواروں کی ایک زبردست جمعیت کے ساتھ آکر پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں پر چھاپہ مارا اور ابن ابی ذر نام مسلمان چرواہے کو شربتِ شہادت پلا کر تمام اونٹ ہانک لے گیا۔ پیغمبر علیہ السلام کے اونٹوں سے سرکاری یا بیت المال کے اونٹ مراد ہیں۔

حضرت سلمہ بن اکوع صحابیؓ طلوعِ فجر سے پیشتر شہر سے باہر نکلے تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے غلام نے ان کو بتایا کہ پیغمبر علیہ السلام کے اُونٹ لُٹ گئے ہیں اور چرواہا قتل کر دیا گیا ہے۔ پُوچھا کس نے لُوٹے؟ کہا عُیَینہ بن حصن اور بنو غطفان کے دوسرے سواروں نے۔ یہ سُن کر حضرت سلمہؓ نے الفزع الفزع (خطرہ خطرہ) کہہ کر پکارنا شروع کیا۔ پھر زور سے آواز دی کہ اے اللہ کے گروہ! سوار ہو جاؤ۔ ان کی آواز مدینے کے اس سرے سے اس سرے تک گونج گئی اور وہ خود تن تنہا پیدل ہی ڈاکوؤں کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔

عُیَینہ بن حصن اور اس کے ساتھی پانی کی تلاش میں تھے کہ حضرت سلمہؓ پہنچ گئے۔ یہ بڑے قادر انداز تھے۔ تاک تاک کر تیر برسانے شروع کر دیے۔ تیر باری کرتے وقت یہ رجز وردِ زبان تھا انا ابن الاکوع الیوم یوم الرضع (میں اکوع کا بیٹا ہوں۔ آج کا دن سخت جنگ کا دن ہے)

حضرت سلمہؓ کی آواز سن کر سب سے پہلے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر اس انتظار میں سرِراہ جا کھڑے ہوئے کہ اور مسلمان بھی طیار ہو کر آجائیں۔ سب سے پہلے مقدادؓ بن عمروؓ آپ کے پاس پہنچے۔

جب چند اور سوار بھی آ پہنچے تو آپ نے حضرت مقدادؓ سے فرمایا کہ تم لوگ چلو۔ میں بھی اور آدمی لے کر اور یہاں کا انتظام درست کر کے تمہارے پیچھے پہنچتا ہوں۔ اس دستہ کی روانگی کے بعد آپ نے حضرت عبداللہ بن اُمِ مکتومؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اور تین سو انصار

کی جمعیت حضرت سعد بن عبادہ انصاریؓ کے ماتحت شہر کی حفاظت پر متعین فرمائی۔ اس اثناء میں صحابہؓ جوق جوق سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچنے لگے۔ عُیینہ تو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ آگے نکل گیا تھا۔ ڈاکوؤں کی ایک ٹولی سے حضرت مقدادؓ کے دستہ کی مڈبھیڑ ہو گئی۔

اس تصادم میں ایک صحابی حضرت محرز بن نضلہؓ نے جُرعۂ شہادت نوش فرمایا۔ ڈاکوؤں میں سے تین ہلاک ہوئے اور بقیۃ السیف چند گھوڑے اور کچھ اور مالِ غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت سلمہؓ عُیینہ بن حصن کے تعاقب میں خیبر کی سرحد تک پہنچ گئے۔ عُیینہ اور اس کے ساتھیوں کو اس خوف سے پلٹ کر حضرت سلمہؓ کا دفعیہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی کہ مسلمانوں کی جمعیت ان کے تعاقب میں آتی ہوگی۔ حضرت سلمہؓ نے پیچھے سے اتنی تیر باری کی کہ ڈاکوؤں کو اونٹ چھوڑ کر بھاگ جانا پڑا۔ اس اثناء میں سرورِ انبیاء علیہ السلام بھی علیٰ اختلاف الروایات سات سو یا پانسو سواروں کی جمعیت کے ساتھ موضع ذی قرد میں پہنچ گئے جہاں حضرت سلمہؓ نے ڈاکوؤں کو بھگا کر اونٹ واپس لیے تھے۔

سلمہ بن اکوعؓ نے التماس کی یا رسولؐ اللہ! میں نے ان کو پانی پینے کی مہلت نہیں دی اور اگر فی الفور تعاقب کیا جائے تو سب گرفتار کیے جا سکتے ہیں۔" لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قابو پانے کے بعد درگذر ہی اچھا ہے۔ اور آپ نے ازراہِ قدرشناسی فرمایا ہمارے سواروں میں بہترین سوار مقداد بن عمروؓ اور پیادوں میں بہترین سپاہی سلمہ بن اکوعؓ ہیں۔ اس کے بعد آپ نے حضرت سلمہؓ کو مالِ غنیمت میں سے دو حصے عطا کیے۔ ایک سوار کا اور ایک پیدل کا اور مدینہ کی طرف مراجعت فرماتے وقت انہیں ازراہِ شفقت خود اپنے پیچھے بٹھا لیا (ابن سعد وغیرہ واخرجہ البخاری ومسلم باختلاف یسیر)۔

حضرت خیر البشرؐ کے غیر مسلم مہمان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خوانِ کرم مسلم و غیر مسلم سب کے لیے بچھا ہوا تھا۔ جس طرح مسلمان مہمانوں کی خاطر مدارات کی جاتی تھی اسی طرح غیر مسلم اضیاف کی بھی ہوتی تھی۔ ابو بصرہ غفاریؓ اسلام لانے سے

پہلے کاشانۂ نبوت میں آکر مہمان رہے۔ آپ کے گھروں میں کھانا بہت کم پکا کرتا تھا۔ زیادہ تر شام کے وقت تھوڑا سا بکری کا دودھ پی کر گذر بسر کر لیتے تھے۔ ابوبصرہ رض رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے لیکن آپ خاموش رہے۔ برابر انتہائی اخلاق سے پیش آتے رہے اور اہل بیت نبوی کو رات بھر فاقہ کرنا پڑا (مسند احمد)۔

اسی طرح ایک اور مرتبہ آپ کے پاس ایک غیر مسلم مہمان آیا۔ اسے ایک بکری کا دودھ پینے کو دیا گیا۔ وہ اس نے پی لیا اور مزید دودھ کا طلب گار ہوا۔ آپ نے ایک اور بکری کا دودھ دوہنے کا حکم دیا۔ وہ بھی پی گیا۔ آپ نے تیسری بکری دوہنے کے لیے فرمایا۔ اس کا دودھ بھی اڑا گیا۔ غرض یکے بعد دگرے سات بکریوں کا دودھ پی گیا۔ چونکہ گھر میں کھانے کی اور کوئی چیز موجود نہ تھی، تمام اہل بیت فاقہ کشی پہ مجبور ہوئے لیکن آپ اس سے بدستور اخلاق اور نوازش سے پیش آتے رہے۔

اس حسن اخلاق سے متأثر ہو کر وہ دوسرے دن حلقۂ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اس روز اس کے لیے ایک بکری دوہی گئی وہ اس کا دودھ پلایا گیا۔ پھر دوسری دوہی گئی لیکن اس کا دودھ بھی پورا نہ پی سکا۔ یہ دیکھ کر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن ایک ہی آنت میں پیتا ہے اور غیر مسلم سات آنتوں میں (ترمذی)۔

یعنی مومن کامل تھوڑے پر قناعت کر لیتا ہے اور غیر مسلم چونکہ حرص و ہوا کا بندہ ہے اکل و خور اور لذات دنیوی کو اس نے حاصل زندگی قرار دے رکھا ہے اس لیے تھوڑی چیز پر قانع نہیں ہوتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جن مسلمانوں نے حطام دنیوی، لذائذ نفسانیہ اور نعائم فانیہ ہی کو زیست کا نصب العین قرار دے رکھا ہے وہ اس بارہ میں غیر مسلموں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

فصل ۲

غیر مسلم کو لوٹنے، فریب دینے اور اس کا مال غصب کرنے کی وعید

بائیبل میں تحریف و تبدیل

بائیبل ہر زمانہ میں اپنے ماننے والوں کی تحریف و تبدیل کی آماج گاہ بنی رہی۔ پہلے یہود نے اس کو اضافہ و اسقاط کا تختۂ مشق بنائے رکھا، پھر نصاریٰ نے اس پر اصلاح و ترمیم کا دستِ شفقت پھیرنا شروع کیا یہاں تک کہ تورات اور انجیل کی لفظی اور معنوی شکلیں مسخ کر دی گئیں۔ کچھ مدت کے بعد آسمانی انجیل تو دنیا سے بالکل مفقود ہو گئی اور لوگوں نے مسیح علیہ السلام کے حالات و اقوال سوانح عمری کی شکل میں مدون کرنے شروع کیے۔ یہی سوانح عمریاں چار انجیلیں کہلاتی ہیں۔ اور تورات آج کل پانچ کتابوں (پیدائش، خروج، احبار، گنتی اور استثناء) کے مجموعہ کا نام ہے۔ ان کو موسیٰ کی پانچ کتابوں سے موسوم کرتے ہیں۔ ان میں بھی آج یہ تمیز کرنا بہت مشکل ہے کہ ملحقات کے انبار میں اصل آسمانی احکام و تعلیمات کا کتنا حصہ ہے۔

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ ہمایوں میں یہود کے ہاتھ میں جو توراۃ تھی وہ بھی زبان حال سے اسرائیلی تصرفات و الحاقات کی شکوہ سنج تھی۔ علمائے یہود اس میں مقتضائے وقت کے بموجب جب اور جہاں چاہتے محو و اثبات کرتے رہتے تھے۔

یہود کا زعم باطل کہ کافر کا مال ہضم کرنا جائز ہے

یہود نے اپنے جو خرافات کلام الٰہی میں شامل کر دیے تھے ان میں ایک خرافہ یہ تھا کہ کافر کا مال چٹ کر جانا جائز ہے۔ وہ کہتے تھے کہ عرب کے باشندے بت پرست اور بد دین ہیں۔ توراۃ کے رُو سے ان دشمنانِ خدا کا مال ہضم کر لینا ہر طرح روا ہے۔ ہمیں اس غصب و خیانت پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ آخر جب اسلام ظاہر ہوا اور خیر الخلق سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کی تشنگی سعادت کو سیراب کرنے کے لیے دنیا میں تشریف فرما ہوئے تو آپ نے یہود کو اس کج روی پر متنبہ

کیا اور علی الاعلان فرما دیا کہ مومن ہو یا غیر مومن بلا اجازت کسی کے مال میں تصرف کرنا جائز نہیں۔

جن ایام میں نیّرِ اسلام کی شعاعیں کوہ فاران کی چوٹیوں سے گزر کر وادی یثرب میں پہنچیں، اس وقت وہاں یہود کے سب سے بڑے عالم عبداللہ بن سلام تھے۔ فطری پاکبازی کے باعث ان کا آئینۂ دل بالکل شفاف تھا۔ حضور سیدِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی ہی ملاقات نے اس کو ضیائے ایمان سے منور کر دیا۔ ان کے مشرف باسلام ہونے کے بعد ایک بُت پرست نے ان کے پاس کئی سیر سونا امانۃً رکھا اور جب مالک نے طلب کیا تو فی الفور لا کر حاضر کر دیا۔

انہی ایام میں ایک یہودی ایک بُت پرست کی اشرفی لے کر مُکر گیا۔ اس اختلافِ عمل کی وجہ یہ تھی کہ اسلام نے مسلم و غیر مسلم ہر شخص کا مال غصب کرنا حرام قرار دیا ہے اور یہود کے نزدیک کافروں کا مال کھانا جائز تھا اور اگر وہی شخص عبداللہ بن سلامؓ کے پاس ان کے مشرف باسلام ہونے سے پہلے کوئی امانت رکھتا تو وہ بھی اپنے یہودی اصول کے تحت اسے ہضم کر جاتے اسی معنی میں حق تعالیٰ نے فرقان حمید میں فرمایا:

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ	اہل کتاب میں سے کسی (حضرت عبداللہ بن سلامؓ) کی
اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ	تو یہ حالت ہے کہ اگر اس کے پاس خزانہ بھی امانت رکھ دو
اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ	تو وہ مطالبہ کے ساتھ ہی لا حاضر کرے گا اور انہی اہل کتاب
تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ	میں سے بعض وہ شخص ہے کہ ایک دینار کی ودیعت کے واپس کرنے
اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ	میں بھی اس وقت تک برابر حیلہ جوئی کرے گا جب تک اس کے سر پہ
قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا	کھڑے نہ رہو۔ اس (عدم ادا) کی وجہ ان (یہود) کا یہ عقیدہ ہے
لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ	کہ ہم پر غیر کتابی لوگوں کا مال اڑا لینے کے بارہ میں کسی طرح کا الزام
سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ	عائد نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ لوگ دیدہ و دانستہ حق تعالیٰ پر افتراء
الْكَذِبَ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝	باندھ رہے ہیں (توراۃ میں ہرگز یہ نہیں لکھا ہے کہ پرایا مال
(۳: ۷۵)	کھانے پر مواخذہ نہیں)۔ (ابن کثیر، خازن)

غیر مسلموں کا مال اُڑانے سے ہادیٔ اعظمؐ کی بیزاری

دنیا کے ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ اوپر لکھا گیا اُمت کو پایا مال اُڑانے کا ہمیشہ امتناع فرمایا اور جب کبھی موقع ملا اس سے بیزاری ظاہر کی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ مسلمان ہونے سے پہلے ایک غیر اسلامی قافلہ کے ساتھ ہو لیے۔ پھر موقع پا کر اہل قافلہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور سب مال جمع کر کے مسلمان ہونے کے لیے مدینہ منورہ پہنچے۔ جب انہوں نے اپنا اشتیاقِ اسلام ظاہر کیا اور بیعت کی درخواست کی تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام تو تمہارا قبول کرتا ہوں لیکن اُس مال سے بیزار اور بے تعلق ہوں جو تم لوٹ لائے ہو (بخاری و مسلم) اور فرمایا جو کوئی کسی کو لوٹے وہ ہم میں سے نہیں (ابن ماجہ)

حضرت ثعلبہ بن حکم کا بیان ہے کہ ایک غزوہ میں ہم دشمن کی سرزمین میں پہنچے۔ لشکر اسلام میں سے بعض آدمیوں نے دشمن قبیلہ کی چند بکریاں لوٹ لیں اور ان کو ذبح کر کے ہانڈیاں چڑھا دیں۔ آپ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو حکم دیا کہ تمام ہانڈیاں اُلٹ دی جائیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے عالم غیظ میں فرمایا غارت گری حلال نہیں ہے (ابن ماجہ)۔

غیر مسلموں کی سواریاں غصب کرنے کی بندش

جارود نام ایک عیسائی تھے جو نبیٔ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر سن کر بادۂ اسلام سے مخمور ہو رہے تھے لیکن ہم چشموں کی طعنہ زنی اور آبائی مذہب کی لاج کے خیال سے علانیہ انہیں مسلمان ہونے میں تأمل تھا۔ آخر جذبۂ حق زیادہ دنوں تک دب نہ سکا اور سنہ ۱۰ھ میں قبیلۂ عبد قیس کے ساتھ دیارِ حبیب میں حاضر ہو کر بصد اشتیاق اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کے تمام رفقاء نے بھی ایمان کا ربقہ سعادت گلے میں ڈال لیا۔ واپسی کے وقت جارود کے پاس سواری نہیں تھی۔ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! راستہ میں ہم کو غیر مسلموں کی بہت سی سواریاں ملیں گی۔ ان سے فائدہ اُٹھانے کی اجازت ہے؟ فرمایا نہیں۔ انھیں آگ سمجھو (ابن ہشام)

فصل ۳

غیر مسلموں سے عدل و انصاف کرنے کا فرمان!

دشمنوں سے انصاف کرنے کی تاکید

قرآن حکیم میں مسلمانوں کو دشمنوں کے حق میں بھی عدل و انصاف کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا	اے مسلمانو! حقوق اللہ پر قائم رہو۔ عدل و انصاف
قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ٘	کے ساتھ گواہی دیا کرو اور نہیں کسی قوم کی عداوت عدل
وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ	کی حبل المتین کو ہاتھ سے چھوڑنے کی تحریک نہ کرے۔
عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ	انصاف کرو، کیونکہ تقویٰ عدل و انصاف ہی کا مقتضی
اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى٘ وَاتَّقُوا	ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ حق تعالیٰ
اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا	تمہارے اعمال و کردار سے خوب واقف
تَعْمَلُوْنَ ۝ (۵ : ۸)	ہے۔

بے گناہ مقتولوں کا خونبہا اپنی صرف سے ادا کرنا

کسی شہری بدامنی یا سیاسی ہلچل میں فوج اور پولیس کی گولیوں سے بیسیوں بے گناہ مارے جاتے ہیں لیکن حکومتیں ان کا خونبہا ادا کرکے ورثاء کی حق رسی نہیں کرتیں لیکن خدا کے برگزیدہ رسول نے اس بیداد کو کبھی گوارا نہ فرمایا۔ دینی اور دُنیوی حکومتوں میں یہی فرق ہے۔ یہ ہرگز ممکن نہ تھا کہ کوئی غیر مصافی بے گناہ کسی مامور من اللہ کے لشکر کے ہاتھوں تیر قضا کا نشانہ بنے اور وہ اس کی دیت ادا کرکے دادِ انصاف نہ دے۔

فتح مکہ کے دن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج ظفر موج کے ہاتھوں دو غیر مسلم ابن اثوع ہذلی اور جنیدب بن اکوع قتل ہوگئے تھے۔ مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے

پہلے اس مسئلہ کی طرف توجہ فرمائی اور دونوں مقتولوں کے وارثوں کے پاس اپنی طرف سے خوں بہا میں سو سو اونٹ روانہ فرما دیے (سیرت ابن ہشام) اسی طرح شام کے ایک غیر مسلم کاشت کار نے بارگاہِ خلافت میں شکایت کی کہ اسلامی لشکر نے اس کی زراعت کو پامال کر دیا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کو معاوضہ میں دس ہزار درہم عطا فرمائے۔

یہود سے وصول کرنے کی بجائے صحابی کا خونبہا اپنی طرف سے ادا کرنا

اگر بدنصیبی سے، کوئی انگریز ہندوستان کے کسی کونے میں مار جاتا اور قاتل معلوم نہ ہوتا تو آپ دیکھتے تھے کہ وہاں کیسی قیامت برپا ہوتی تھی۔ دار و گیر کا سلسلہ کتنی وسعت اختیار کرتا۔ بیسیوں جرم ناآشنا شکنجۂ عذاب میں کس دیے جاتے۔ مدتوں تشدد کا بازار گرم رہتا۔ بے گناہ پھانسی کے تختے پر لٹکائے جاتے۔ لیکن اسلام ایسے جور و بیداد سے بہت بلند ہے۔

فتح خیبر کے بعد جب وہاں کے یہودی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایا بن گئے تو اس کے چند روز بعد آپ کے ایک صحابی عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ اپنے عم زاد بھائی محیصہ بن مسعود کے ہمراہ خیبر گئے اور نخلستان پہنچ کر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ جب عبداللہ بن سہل وہاں سے آگے بڑھے تو یہودیوں نے ان کو قتل کر کے لاش ایک حوض میں ڈال دی۔ جب یہ خبر مدینہ منورہ پہنچی تو شہر میں کہرام مچ گیا۔

ظاہر ہے کہ شفیق اُمت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حادثہ کا کتنا صدمہ ہوگا تاہم آپ نے دنیوی حکومتوں کی طرح نہ کوئی پکڑ دھکڑ کی، نہ کسی کو مارا پیٹا اور نہ شبہہ پر کسی کا چالان کیا۔ خیبر میں یہودیوں کے سوا کوئی اور قوم آباد نہ تھی اور یہ امر یقینی تھا کہ یہودی نے ان کی جان لی لیکن چونکہ عینی شاہد موجود نہ تھے، آپ نے یہودیوں سے کوئی تعرض نہ کیا۔ البتہ ان کے پاس یہ پیغام بھیج دیا کہ عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے قتل کا الزام تم ہی پر عائد ہوتا ہے۔

اس کے جواب میں انہوں نے کہلا بھیجا کہ ہمیں قطعاً علم نہیں کہ کس نے قتل کیا۔ آخر مقتول

کے حقیقی بھائی عبدالرحمٰن بن سہلؓ اور ان کے عم زاد بھائی حویّصہ بن مسعودؓ نے دربارِ رسالتؐ میں استغاثہ دائر کیا۔ عبدالرحمٰن بن سہلؓ اپنے مقتول بھائی کے خیبر جانے اور وہاں یہود کے ہاتھوں قتل کیے جانے کے حالات بیان کرنے لگے اور وہ تینوں میں کم سن تھے۔ آپؐ نے ان سے فرمایا بڑے کا احترام کرو یعنی تینوں میں جو سب سے بڑا ہے وہ گفتگو کرے۔ آخر حویّصہؓ نے عبداللہؓ کا واقعۂ قتل بیان کرنا شروع کیا اور بولے کہ یہودی ہمارے بھائی کے قاتل ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تمہارے قبیلہ کے پچاس آدمی اس بات پر حلف اٹھائیں کہ فلاں یہودی قاتل ہے تو میں اس یہودی کو (بغرضِ قتل) تمہارے حوالے کر دوں گا۔

انہوں نے گزارش کی یا رسول اللہ! جب ہم اس حادثہ کے وقت موجود ہی نہیں تھے تو ہم کس طرح قسم کھا سکتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اچھا یہ نہیں ہو سکتا تو اگر یہودی پچاس قسمیں کھا کر اپنی برأت کر دیں تو دعوے سے دست بردار ہو جاؤ گے؟ بولے یا رسول اللہ! یہودی تو غیر مسلم ہیں، انہیں جھوٹی قسم کھانے میں کوئی باک نہیں۔ وہ بے دریغ قسمیں کھا جائیں گے"۔

متحدہ ہندوستان کے عہدِ انگریزی میں قاتل کا سراغ نہ ملتا تو مقتول کا خون رائگاں جاتا تھا اور ورثاء کو رو پیٹ لینے اور کلیجہ پر صبر کا پتھر رکھ لینے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا تھا۔ اور یہ کچھ ہندوستان کے انگریزی دَور پر موقوف نہیں بلکہ عرب کے جاہلی دَور میں بھی یہی اندھیر نگری جاری تھی۔ لیکن دنیا کے مصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری بے شمار اصلاحات کے سلسلہ میں اس خرابی کا بھی قرار واقعی تدارک فرمایا۔ اگر کبھی قاتل نہ ملتا تو آپ اپنے پاس سے مقتول کا خون بہا ادا فرما دیتے تھے اور آپؐ کو یہ امر قطعاً گوارا نہ تھا کہ مقتول کے اولیاء ہر طرح سے خسارہ میں رہیں۔ چنانچہ آپؐ نے عبداللہ بن سہل کی دیت کے سَو اُونٹ اپنی طرف سے وارثوں کو دے دیے (بخاری، مسلم، نسائی)۔

بٹائی میں انصاف

ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو اہلِ ایمان کی طرح غیروں کے ساتھ بھی امانت و دیانت کا برتاؤ کرنے کی تعلیم دی ہے۔ فتحِ خیبر کے

بعد وہاں کے یہودیوں نے استدعا کی کہ زمین ہمارے ہی قبضہ میں رہنے دی جائے۔ ہم پیداوار کا نصف حصّہ ہمیشہ دیتے رہیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی۔ بٹائی کا وقت آتا تو آپ ہر سال حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ کو یہ تاکید کرکے بھیجا کرتے کہ انصاف کے ساتھ تقسیم کرنا۔ وہ غلّہ کو دو حصّوں میں تقسیم کرکے یہود سے کہتے تھے کہ ان میں سے جو حصّہ چاہو لے لو۔" یہود اس انصاف پسندی پر حیرت زدہ ہو کر کہتے تھے کہ زمین و آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں (تاریخ محمد ابن جریر طبری)۔

نبطی غلام کی دادرسی

خلافت راشدہ کا ایک واقعہ سنیے۔ حضرت عُبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ بیت المقدس گئے۔ ان ایام میں امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ بھی وہیں تشریف فرما تھے۔ حضرت عُبادہؓ نے عمارت مقدس کے اندر جانا چاہا اور ایک نبطی غلام سے فرمایا کہ ذرا میرا گھوڑا پکڑ لو، میں اندر ہو آؤں۔ اس نے انکار کیا۔ حضرت عُبادہؓ نے زجر و توبیخ کی۔ وہ چیں بجبیں ہوا اور اکڑا۔ انہوں نے اس کو پیٹا۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے حضرت عبادہؓ سے فرمایا کہ یہ آپ نے کیا کیا؟ فرمایا میں نے اس سے گھوڑا پکڑنے کی درخواست کی تھی۔ اس نے انکار کیا اور آنکھیں نکالنے لگا۔ مجھے غصّہ آگیا اس لیے میں اس کو مار بیٹھا۔

حضرت ابن صامت بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ باوجود اس کے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ سے قصاص لیا جائے گا۔ حضرت زید بن ثابت انصاریؓ بھی وہاں موجود تھے، ان سے ایک صحابی کی ذلّت نہ دیکھی گئی۔ امیرالمومنینؓ سے کہنے لگے کہ آپ ایک غلام کے بدلے اتنے بڑے رتبے کے صحابی کو بیٹیں گے اور ذلیل کریں گے؟ آخر حضرت عمرؓ بمشکل جرمانے پر راضی ہوئے اور حضرت عبادہؓ نے جرمانے کی رقم ادا کرکے جان چھوڑائی (کنزالعمّال)۔

ایک شاہزادہ کا قبولِ اسلام

اسلامی عدل و انصاف کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

صوبہ آذربیجان جس کا دارالحکومت تبریز ہے، عہد

فاروقی میں فتح ہوا تھا۔ ایک مرتبہ وہاں کے ایک سابق فرمانروا کا بیٹا مسلمان حاکم وقت کے پاس آیا۔ شاہزادہ کے ہاتھ میں ایک نہایت بیش قیمت انگوٹھی تھی۔ حاکم نے دریافت کیا کہ یہ کہاں سے حاصل ہوئی؟ اس نے کہا کہ ایک حکمران نے میرے والد کو ایک نہایت بیش قیمت ہیرا تحفۃً بھیجا تھا، اس انگوٹھی میں وہی ہیرا ہے۔ اگر آپ کو اس کی خواہش ہو تو آپ لے سکتے ہیں۔ حاکم نے کہا ہم مسلمان ناروا طریق پر کسی سے کوئی چیز نہیں لیتے اور مسلمانوں نے جو اس سرزمین کو فتح کیا تو سونے چاندی اور لعل و جواہر کی خاطر اس پر حملہ نہیں کیا تھا بلکہ ہم لوگ اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر یہاں آئے تھے۔ شاہزادہ ان باتوں سے اس درجہ متأثر ہوا کہ معاً دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا اور کہنے لگا کہ اگر آپ کی جگہ کوئی ایرانی (مجوسی) حاکم ہوتا تو یہ بے بہا تحفہ مجھ سے جبراً چھین لیتا۔ حقیقت میں مسلمان کا کردار بہت بلند ہے۔ (م)

فصل ۴

اہل ایمان کے خلاف غیر مسلموں کے حق میں فیصلے

مدینہ منورہ میں غزوۂ بدر کے بعد غیر مسلموں کے مقدمے بھی سرکار رسالت میں پیش ہونے لگے تھے۔ غیر مسلم اقوام عموماً اور یہود خصوصاً جس درجہ اسلام اور داعیٔ اسلام کی عداوت میں سرگرم تھے اس کا فطری تقاضا تو یہ تھا کہ فصل خصومات میں ان کو ہر طرح سے نقصان پہنچایا جاتا۔ خصوصاً وہ مقدمات ان کے خلاف فیصل کیے جاتے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف دائر کرتے تھے۔ لیکن مملکت انصاف کے تاجدار سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدمات کا ہمیشہ وہی فیصلہ فرمایا جس کا انصاف مقتضی تھا۔ گو اس میں کسی مسلمان کو کتنا ہی نقصان پہنچتا۔

یہودی قرضہ کے متعلق صحابی کا عذر قبول نہ کرنا

خیبر مدینہ طیبہ سے تین منزل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ قصبہ انتہا درجہ کے کینہ پرور یہودیوں کا مسکن تھا۔ ان لوگوں نے سالہا سال سے پیغمبر علیہ السلام کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ جب ان کی شر انگیزیاں حد سے بڑھیں تو آپ نے مجبور ہو کر صحابہ کرامؓ کو یلغار کا حکم دیا اور یہ بھی جتا دیا کہ خدائے وَدُود نے تسخیر خیبر کا وعدہ فرمایا ہے۔ جب یہ خبر مدینہ کے یہودیوں نے سنی تو سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگے، اور یہاں تک دشمن ہوئے کہ جس کسی کا کسی مسلمان پر قرض آتا تھا اس کا بڑی سختی سے تقاضا شروع کر دیا۔

عبداللہ بن ابی حدرد انصاری صحابیؓ کے ذمے ابوشحم یہودی کا پانچ درہم قرض تھا۔ گو یہ بالکل ناچیز سی رقم تھی لیکن ان کے افلاس کا یہ عالم تھا کہ بدن کے جوڑے کے سوا کوئی چیز ان کی ملک میں نہیں تھی۔ یہودی بڑی سختی سے تقاضا کرنے لگا۔ عبداللہؓ نے کہا لشکرِ اسلام جلد خیبر جانے والا ہے۔ وہاں سے واپس آ کر تمہارا قرض ادا کر دوں گا۔ یہودی بولا تمہارا کدھر خیال ہے۔ وہاں دس ہزار مردانِ جنگ آزما موجود ہیں۔ ادھر کا رخ کیا تو مار مار کر مسلمانوں کے پرخچے اڑا دیں گے۔" حضرت عبداللہ نے کہا مجھے مرعوب نہ کرو۔ بہت جلد دس ہزار مردانِ دلاور کی جنگ ہوتی دیکھ لی جائے گی۔

یہودی نے بارگاہ نبوی میں جا کر رقم کا دعویٰ دائر کر دیا۔ آپؐ نے عبداللہؓ کو طلب فرمایا۔ انہوں نے حاضر ہو کر التماس کی یا رسول اللہ! اس یہودی نے یہ کلمات ناشائستہ کہے تھے۔ آپ نے فرمایا تم اس کا قرض ادا کر دو۔ ابن حدردؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! اس وقت سخت نادار ہوں اس لیے مہلت چاہتا ہوں۔ یہودی نے مہلت دینے سے انکار کیا۔ آپ نے مکرر فرمایا کہ قرض ادا کر دو۔ انہوں نے پھر ناداری کا عذر کرتے ہوئے کہا یا رسول اللہ! غزوۂ خیبر قریب ہے۔ اگر کچھ ہاتھ آیا تو واپسی پر ادا کر دوں گا۔" آپؐ نے حکم دیا کہ نہیں، فی الفور ادا کرو"۔ عبداللہؓ نے تین درہم میں اپنا ایک کپڑا فروخت کیا اور دو درہم کسی صحابی سے لے کر قرض ادا کر دیا۔ حضرت سلمہ بن اسلم اوسی رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک کپڑا دے دیا جس کو پہن کر وہ غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے (مسند احمد)۔

انصاری بچوں کے واپس نہ دینے میں یہود کے حق میں فیصلہ

ظہورِ اسلام سے پہلے مدینۃ الرسولؐ کے دونوں ممتاز قبائل اوس اور خزرج جو بعد کو انصار کے معزز لقب سے مشہور ہوئے بت پرست تھے۔ چونکہ مدینہ منورہ کے یہودی تورات کے حامل اور اہلِ کتاب تھے اور لوگوں کے سامنے ایک آسمانی قانون اور خدائی احکام پیش کرتے تھے بُت پرستوں کے دلوں پر ان کے تقدس و تفوق کا سکہ جما ہوا تھا۔ چنانچہ مدینہ کی جس بُت پرست عورت کا بچہ نہ جیتا وہ نذر مانتی کہ اگر اس کا بچہ زندہ رہے گا تو وہ اسے یہودی بنا دے گی۔

جب بنو نضیر کے یہودیوں کو ان کی مسلسل بدعہدیوں اور خوفناک سازشوں کی وجہ سے جلاوطنی کا حکم ہوا تو ان کے گھروں میں انصار کے بھی بہت سے لڑکے تھے جو جاہلیت میں عورتوں کی نذروں کی وجہ سے یہودی ہو گئے تھے۔ انصار نے کہا ہم اپنے بیٹوں کو یہود کے ساتھ ہرگز نہیں جانے دیں گے۔ یہودیوں نے ان کی حوالگی سے انکار کیا۔ آخر یہ معاملہ دربارِ رسالت میں پیش ہوا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے حق میں اس کا فیصلہ کیا اور فرمایا کہ دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں، اور اپنے انصار جان نثاروں سے فرمایا کہ اگر تمہارے لڑکے خوشی سے تمہارے پاس رہنا چاہیں تو ان کو رکھ سکتے ہو ورنہ روکنے کے مجاز نہیں۔ چنانچہ اس فیصلہ کی تائید میں قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (۲: ۲۵۶)	دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں کیونکہ ہدایت یقیناً گمراہی سے ممیز ہو چکی ہے۔

(رواہ ابوداؤد)۔

جو لوگ اسلام پر بزورِ تیغ پھیلنے کا اتہام لگایا کرتے ہیں انھیں اس حدیث سے اپنی افترا پردازی پر شرمسار ہونا چاہیے۔ جس اسلام نے اپنی دولا دنگ کو اس کی خلاف مرضی غیروں سے نہ چھینا وہ غیروں کو ان کی مرضی کے خلاف اپنے اندر کیونکر جذب کر سکتا تھا؟

ظلم و بیداد میں اپنی قوم کا ساتھ دینے کا امتناع

دُنیوی حکّام ہمیشہ اپنی قوم کی تائید کیا کرتے ہیں خواہ قوم کا آدمی حق پر ہو یا ناحق پر۔ انگلستانی مجرم کا جُرم کیسا ہی شدید کیوں نہ ہوتا اور اس نے غریب ہندوستانی پر کتنا ہی ظلم کیوں نہ توڑا ہوتا، انگریز جج لازماً اپنے ہم قوم ہی کے حق میں فیصلہ کرتا تھا لیکن اسلامی انصاف اس جور و بیداد کو چشم زدن کے لیے بھی روا نہیں رکھتا۔ اسلام اس عصبیّت کو اسی حد تک جائز قرار دیتا ہے جہاں تک اپنی قوم ظالم نہ ہو۔ لیکن جب قوم جادۂ انصاف سے ہٹ کر شیوۂ جور و جفا اختیار کرے تو قوم کا ساتھ دینا حرام و معصیت ہے یہی اسلامی تعلیم اور خدا کے برگزیدہ رسُولؐ کا فرمان ہے۔

چنانچہ ایک صحابی نے ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا یا رسُولؐ اللہ! اپنی قوم سے محبت رکھنا بھی عصبیت میں داخل ہے؟ فرمایا نہیں، بلکہ عصبیت یہ ہے کہ انسان ظلم و بیداد میں اپنی قوم کا مددگار ہو (ابن ماجہ) پس کسی کلمہ گو کے لیے جائز نہیں کہ وہ ظلم اور باطل پرستی میں اپنے بھائی کی حمایت اور تائید کرے۔

بے گناہ یہودی کی براءت

مدینہ منورہ میں ایک انصاری کی زرہ جو آٹے میں رکھی ہوئی تھی گم ہوگئی۔ جب صبح کے وقت تلاش ہوئی تو ایک شخص کے گھر تک جس کا نام طعمہ بن اُبیرق تھا آٹا گرا ہوا پایا گیا۔ اس کے گھر کی تلاشی لی گئی تو زرہ نہ ملی۔ وہاں سے آٹے کا نشان ایک یہودی کے مکان تک پایا گیا۔ یہودی کی تلاشی لی گئی تو وہاں سے زرہ مل گئی۔ یہودی سے پُوچھا گیا تو اس نے کہا کہ یہ مجھے طعمہ بن اُبیرق نے دی ہے۔ اس لیے میں بری ہوں اور چور طعمہ ہے۔

اس واقعہ پر طعمہ کے قبیلہ والوں کو بڑی ندامت ہوئی اور انہوں نے داغ بدنامی دھونے کے لیے باہم یہ مشورہ کیا کہ ہمارے چند سرکردہ آدمی بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوکر عرض کریں کہ طعمہ ایسا شخص نہیں ہے کہ اس نے چوری کا ارتکاب کیا ہو۔ آپ ہمارا بیان قبول فرمائیں گے

اور یہودی ہی چور ٹھیرایا جائے گا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی بنا پر یہودی کو چور اور طعمہ کو بےقصور ٹھیرایا۔ لیکن خدائے علیم نے آپ کو فی الفور اطلاع دی کہ چور فی الحقیقت طعمہ ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور یہودی عزت کے ساتھ بری ہوا۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ	ہم نے آپ پر قرآن حقیقت نفس الامر کے مطابق
بِالۡحَـقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ	نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں میں اسی اصول کے
بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ‌ ؕ وَلَا تَكُنۡ	مطابق فیصلہ کریں جو آپ کو بتلایا گیا ہے اور آپ
لِّـلۡخَآٮِٕنِيۡنَ خَصِيۡمًا (۴: ۱۰۵)	خائنوں کی طرف داری کی بات نہ کیجیے۔

(رواہ الترمذی)۔

چونکہ مسلمانوں کے خلاف یہود کا رویہ نہایت معاندانہ اور سخت شرانگیز تھا۔ اور وہ برملا کہتے تھے کہ غیر یہود کا مال کھا جانا ہمارے لیے جائز ہے اس لیے یہودی ملزم کے خلاف جو شہادت گزری اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین دلا دیا کہ یہودی ہی چور ہے۔ لیکن جب وحی الٰہی نے حقیقت نفس الامر واضح کی تو آپ کو اپنے رجحان طبع کے خلاف فیصلہ کرنا پڑا۔ یہ واقعہ بھی اُن علمی جہلا کے خیال کی تردید کرتا ہے جن کے نزدیک حامل نبوت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم بھی علم الٰہی کی طرح کائنات کے ذرہ ذرہ پر حاوی ہے۔

فقدانِ شہادت کے باعث صحابی کا دعویٰ خارج

اسلامی شریعت میں انفصالِ دعویٰ کا یہ اُصول ہے کہ مدعی سے گواہ طلب کیے جائیں۔ اگر گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعی سے حلف لیا جائے۔ اگر مدعا علیہ حلف اُٹھالے تو دعویٰ خارج ہو جائے گا۔ مدینۃ النبیؐ میں اشعث بن قیس کندی صحابی اور ایک یہودی میں ایک زمین پر جھگڑا ہو گیا اور مقدمہ بارگاہ نبویؐ میں پیش ہوا۔ اشعث مدعی تھے۔

آپ نے فرمایا اشعث! تمہارے دعوے کے ثبوت میں کوئی گواہ بھی ہے؟ انھوں نے

کہا یا رسول اللہ! گواہ تو کوئی نہیں۔ آپ نے فرمایا ایسی حالت میں قاعدہ کے بموجب مدعیٰ علیہ قسم کھلوائی جائے گی۔ اشعث عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! ان لوگوں کو جھوٹی قسم کھانے میں مطلق باک نہیں۔ یہ شخص تو جھوٹی قسم کھا کر میرا مال اڑا لے گا" لیکن اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔ یہودی نے قسم کھالی اور اشعثؓ کا دعویٰ خارج ہو گیا (بخاری و مسلم)۔

اس یہودی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ	جو لوگ اس عہد کے مقابلہ میں جو انہوں نے
اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا	اللہ سے کیا تھا اور اپنی قسموں کے مقابلہ میں
قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ	حقیر سا معاوضہ لے لیتے ہیں، وہ اُخروی
لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا	کامرانیوں سے محروم رہیں گے اور قیامت
یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا	کے دن ربّ قدیر ان سے (لطف و شفقت سے)
یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ	ہم کلام نہ ہوگا ورنہ (نظرِ رحمت سے)
وَلَا یُزَكِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ	ان کی طرف دیکھے گا اور انہیں (گناہوں سے)
اَلِیْمٌ ۝ (۳ : ۷۷)	پاک کریگا اور وہ عذاب الیم میں گرفتار ہوں گے۔

(لباب النقول)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے عہد کرنے کا جو ذکر ہے اس کی نسبت علماء نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے یہ اقرار لیا تھا کہ ہر نبی کے مددگار رہیں گے لیکن وہ دنیوی اغراض و مفاد کی خاطر اس عہد سے پھر گئے۔

جائیداد سیمیں کے غصب کرنے کا مقدمہ

عہدِ نبوت میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی باہمی نزاعات کے جس قدر مقدمات سرکارِ نبوتؐ میں پیش ہوئے ان کی نسبت کوئی بڑے سے بڑا معاندِ اسلام بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ کسی کے انفصال میں مسلمان کی رعایت کر کے غیر مسلم فریق سے بے انصافی کی گئی ہو۔ اس معدلت گستری کے چند نظائر

ہدیۂ احباب ہوئے۔ ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو:

تمیم بن اوس داری اور عدی بن بدآء[1] دو عیسائی قبیلہ بنو سہم کے ایک مسلمان کے ساتھ مال تجارت لے کر گئے۔ قضائے کردگار سے سہمی ایسی جگہ بیمار ہو کر موت کا شکار ہو گیا جہاں کوئی مسلمان موجود نہ تھا۔ اس نے دم واپسیں اپنے عیسائی رفقائے سفر کو وصیت کی کہ میرا ترکہ میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ جب یہ دونوں وہ ترکہ وُرثاء کے پاس لائے تو اس میں چاندی کا ایک جام جس پر سونے کے نقش و نگار تھے اور قیمتی مال وہی تھا، نہ ملا۔

وارثوں نے کہا کہ مرحوم کے مال واسباب میں چاندی کا ایک پیالہ بھی تھا لیکن اب وہ مفقود ہے۔ انھوں نے کہا مرنے والے نے اسی قدر مال ہمارے سپرد کیا تھا۔ آخر مقدمہ سرکارِ نبوی میں پیش ہوا۔ آپ نے وُرثہ سے گواہ طلب کیے۔ چونکہ مدّعیوں کے پاس کوئی گواہ نہیں تھا، آپ نے شرعی قاعدے کے بموجب دونوں سے عدمِ خیانت و عدمِ کتمان پر قسم کھانے کو کہا۔ دونوں نے قسمیں کھالیں اور دعویٰ خارج ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد وُرثاء نے وہ جام مکہ معظمہ میں کسی شخص کے پاس دیکھا۔ پوچھا تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ اس نے کہا میں نے تمیم اور عدی سے خریدا ہے۔

مدّعیوں نے تمیم اور عدی سے کہا کہ تمہاری جھوٹی قسموں کی بنا پر ہمارا دعویٰ خارج ہو گیا تھا لیکن اب تمہاری خیانت ظاہر ہو گئی ہے۔ تم نے جام فلاں شخص کے پاس فروخت کیا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نے مرنے والے سے خرید لیا تھا مگر چونکہ ہماری خریداری پر کوئی گواہ نہیں تھا اس لیے ہم نے مجبوراً حقیقتِ حال ظاہر نہ کی۔ غرض یہ قضیہ از سرِ نو پیشگاہِ نبوی میں لایا گیا۔ چونکہ تمیم اور عدی کے پاس خریداری کا کوئی گواہ نہ تھا، آپ نے حسبِ قانونِ شریعت بنو سہم کے دو شخصوں سے جو مرحوم کے زیادہ قریبی رشتہ دار تھے قسم لی اور قسم کے مطابق مقدمہ اختتام پذیر ہوا۔ (بخاری، ترمذی، معالم التنزیل)۔

۱؎ بعض روایتوں میں عدی کے باپ کا نام براء لکھا ہے اور دوسری میں بداء ۱۲

تمیم داری تو اس واقعہ کے بعد مشرف باسلام ہو گئے لیکن عدی بن براء کے قبول اسلام کی کوئی روایت نظر سے نہیں گزری۔

فصل ۵

مسلمان اور ذمّی کی جان و مال میں مساوات

تین اختیارات

شریعت مطہرۂ اسلامیہ نے مقتول کے وُرثاء کو تین اختیارات دیئے ہیں: چاہیں تو معاف کر کے ورثاء سے قاتل کو مرہونِ منت بنائیں۔ چاہیں تو دیت یعنی خوں بہا لے لیں اور چاہیں تو قاتل کو قصاص میں قتل کر کے اپنے جذبۂ انتقام کو تسکین دیں۔ اس کے مقابلہ میں انگریزی قانون کا فلسفۂ انصاف ناقابلِ فہم ہے جس نے قتلِ عمد کے مرتکب کو لازماً سزائے موت دی اور اس بات کا قطعاً لحاظ نہ کیا کہ مقتول کے ستم رسیدہ ورثاء کس شکل میں داد خواہ ہیں۔ یا ان کی بھلائی کس بات میں ہے۔ حالانکہ مقتضائے انصاف یہ ہے کہ جن بلاکشوں کی دادرسی کے لیے قاتل پر دار و گیر کی جاتی ہے ان کی مرضی اور خواہش کو نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ اس کو ہر فیصلہ پر مقدم رکھا جائے۔

التزامِ قصاص کی ایک بڑی خرابی

انگریزی قانون قاتل سے قصاص لے کر جو انتقامی سلوک کرتا ہے اس میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ قاتل اور مقتول کے خاندانوں میں کینہ و عداوت کی پائدار تخم ریزی ہو جاتی ہے حالانکہ اگر مقتول کے اولیاء کو اختیار دیا جاتا کہ وہ دیت قبول کریں یا معاف کر دیں تو معاملہ یہیں ختم ہو سکتا تھا اور قاتل و مقتول کے خاندانوں میں کوئی کشیدگی باقی نہیں رہ سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ مرنے والا تو مر گیا۔ اب بعض مستثنیٰ حالات کو چھوڑ کر قاتل کی جان لینا مقتول کے پسماندوں کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا بلکہ

اس سے خاندانی عداوت کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر انھیں حقیقی نفع پہنچ سکتا ہے تو خونبہا لینے یا معاف کر دینے میں پہنچتا ہے۔

وُرثائے مقتول کی دوہری مصیبت

اس سے قطع نظر بعض صُورتوں میں انگریزی قانون قاتل سے قصاص لے کر مقتول کے پسماندوں کو دوہری مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ کسی والدین کے دو بیٹے ہیں۔ دونوں میں کسی بات پر نزاع ہوئی اور ایک بھائی نے دوسرے کی جان لے لی۔ اب انگریزی قانون ان کے دُوسرے بیٹے کو قصاص میں پھانسی کے تختہ پر لٹکا کر حرماں نصیب والدین کو دوسرے بیٹے سے بھی محروم کر دے گا۔ حالانکہ اگر شریعت اسلامیہ کے رُو سے تمام اختیار باپ کی مرضی پر محول ہوتا تو جہاں وہ بیچارہ ایک لخت جگر سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا وہاں دوسرے سے بھی محروم نہ کر دیا جاتا۔

یا فرض کیجیے کہ قاتل اور مقتول عم زاد بھائی ہیں، اور دونوں کے باپ بوجہ بھائی ہونے کے رنج وغنا میں برابر کے شریک ہیں۔ اب اگر قاتل کو مقتول کے باپ کی مرضی کے خلاف سزائے موت دی جائے تو قاتل اور مقتول دونوں کے خاندان دوہری مصیبت میں گرفتار ہوں گے اور دونوں گھرانوں پر دو چند بربادی مسلط ہو گی۔ غم نصیب چچا نہیں چاہتا کہ اس کے غلط کار بھتیجے کو قصاص میں قتل کرا کے اپنے بھائی کی خانہ بربادی کا سامان کرے۔ لیکن انگریزی آئین خواہ مخواہ قاتل کو سزائے موت دے کر دونوں بے گناہ بھائیوں کے دلوں کو یکساں مجروح کرتا ہے۔

مقتول کے غیر مُسلم اولیاء کو بھی تینوں اختیارات حاصل ہیں

لیکن اس بے انصافی کے خلاف مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کا مدار ہمیشہ مقتول کے اولیاء پر رکھتے تھے اور اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تمیز نہ تھی۔ اگر قاتل مسلمان اور مقتول غیر مسلم ہوتا تھا تو مقتول کے غیر مسلم ورثا کو بھی اختیار دیا جاتا تھا کہ قاتل سے قصاص لیں یا دیت قبول کریں یا معاف کر دیں۔

چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قبیلہ جذام

کے دو غیر مسلم قتل ہو گئے ۔ آپ نے مسلمانوں کے خون بہا کے برابر ان کی دیت دلوائی ۔ وہ دونوں ذمی یعنی آنحضرت کی رعیت تھے (ترمذی) ۔

خون بہا بعض علماء کے نزدیک ، دس ہزار درہم ، بعض کے نزدیک بارہ ہزار درہم اور بعض روایتوں کے بموجب سو اونٹ ہے ۔ درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ایک سکہ تھا ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ذمیوں کی جان و مال کو مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا ۔ کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت عمرؓ اس کے بدلے مسلمان کو قتل کرا دیتے تھے ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا ۔ حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ قاتل مقتول کے وارثوں کو دے دیا جائے چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا حوالے کیا گیا اور اس نے اس کو قتل کر ڈالا (الفاروق بحوالہ تخریج الہدایہ) ۔

جن ایام میں حضرت فاروق اعظمؓ شام تشریف لے گئے تھے انھیں وہاں خبر ملی کہ ایک مسلمان نے کسی ذمی کو قتل کر دیا ہے ۔ انہوں نے حکم دیا کہ مسلمان کو قتل کر دیا جائے ۔ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ بھی اس مجلس میں موجود تھے ۔ انہوں نے بڑی کوشش سے امیر المومنینؓ کو اس پر رضامند کیا کہ قتل کے بجائے خون بہا دلوا دیں ۔ چنانچہ حضرت زیدؓ مقتول کے وارثوں کے پاس گئے اور ان سے فرمایا کہ تمہارا آدمی مر چکا جو کسی طرح واپس نہیں آسکتا ۔ اگر تم قاتل کی جان لو گے تو اس سے تمہیں کیا حاصل ہوگا ؟ چنانچہ وہ خون بہا پر راضی ہو گئے اور حضرت زیدؓ نے قاتل سے دیت دلوا کر راضی نامہ کرا دیا (کنز العمال) ۔

فصل ۶

ذمیوں سے حسن سلوک کی تاکید

شفیق عالم کے ارشاداتِ گرامی

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمیوں یعنی ان غیر قوموں کو جو آپ کی عملداری میں رعایا کی حیثیت سے رہتے تھے ہر طرح سے پناہ دی اور ان سے مشفقانہ برتاؤ کیا اور اپنے پیرووں کو تاکید کی کہ ان سے نیکی اور احسان کا سلوک کریں چنانچہ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تم پر حرام کر دیا ہے کہ بلا اجازت اہلِ کتاب کے گھروں میں گھسو یا ان کے گھر والوں کو ستاؤ (ابوداؤد) اور فرمایا خبردار! جو شخص کسی ذمی (یعنی غیر مسلم رعیت) پر ظلم کرے یا اس کے حقوق میں دست اندازی کرے یا طاقت سے زیادہ اس سے کچھ (جزیہ) وصول کرے یا اس کی رضامندی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے تو میں قیامت کے دن خود اس شخص کے خلاف مدعی ہوں گا (ابوداؤد)۔

اور فرمایا کہ جس شخص نے کسی ایسے غیر مسلم کو قتل کیا جو دارالاسلام میں مسلمانوں کی رعایا ہو تو حق تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے (ابوداؤد) اور فرمایا کہ جو مسلمان کسی معاہد (غیر مسلم رعیت) کو مار ڈالے وہ بہشت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا حالانکہ بہشت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے آتی ہے (بخاری)۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان

امیر المومنین عمر فاروقؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو فتح شام کے بعد جو فرمان لکھا اس میں یہ الفاظ تھے:

وامنع المسلمین من ظلمهم	مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے کی ممانعت
والاضرار بهم واكل اموالهم	کرنا۔ نہ ان کو نقصان پہنچانے پائیں اور نہ بے جہ
الا بحلها ووف لهم بشرطهم	ان کا مال کھانے پائیں۔ اور تم نے ذمیوں سے

الذی شرطت لهم فی جمیع ما	جس قدر شرطیں کی ہیں سب وفا کرو۔
اعطیتهم (کتاب الخراج امام ابو یوسف رح)۔

جب حضرت عمرؓ کی رحلت کا وقت قریب پہنچا تو انہوں نے اپنے جانشین یعنی آیندہ ہونے والے خلیفہ کے لیے ایک مفصل وصیت لکھوا دی تھی۔ اس وصیت نامہ کو امام بخاریؒ ابو بکر بیہقی جاحظ اور بہت سے مؤرخوں نے نقل کیا ہے۔ اس کا اخیر فقرہ یہ ہے:

واوصيه بذمة الله و ذمة	میں ان لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں جن کو
رسوله ان يوفى لهم بعهدهم	خدا اور اس کے رسولؐ کا ذمہ دیا گیا ہے (یعنی ذمی)
وان يقاتل من وراءهم وان	کہ ان سے جو عہد ہے وہ پورا کیا جائے اور ان کی
لا يكلفوا فوق طاقتهم۔	حمایت میں لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے
(الفاروق بحوالہ بخاری)	زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔

ذمیوں کی ایذا رسانی پر وعید

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذمیوں کی حفاظت کا بڑا اہتمام تھا۔ وہ اضلاع کے حکام کو تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ ذمیوں پہ کسی طرح زیادتی نہ ہونے پائے۔ جب حضرت عمرؓ شام سے واپس آرہے تھے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑے ہیں اور ان کے سروں پر تیل ڈالا جارہا ہے۔ لوگوں سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ بتایا گیا کہ ان لوگوں نے جزیہ ادا نہیں کیا ہے۔ دریافت فرمایا کہ انہوں نے کیا عذر پیش کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ناداری۔ فرمایا کہ چھوڑ دو اور ان کو تکلیف نہ دو۔ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو۔ جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب پہنچاتے ہیں خدا قیامت میں ان کو عذاب پہنچائے گا (کتاب الخراج امام ابو یوسف رح)۔

فصل ۷

نادار ذمیوں کی کفالت

دُنیوی حکومتوں کو اس کا مطلق احساس نہیں ہوتا کہ افرادِ رعایا کس حال میں ہیں۔ کوئی مرے یا جیے ان کی بلا سے۔ لیکن اسلامی حکومت اس بات کی ذمہ دار ہے کہ رعیت کا کوئی فرد بھوکا نہ رہے بے کار و بے روزگار نہ پھرے۔ بھیک نہ مانگے۔ خلافتِ راشدہ کے ایامِ سعادت میں جو مسلمان ضعیف العمر اور کمزور ہو جاتا تھا اور اس میں معاش پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی تھی" بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔ یہی فیاضانہ رعایت غیر مسلم رعایا کے ساتھ بھی مرعی تھی۔

معذور اور اس کی نابالغ اولاد کا نفقہ بیت المال سے

عہدِ صدیقی میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حیرہ کی فتح میں وہاں کے غیر مسلموں سے جو معاہدہ کیا، اس میں یہ الفاظ بھی تھے:

"اور میں غیر مسلم رعایا کو یہ حق دیتا ہوں کہ اگر کوئی بوڑھا شخص کام کاج سے معذور ہو جائے یا اس پر کوئی آفت آ جائے۔ یا پہلے متموّل تھا اور پھر مفلس ہو گیا تو نہ صرف اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے گا بلکہ اس کو اور اس کی (نابالغ) اولاد کو اس وقت تک برابر بیت المال سے نفقہ ملتا رہے گا جب تک وہ مسلمانوں کی عملداری میں بود و باش رکھے گا۔ لیکن اگر وہ دارالاسلام کو چھوڑ کر کسی دوسری سرزمین میں چلا جائے گا تو مسلمانوں پر اس کا نفقہ واجب نہ ہوگا" (کتاب الخراج)۔

بُڈھے یہودی کی دریوزہ گری پر حکّام سے استفسار

ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رض جابیہ تشریف لے گئے۔ ایک پیرِ کہن سال یہودی کو

بھیک مانگتے دیکھا مسلمان حکام سے پوچھا کہ یہ بھیک کیوں مانگتا ہے؟ انہوں نے کہا بڑھاپے کی وجہ سے کام کرنے کے قابل نہیں رہا۔ امیرالمومنینؓ نے دریافت کیا کہ کیا جوانی میں اس سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں۔ فرمایا کہ جوانی میں تو تم اس سے جزیہ وصول کرتے رہے۔ لیکن جب بوڑھا اور ناکارہ ہوگیا تو اس کو کس مپرسی کے عالم میں چھوڑ دیا ہے؟ یہ فرما کر اس یہودی کا وظیفہ بیت المال سے مقرر کر دیا (کنزالعمال)۔

اسی طرح ایک مرتبہ خلیفۂ ثانیؓ نے ایک بوڑھے غیرمسلم کو دیکھا کہ مساجد کے دروازوں پر دریوزہ گری کر رہا ہے۔ اس سے فرمایا کہ "بڑے صاحب! ہم نے تم سے انصاف نہیں کیا۔ جوانی میں تو تم سے جزیہ لیتے رہے لیکن جب تم ضعیف ہوگئے تو تمہاری خبر نہ لی۔ پھر بیت المال سے اس کی تنخواہ مقرر کر دی (کنزالعمال)۔

امیرالمومنین کے اس ارشاد کا کہ بڑھاپے میں ہم نے تمہاری خبر نہ لی یہ مطلب تھا کہ ضعفاء اور مفلوک الحال لوگوں کی ضروریاتِ زندگی ہمیشہ سرکاری خزانہ سے ادا ہونی چاہییں۔ حکام پر رعایا کے دکھ سکھ کا خیال رکھنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح مہربان والدین کو اولاد کا خیال رہتا ہے۔

فصل ۸

محصول جزیہ

جزیہ کا منشأ و مقصد اسلامی عملداری میں غیرمسلم رعایا سے ان کی جان و مال کی حفاظت کے لیے جو محصول لیا جاتا ہے اس کو جزیہ کہتے ہیں۔ ایک حدیث میں جزیہ کا مقصد یہ بتایا گیا ہے:

بَذَلُوْا اَمْوَالَهُمْ لِيَكُوْنَ دِمَاؤُهُمْ	ذمّی اس لیے جزیہ دیتے ہیں کہ ان کی جان، مال
كَدِمَائِنَا وَاَمْوَالِنَا	ہماری جان و مال کی طرح محفوظ رہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایا دو طبقوں پہ منقسم تھی۔ مسلم اور ذمّی۔ مسلمانوں پر فوجی خدمت اور شرکتِ جنگ لازمی تھی اور ذمّی اس خدمت سے قطعاً آزاد تھے۔ آج کل فوجی آدمی تنخواہ پر نوکر رکھے جاتے ہیں اور انھیں فوجی لباس، سواری اور سامانِ حرب سب حکومت کی طرف سے مفت ملتا ہے اور لڑائی کے زمانہ میں ان کی تنخواہ بھی زمانۂ امن کی نسبت دو چند یا شاید اس سے بھی زیادہ ملتی ہے۔

لیکن عہدِ رسالت میں نہ تو مجاہدوں کو کوئی تنخواہ ملتی تھی، نہ انھیں کوئی سواری مہیا کی جاتی تھی اور نہ ان کے لیے اسلحہ فراہم کیے جاتے تھے۔ بلکہ اس بے تنخواہ فوج کو لڑائی پر جاتے وقت سواری، اسلحۂ جنگ اور خوراک کا بھی خود ہی انتظام کرنا پڑتا تھا۔ آج کل فوجی سپاہی باقاعدہ تنخواہ پاتے ہیں اس لیے اس فکرِ معاش سے آزاد ہیں۔ انھیں امن کی حالت میں گھنٹہ دو گھنٹہ قواعد پریڈ کر لینے کے سوا کوئی کام نہیں کرنا پڑتا۔

لیکن اسلام کے صدرِ اوّل میں اہلِ فوج جو محض رضاکار رہتے تھے دُوسرے لوگوں کی طرح اپنی معاش کے دھندوں میں مصروف رہتے تھے۔ اور جس طرح وہ اپنی کمائی سے دوسرے حوائجِ زندگی پُورے کرتے تھے، اسی طرح ان پر اپنی آمدنی میں سے غزا کے لیے سواری اور اسلحہ کی خریداری بھی لازم تھی۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ضروریاتِ جنگ کے لیے انھی کی جیبوں سے سیکڑوں ہزاروں روپوں کی امداد وصول کی جاتی تھی۔ یہ سب مصارف اور ذمّہ داریاں صرف مسلمانوں پر عائد تھیں۔ غیر مسلم رعایا کو ان سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ذمّیوں سے جزیہ کے سوا کسی قسم کا استثنائی محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ فوجی خدمت کے لازمی ہونے کے علاوہ مسلمانوں سے زکوٰۃ بھی وصول کی جاتی تھی جس کی مقدار جزیہ سے بہت زیادہ تھی یعنی ہر سال مال کا چالیسواں حصہ۔

مزید براں مسلمانوں کی جان اعداء کی مسلسل یورشوں اور ان سے متصادم رہنے کے باعث ہمیشہ

جو کم میں رہتی تھی لیکن ذمی ہر طرح سے حفظ و امن میں تھے۔ راحت کی زندگی بسر کرتے اور چین کی نیند سوتے تھے۔ دُنیوی حکومتیں غیر مذاہب کی پیروی کرنے والی رعایا کو بھی جنگ کے وقت زبردستی پکڑ کر آتشِ جنگ میں جھونک دیتی ہیں لیکن اسلامی سلطنتوں میں بالعموم اور اسلام کے قرونِ اولیٰ میں بالخصوص کسی ذمی سے کبھی شرکتِ جنگ کا مطالبہ نہ کیا گیا۔

ایک عیسائی ذمی کی دریدہ دہنی

حضرات! اسلام نے اپنی غیر مسلم رعایا کو یہ کتنی بڑی آسائش اور سہولت بخشی ہے کہ وہ ایک برائے نام محصول ادا کرکے نہایت اطمینان کی زندگی بسر کریں اور نہ صرف خود ہر آفت سے مامون رہیں بلکہ اپنے مذہب اور عبادت گاہوں کو بھی ہر طرح اعداء کی دستبرد سے محفوظ رکھیں۔

مصر میں حضرت عزفہ بن حارث کندی رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔ ایک مصری عیسائی نے ان کے سامنے سیدِ موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالی دی۔ انھوں نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ عیسائی نے مصر کے عامل حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس جاکر استغاثہ کیا۔ انہوں نے حضرت عزفہ رضؓ کو طلب کیا اور بازپرس کی۔ انہوں نے واقعہ بیان کیا۔ ابن عاص رضؓ نے کہا "ذمیوں سے ان کے حفظ و امن کا معاہدہ ہو چکا ہے اور ہم شرعاً مامور ہیں کہ ان کی ہر طرح سے حفاظت کریں"۔

حضرت عزفہ رضؓ نے کہا معاذ اللہ! غیر مسلم رعایا کو ہرگز یہ اجازت نہیں دی گئی ہے کہ خدا کے برگزیدہ رسول ؐ کے خلاف علانیہ دریدہ دہنی کریں۔ ان سے یہ معاہدہ ہے کہ اپنے گرجاؤں میں جو کچھ چاہیں کریں اور اگر ان پر کوئی دشمن چڑھ آئے تو ہم ان کی طرف سے سینہ سپر ہو کر لڑیں۔ جناب عمرو بن عاص رضؓ نے کہا ہاں یہ سچ ہے (اُسد الغابہ)۔

جزیہ کی مقدار

ان حالات میں ظاہر ہے کہ اگر غیر مسلموں سے ان کی حفاظت جان و مال کے معاوضہ میں اور ہر طرح کے سکھ اور چین کے مقابلہ میں ایک برائے نام ٹیکس وصول کیا جاتا تھا تو دنیا کا کوئی ذی شعور انسان اس کو غیر معقول نہ قرار دے گا۔ اور پھر جب اس ٹیکس کی مقدار کا لحاظ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل صفت کے برابر تھا یعنی عام لوگوں کے

لیے صرف بارہ درہم (تین روپے سے کچھ زائد) سالانہ مقرر تھے اور متوسط طبقہ سے چوبیس درہم (چھ روپے سے کچھ زائد) اور متموّل و سرمایہ دار ذمیوں سے اڑتالیس درہم (بارہ تیرہ روپے) سالانہ وصُول کیے جاتے تھے۔

اور یہ اقلِ قلیل رقم صرف ان غیر مسلموں سے وصُول کی جاتی تھی جو صاحبِ استطاعت، تندرست اور کاروبار کرنے کے قابل تھے۔ عورتیں، بچے، بوڑھے، گوشہ نشین، مذہبی پیشوا، عبادت گذار، تارک الدنیا فقراء، بیمار، معذور، اپاہج اور اس قبیل کے دُوسرے لوگوں کو جزیہ قطعاً معاف تھا۔ اور پھر جزیہ کی اس حقیر سی رقم کی وصُولی میں بھی سخت احتیاط برتی جاتی تھی۔ اگر کوئی ذمّی کمزور ہو جاتا تھا تو اس کو یہ ٹیکس معاف کر دیا جاتا تھا۔

فصل ۹

انگریزی حکومت کے ٹیکس

اب اسلامی محصُولِ جزیہ کا (جس پر اعتراض کیا جاتا ہے) ذرا اُن رُوح فرسا و جاں گُسل ٹیکسوں سے مقابلہ کرو جو انگریزی حکومت متحدہ ہندوستان میں رعایا سے وصُول کرتی تھی۔ ملاحظہ ہو:

بابت سنہ ۱۹۴۶ء - سنہ ۱۹۴۷ء

رقم آمدنی سالانہ	انکم ٹیکس سالانہ	رقم آمدنی سالانہ	انکم ٹیکس سالانہ
۳۰۰۰ روپیہ	روپے ۹۳ — آنے ۱۲	۱۰۰۰۰ روپیہ	روپے ۸۴۳ — آنے ۱۲
۴۰۰۰ ″	۱۵۶ — ۴	۱۵۰۰۰ ″	۱۹۳۷ — ۸
۶۰۰۰ ″	۳۴۳ — ۱۲	۲۰۰۰۰ ″	۲۵۰۰ — ۰
۸۰۰۰ ″	۵۹۳ — ۱۲	۲۵۰۰۰ ″	۵۰۶۲ — ۸

اگر آمدنی ۲۵ ہزار روپیہ سالانہ سے اوپر ہوتی تو انکم ٹیکس کے ساتھ سُپر ٹیکس بھی لگا دیا جاتا تھا، چنانچہ ۲۵ ہزار روپیہ سے زائد آمدنی پر جو ٹیکس اور سُپر ٹیکس عائد ہوتا تھا، اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

آمدنی سالانہ	ٹیکس سالانہ	سپر ٹیکس سالانہ	میزان
۳۵۰۰۰ روپیہ	۸۱۸۷ روپے ۸ آنے	۱۲۵۰ روپیہ	۹۴۳۷ روپے ۸ آنے
۴۵۰۰۰ 〃	۱۱۳۱۲ — ۸	۳۱۲۵ 〃	۱۴۴۳۷ — ۸
۶۰۰۰۰ 〃	۱۶۰۰۰ — ۰	۶۸۷۵ 〃	۲۲۸۷۵ — ۰
۸۰۰۰۰ 〃	۲۱۲۵۰ — ۰	۱۳۱۲۵ 〃	۳۴۳۷۵ — ۰
۱۱۰۰۰۰ 〃	۳۱۶۲۵ — ۰	۲۴۳۷۵ 〃	۵۶۰۰۰ — ۰
۱۵۰۰۰۰ 〃	۴۴۱۲۵ — ۰	۴۱۸۷۵ 〃	۸۶۰۰۰ — ۰
۲۰۰۰۰۰ 〃	۵۹۷۵۰ — ۰	۶۶۸۷۵ 〃	۱۲۶۶۲۵ — ۰
۲۵۰۰۰۰ 〃	۷۵۳۷۵ — ۰	۹۵۰۰۰ 〃	۱۷۰۳۷۵ — ۰
۳۵۰۰۰۰ 〃	۱۰۶۶۲۵ — ۰	۱۵۴۳۷۵ 〃	۲۶۱۰۰۰ — ۰
۵۰۰۰۰۰ 〃	۱۵۳۲۵۰ — ۰	۲۴۸۱۲۵ 〃	۴۰۱۰۲۵ — ۰
۶۰۰۰۰۰ 〃	۱۸۴۷۵۰ — ۰	۳۱۳۷۵۰ 〃	۴۹۸۵۰۰ — ۰
۱۲۰۰۰۰۰ 〃	۳۷۲۲۵۰ — ۰	۷۰۷۵۰۰ 〃	۱۰۷۹۷۵۰ — ۰

زائد منافع کا ٹیکس

اس کے یہ معنی ہوئے کہ اگر تاجر یا کارخانہ دار کو لاکھ روپیہ ماہانہ کی آمدنی تھی تو اس میں سے نوّے ہزار روپے انگریز کے تھے اور کل دس ہزار روپے مالک یا مالکوں کو ملتے تھے۔

یورپ کی دوسری عالمگیر جنگ میں جو ۱۹۳۹ء سے لے کر ۱۹۴۵ء تک برپا رہی انکم ٹیکس اور سپر ٹیکس کے علاوہ ایک اور ٹیکس کی بلائے بے درماں بھی مسکین ہندیوں پر مسلط کر دی گئی تھی جسے زائد منافع کا ٹیکس کہتے تھے

فصل ۱۰

مسلم رعایا پر ذمّہ داریوں کا بارِ عظیم

اسلام نے ازراہ عدل پروری غیر مسلم رعایا پر جزیہ کے برائے نام ٹیکس کے سوا کسی قسم کی کوئی ذمّہ داری ہی نہیں رکھی حالانکہ مسلم رعایا فرائض اور ذمّہ داریوں کے بارِ عظیم کے نیچے دبی ہوئی ہے اور مسلمان بوقتِ ضرورت زر و مال تو کجا جان تک حاضر کر دینے کا مامور ہے۔ اب اخبر میں غزوۂ تبوک کے متعلق ایک طویل حدیث سپردِ قرطاس کی جاتی ہے جس سے معلوم ہو گا کہ مسلم رعایا پر اعلاء کلمۃ اللہ اور حفظ و دفاعِ ملک کی کتنی ذمّہ داریاں عائد کی گئی ہیں اور کسی مسلمان کا اپنے قومی اور ملّی فرائض سے پہلو تہی کرنا کتنا بڑا جرم ہے۔

قیصرِ روم کی چڑھائی کی متوحش خبریں

تبوک ایک مقام ہے جو مدینہ منوّرہ سے شام کو جاتے ہوئے پندرہ سولہ منزل کی مسافت پر ہے۔ مدینۃ الرسولؐ میں متواتر اس قسم کی متوحش خبریں آنے لگیں کہ ہرقل قیصرِ روم، قبائل لخم، جذام، عاملہ، غسان اور تنوخ کو گانٹھ کر مدینہ کی غارت و تاراج کا عزمِ صمیم رکھتا ہے۔ اور اس کا ایک سپہ سالار قباد ہزار جوان کی جمعیت سے بحیثیت مقدمۃ الجیش شہر بلقا کے قریب پہنچ گیا ہے۔

جیش العسرۃ

یہ خبریں سُن کر حضرت سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب مسلمان طیار ہو جائیں۔ اس وقت سخت گرمی پڑ رہی تھی اور نخلستان کی فصل طیار کھڑی تھی۔ چونکہ دشمن بہت قوی تھا اور لشکرِ اسلام ابھی ابھی فتحِ مکّہ اور جنگِ حُنین سے فارغ ہو کر آیا تھا نفاق پیشہ لوگ طرح طرح کی حیلہ جوئیاں کرنے لگے۔ بعض سچے مسلمانوں نے بھی کھیتی باڑی اور پکی ہوئی فصل کے ضائع ہو جانے کا عذر کیا لیکن چند منافقوں کے سوا سب کے عذر نامقبول ہوئے اور ہر ایک کو جانا پڑا۔ غزوۂ تبوک آپ کا آخری غزوہ تھا۔ چونکہ اس وقت عرب

میں سخت قحط پڑا ہوا تھا اور لڑائی کا کوئی سامان نہ تھا اس لیے اس غزوہ کو جیش العسرۃ بھی کہتے ہیں۔

سازوسامان فراہم کرنے والوں کے لیے جنت کا مژدہ

حضور سید کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ کسی غزوہ کا عزم فرماتے تو صاف صاف اظہار نہ فرماتے کہ کہاں کا قصد ہے۔ لیکن اس مرتبہ آپ نے خلاف معمول روانگی سے کئی دن پہلے اپنی منزل مقصود کا اظہار فرما دیا تھا۔ چونکہ مقابلہ دنیا کے سب سے بڑے فرمانروا قیصر روم سے تھا اور لشکر گراں اور بہت بڑے سازوسامان کی ضرورت تھی اس لیے پیشوائے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر اعلان فرمایا کہ جو کوئی اس جیش العسرت کا سازوسامان کر دے اس کے لیے جنت ہے۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ کی پیشکش!

عثمان ذوالنورین رضؓ نے ایک ہزار اشرفی، تین سو اُونٹ جھولوں اور کجاووں سمیت اور پچاس گھوڑے مع سازوسامان لاکر حاضر خدمت کیے۔ آپ حضرت عثمانؓ سے اس درجہ خوش ہوئے کہ اشرفیوں کو دامن میں لیے ہوئے ہاتھ سے بھراتے تھے اور فرماتے تھے کہ آج کے بعد عثمانؓ کو کوئی معصیت ضرر نہ کرے گی یعنی خدائے برتر ان کے سب گناہ معاف کر دے گا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے چالیس اُوقیہ سونا نذر گزرانا۔ اوقیہ چالیس درہم کا اور درہم ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے ہمارے ۸۰ تولہ کے سیر کے بموجب کل سونا پانچ سیر تیرہ چھٹانک دو تولہ ہوا۔ حضرت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم جناب عبدالرحمٰنؓ سے بھی بہت خوش ہوئے اور انہیں جنت کی بشارت دی۔

صدیق اکبرؓ کا کُل اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کا نصف مال لا حاضر کرنا

اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اپنا نصف مال لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اہل عیال کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کیا یارسول اللہ! نصف

مال گھروالوں کے لیے چھوڑ آیا ہوں اور نصف فی سبیل اللہ حاضر کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے جو کچھ گھر میں تھا سب لاکر نذر کیا۔ آنجنابؐ نے دریافت فرمایا بال بچوں کے لیے کیا چھوڑ آئے؟ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! بال بچوں کے لیے تو خدا اور اس کے رسولؐ کو چھوڑ آیا ہوں۔ آپ نے دونوں حضرات سے اظہار خوشنودی فرماکر مژدۂ جنت سنایا۔

اس کے بعد حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زُبیر بن عوّام، حضرت سعد بن عبادہ انصاری، حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہم اور دُوسرے حضرات بھی اپنے اپنے مقدور کے موافق رقمیں لالاکر خدمت اقدس پیش کرتے رہے۔ بہت سی مخدّرات عالیہ نے اپنے اپنے زیور بھیج دیے۔

ثنیّۃ الوداع میں لشکر کا اجتماع

اب آپ نے حکم دیا کہ سب لوگ ثنیۃ الوداع میں جمع ہوں۔ آپؐ نے مدینہ منورہ میں ولایت مآب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو اپنے اہل و عیال کی نگرانی پر متعین فرمایا اور مسجد نبوی کی امامت حضرت عبد اللہ بن اُمِّ مکتومؓ کے سپرد کی اور خود ثنیۃ الوداع تشریف لے جاکر لشکر کا جائزہ لیا۔ تیس ہزار مجاہد، دس ہزار گھوڑے اور بارہ ہزار اُونٹ شمار میں آئے۔ آپ نے لشکر کا قائد اعظم حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مقرر فرمایا۔ رایتِ کبریٰ حضرت زبیرؓ کو بخشا۔ قبیلۂ اوس کا لوا حضرت اُسید بن حضیرؓ کو اور قبیلۂ خزرج کا جھنڈا حضرت ابودجانہؓ کو عنایت فرمایا۔

حضرت علی مرتضیٰؓ پر منافقوں کا طعن

منافقین جنہوں نے لشکر کی رفاقت نہیں کی تھی حضرت علی مرتضیٰؓ کی جانشینی پر طعن کرنے لگے کہ علی مرتضیٰؓ کی رفاقت آں سرورؐ کو ناگوار تھی اس لیے ان کو ساتھ نہ لیا۔ یہ سن کر حضرت علیؓ بہت ملول ہوئے اور جھٹ مسلح ہو کر لشکر سے جا ملے اور پیش گاہ نبویؐ میں منافقوں کی طعنہ زنی کا ذکر کر کے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں پر خلیفہ کیے جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا علی! اس میں کچھ تمہاری کسرِ شان نہیں ہے۔ دیکھو! حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کوہِ طور پر جاتے وقت اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو خلیفہ کر گئے تھے۔ سو تم بھی میرے لیے وہی حیثیت رکھتے ہو جو ہارونؑ کی موسیٰ

علیہ السلام کے نزدیک تھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہارون نبی تھے اور تم نبی نہیں ہو" یہ ارشاد سن کر حضرت علیؓ مدینہ منورہ لوٹ آئے اور اس کے بعد منافقوں کے طعن پر کبھی التفات نہ فرمایا۔"

رئیس المنافقین اور اس کے منافق ساتھیوں کی مراجعت

جب لشکرِ اسلام ثنیۃ الوداع میں تھا تو رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی اپنے نفاق پسند اشرار کو ساتھ لے کر شہر کو لوٹ آیا۔ ان منافقوں کی تفضیح میں سورۂ براءۃ نازل ہوئی۔ ان کی مراجعت کے بعد آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے مجھے اشرار کی فتنہ انگیزیوں سے بچالیا۔ ورنہ ان کی شرارتیں اور فتنہ انگیزیاں ہر وقت اور ہر جگہ اہلِ ایمان کے لیے سوہانِ رُوح بنی رہتیں۔

کعبؓ بن مالک انصاری کا تخلّف

انصارِ مدینہ جو عموماً زراعت پیشہ لوگ تھے اپنے پکے پھلوں اور میووں کو اسی طرح چھوڑ کر سردارِ دو جہان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ روانہ ہو گئے تھے۔ مدینہ منورہ میں ایک انصاری صحابی حضرت کعب بن مالک نے بھی گو اس غزوہ کے لیے دو اُونٹ خرید لیے تھے لیکن کوچ کے وقت تم کاب نہ ہوئے اور آپ تیس ہزار جان نثاروں کے ساتھ تبوک کو روانہ ہو گئے۔ حضرت کعب بن مالک روزمرہ چلنے کا تہیہ کرتے لیکن پھر سوچتے کہ جب چاہوں گا، تیار ہو کر پیغمبر علیہ السلام سے جا ملوں گا۔ غرض اسی لیت و لعل میں رہے اور حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے تبوک پہنچنے کی خبر آگئی۔

حضرت کعبؓ کا تأسف

حضرت کعب بن مالکؓ شہر میں نکلتے تو بوڑھوں، بچوں اور منافقوں کے سوا کوئی نظر نہ آتا۔ یہ دیکھ کر ورطۂ غم میں پڑ جاتے اور یہ خیال ہر وقت ان کے لیے سوہانِ رُوح بنا رہتا کہ تنومند اور صحیح و سالم ہونے کے باوجود پیچھے رہ گیا۔ بار بار بصد اندوہ کہتے تھے کہ افسوس! خدا کا برگزیدہ رسولؐ تو سفر کی صعوبتیں اُٹھائے اور میں اپنے اہل و عیال میں عیش و راحت کے دن بسر کروں؟

مجلس نبویؐ میں کعبؓ کا ذکرِ خیر

تبوک پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اس سفر میں کعب بن مالک کہیں نظر نہیں پڑے۔ بنو سلمہ کے ایک شخص نے کہا یارسول اللہ! خانگی دلچسپیوں نے یہاں آنے کی اجازت نہ دی ہو گی۔ یہ سُن کر حضرت معاذ بن جبل انصاری ؓ بولے یہ بات غلط ہے۔ ہم نے کعب بن مالکؓ میں آج تک کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس میں بُرائی کا کوئی شائبہ ہو۔" یہ سُن کر آپ خاموش ہو گئے۔

تبوک میں دو ماہہ قیام

جب لشکرِ اسلام تبوک پہنچا ہے تو اس وقت وہاں قیصری سپاہ یا دوسرے اعداء میں سے کسی کا نام ونشان نہ تھا۔ آپ نے وہاں دو مہینے قیام فرمایا۔ گو قیصری افواج یا دُوسرے دشمنانِ ملّت کی مقہوری کا کوئی موقع ہاتھ نہ آیا لیکن اس دو ماہہ قیام سے شوکتِ اسلام کا شہرہ اطراف واکنافِ مملکت میں پھیل گیا اور دشمنوں کے دل ہیبت وسطوتِ نبیؐ سے لرزنے لگے۔ چونکہ قیصر کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی مرسل ہونے کا یقین کامل تھا اس لیے مقابلہ پر نہ آیا۔

قیصر کے دل میں قبولِ اسلام کی رغبت

قیصر نے اس کی بجائے چند ذی علم مخبر اس غرض سے لشکرِ اسلام میں بھیج دیئے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات کا مشاہدہ کر کے آپ کے دعوائے نبوت کے صدق یا کذب کے متعلق اس کو اطلاع دیں۔ مخبروں نے علامات وشواہد سے آپ کے نبی آخر الزمان ہونے کا یقین کیا اور قیصر کے پاس جا کر تمام علمی شہادات عرض کر دیے۔ اس وقت قیصر کے دل میں از سرِ نو داعیۂ اسلام پیدا ہوا لیکن قوم کی مخالفت کا خیال قبولِ حق سے مانع رہا۔ آپ نے دو مہینہ کے بعد اصحاب باصفا کے اتفاق رائے سے مرکزِ نبوت کو عود فرمایا۔

کعبؓ بن مالک گردابِ تفکّر میں

جب آپ کے مراجعت فرما ہونے کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو حضرت کعب بن مالکؓ گردابِ تفکّر میں غوطے کھانے لگے۔ اسی ہجومِ افکار میں گھر کے لوگوں سے مشورے کرتے رہے کہ حضور سیّد کونین

صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی سے بچنے کی کیا تدبیر ہے، اور لوگوں سے بھی اس بارہ میں مشورے ہوئے لیکن طبیعت کوئی قطعی رائے قائم نہ کرسکی۔

انجام کار یہ خیال دل میں موج زن ہونے لگا کہ سخن سازی سے کام لے کر حضورؐ کے غصہ سے نجات حاصل کی جائے اور یہی خیال پختگی اختیار کرنے لگا۔ لیکن جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے تو یہ تمام وسوسے دل سے دُور ہوگئے اور تہیہ کرلیا کہ چاہے کچھ ہو سچ ہی بولیں گے۔ رسول اللہ کے سامنے جھوٹ بول کر کوئی شخص فلاح نہیں پا سکتا۔

مُتخلّفین کے عُذر قبول فرمانا

جب سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو وہ لوگ معذرت کے لیے حاضر ہوئے جو شریک غزا نہ ہوئے تھے۔ تخلّف کرنے والے بعض معذور، بعض غیر معذور اور اکثر منافق تھے۔ تین صحابی وہ تھے جو بلا عذر نہ گئے تھے۔ پیچھے رہنے والے افراد اسّی سے کچھ زیادہ تھے۔ پہلے وہ لوگ حاضر ہوئے جو واقعی معذور تھے یا منافق تھے۔ آپ نے سب کے عذرات قبول فرمائے۔

مرارہؓ اور ہلالؓ کا اعترافِ گناہ

اس کے بعد حضرت مرارہ بن ربیع اور حضرت ہلال بن اُمیّہ (رضی اللہ عنہم) بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ صدق وعفاف صحابۂ کرامؓ کے دستارِ فضل وکمال کا نہایت خوبصورت طرّہ تھا اور روزگارِ گیتی آج تک کوئی ایسی جماعت پیدا نہیں کرسکی جو تقویٰ، طہارت اور صدق بیانی میں ان نفوسِ مطہرہ کا جواب ہو۔ جب آپ نے دریافت فرمایا کہ تم دونوں کیوں شریک جہاد نہ ہوئے؟ تو انہوں نے سچ سچ کہہ دیا کہ فی الحقیقت عذر کوئی نہیں تھا، یوں ہی جانے میں تساہل ہوگیا۔

بارگاہِ نبوّت سے چلے جانے کا حکم

باوجودیکہ حلم وعفو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس دنیا جہان کے لیے رہنما تھی لیکن جب کوئی شخص کسی فریضۂ خداوندی کے بجا لانے میں کوتاہی کرتا آپ اس سے اعراض فرماتے اور جب تک

اس کے متعلق حکمِ خداوندی نازل نہ ہوتا اس سے التفاتِ تعلقات فرمائے رہتے۔ دونوں کا اعتراف سُن کر آپ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو یہاں سے چلے جاؤ تا آنکہ حق تعالیٰ تمہارے متعلق کوئی فیصلہ صادر فرمائے۔ یہ دونوں روتے ہوئے اُٹھ کر چلے آئے۔

کعبؓ کی راست بیانی

اس کے بعد حضرت کعب بن مالکؓ ترساں و لرزاں حاضر ہوئے۔ آپ ان کو دیکھ کر ایسے انداز میں مسکرائے جس سے ناراضی مترشح ہوتی تھی۔ پھر فرمایا کہو غزوہ میں کیوں شریک نہ ہوئے؟ کیا سواری نہ خریدی تھی یا کوئی اور عذر تھا؟ حضرت کعبؓ بڑے شاعر اور مقرر تھے۔ لیکن کہنے لگے یا رسُولؐ اللہ! اگر کوئی دُنیوی حاکم ہوتا تو میں سو طرح کی باتیں بنا کر اس کو راضی کر لیتا لیکن حضُورؐ کے سامنے جھوٹ بول کر میری نجات نہیں ہو سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے کوئی عذر درپیش نہ تھا۔ آپ نے فرمایا اچھا یہاں سے چلے جاؤ اور انتظار کرو کہ حق تعالیٰ تمہارے متعلق کیا حکم صادر فرماتا ہے۔

تین بزرگ ہستیوں کا معتوب ہونا

جب کعب وہاں سے اُٹھ کر چلے تو قبیلہ بنو سلمہ کے چند آدمی ان سے جا ملے اور کہنے لگے تعجب ہے کہ تم ایک شاعر اور مقرر ہو کر کوئی عذر پیش نہ کر سکے۔ اگر دوسرے لوگوں کی طرح کسی مانعِ شرکت کا اظہار کر دیا ہوتا تو آج معتوب نہ ہوتے اور ہم نہیں سمجھتے کہ اس سے پہلے تم نے کبھی کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہو۔ اگر رسُولؐ اللہ کے غصّہ سے بچنے کے لیے کوئی بات بنا لیتے تو تمہارے گناہ کے لیے حضُور کا استغفار کافی تھا۔

حضرت کعبؓ نے دریافت کیا کہ کیا میری طرح کسی اور پر بھی عتاب ہوا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ دو آدمی مرارہ بن ربیع اور ہلال بن اُمیّہ (رضی اللہ عنہما) بھی کوئی عذر پیش نہ کر سکے اس لیے وہ بھی معتوب ہیں۔ یہ دونوں بزرگ نہایت صالح اور نیک نفس تھے۔ دونوں نفوسِ صالحہ کو غزوۂ بدر میں حضُورؐ کی رفاقت کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔

معتوبین سے ہمکلام ہونے کا عام امتناع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ

کوئی مسلمان ان تینوں سے ہمکلام نہ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اتنا کلمہ نکلنے کی دیر تھی کہ اپنوں بیگانوں سب نے قطع تعلق کر لیا اور در و دیوار سے نفرین کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ حضرات مرارہ اور ہلال رضؓ نے اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ کر رونا شروع کیا۔ پیغمبر خدا کی ناراضی اور خدائے عزیز و برتر کی ہیبت و جلال کا خیال کر کر کے دونوں حواس باختہ ہو گئے۔ روتے تھے اور نفس خیرہ سر کو ملامت کرتے تھے کہ جانے میں کیوں سستی کی؟

زندگی کا وبالِ جان ہونا

لیکن کعبؓ جوان اور مضبوط آدمی تھے۔ گو دل پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا تھا تاہم پانچوں وقت مسجد نبوی میں حاضر ہوتے۔ نماز کے بعد آنسرورؐ کو سلام کرتے اور دیکھتے کہ حضورؐ کے لب مبارک کو جواب کے لیے جنبش ہوئی یا نہیں؟ لیکن آپ ان کی طرف سے منہ پھیر لیتے اور یہ بصد قلق واندوہ چلے آتے۔ بازار سے گذرتے تو ہر شخص کے منہ پر مُہرِ سکوت لگی ہوتی۔ اور تو اور گھر والوں کا بھی یہی برتاؤ تھا۔ غرض زندگی وبالِ جان ہو گئی اور زمین و آسمان وحشت و بیگانگی کا گہوارہ بن گئے۔

عم زاد بھائی کی بے رُخی

ایک دن وحشتِ دل جو اُبھری تو اپنے عم زاد بھائی حضرت ابو قتادہ رضؓ کے باغ میں جا پہنچے جن سے بڑی محبت تھی۔ ان کو سلام کیا لیکن انہوں نے جواب تک نہ دیا۔ حضرت کعبؓ نے دو مرتبہ قسم دے کر کہا کیا تم نہیں جانتے کہ میں اللہ اور اس کے رسولِ پاکؐ کو محبوب رکھتا ہوں؟ اُنہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ آخر تیسری مرتبہ قسم دے کر پوچھا تو حضرت ابو قتادہ رضؓ رُخ پھیر کر صرف اتنا بولے کہ "اللہ اور اس کے رسولؐ کو خبر ہو گی"۔ حضرت کعبؓ کو اس جواب سے سخت مایوسی ہوئی۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور کہنے لگے اللہ اللہ! اب میرے ایمان و اسلام کی شہادت دینے والا بھی کوئی نہیں۔ حضرت کعبؓ سخت افسردگی کے عالم میں وہاں سے لوٹ آئے۔

حضرت کعبؓ کے نام عیسائی فرمانروا کا خط

اس کے بعد جب حضرت کعبؓ بازار میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک نبطی جو شام کا

باشندہ ہے ان کی تلاش میں ہے۔ لوگوں نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ کعب بن مالک وہ آرہے ہیں۔ اس کے پاس ایک سربمہر خط تھا جو شاہِ غسان نے بھیجا تھا۔ حضرت کعبؓ نے خط لے کر پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم پر ظلم کیا ہے حالانکہ تم کسی ذلیل گھرانے میں پیدا نہیں ہوئے ہو۔ مناسب ہے کہ تم ہمارے پاس چلے آؤ ہم تمہاری حیثیت اور درجہ کے مطابق تمہاری عزت افزائی کریں گے۔" لیکن ظاہر ہے کہ ایسی باطل ترغیبات سے ثبات و استقلال کا دامن رسول اللہ کے ایک تربیت یافتہ کے ہاتھ سے کسی طرح چھوٹ نہیں سکتا تھا۔ حضرت کعبؓ خط پڑھ کر کہنے لگے یہ اور مصیبت آئی کہ اغیار کو ہمارے راہِ حق سے پھر جانے کی طمع دامن گیر ہو گئی ہے۔ یہ کہہ کر اس چٹھی کو تنور میں جھونک دیا جس سے شعلے اٹھ رہے تھے۔

بیویوں سے علیحدگی اختیار کرنے کا فرمان نبویؐ

جب مقاطعہ کو چالیس دن گزر چکے تو حضرت کعبؓ کے پاس پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا آدمی پہنچا کہ رسول اللہ کا حکم ہے کہ اپنی بیوی سے یکسر علیحدہ ہو جاؤ۔ پوچھا طلاق دے دوں؟ کہا نہیں صرف الگ رہو۔ حضرت کعبؓ نے اپنی بیوی سے کہا کہ بالفعل تم اپنے میکے چلی جاؤ اور جب تک ہمارے متعلق خدائے برتر کا کوئی حکم صادر نہیں ہو جاتا وہیں رہو۔ حضرت ہلال اور مرارہؓ کو بھی یہی حکم ہوا تھا۔

حضرت ہلالؓ کی بیوی کو خدمت گذاری کی اجازت

لیکن حضرت ہلال ایک ضعیف العمر آدمی تھے۔ ان کی بیوی آستانِ نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ! ہلال ایک ضعیف و نحیف آدمی ہے۔ جب سے حضور ناخوش ہوئے بیت الاحزان میں پڑا ہے اور گریہ وزاری کے سوا کوئی مشغلہ نہیں۔ اگر حکم ہو تو میں اس کی خبرگیری کروں اور خدمت بجا لاؤں؟ فرمایا ہاں اس کی خدمت کر سکتی ہو۔

تینوں بلاکشِ چاہِ الم میں

حضرت کعبؓ کی بیوی نے ان کو کہلا بھیجا کہ تم بھی حاضر

خدمت ہو کر میرے لیے خدمت گذاری کی اجازت لے آؤ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ میں نہیں جاتا معلوم نہیں آپ کیا جواب دیں"۔

اِن ایّام میں تینوں بلاکش چاہِ الم میں ڈوبے رہتے تھے اور اشک باری کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ لیکن یہ آبِ دیدہ محض پانی کے قطرے نہ تھے جو رُخساروں کو دھو کر زمین پر ٹپک پڑتے تھے بلکہ خونِ دل تھا جو اشک ہائے رواں کی شکل اختیار کر کے ارحم الراحمین کے دامنِ رحمت کو تر کر رہا تھا۔

کوہِ سلع کی طرف سے پیامِ تہنیت کا سُنائی دینا

جب پچاس دن گزر چکے تو حضرت کعبؓ فجر کی نماز پڑھ کر مکان کی چھت پر سخت رنج و اضطراب کے عالم میں بیٹھے آہیں بھر رہے تھے اور دل میں کہہ رہے تھے کہ اب زندگی نہایت تلخ ہے۔ زمین و آسمان فراخی کے باوجود مجھ پر تنگ ہیں کہ اتنے میں کوہِ سلع کی طرف سے آواز آئی" اے کعب! بشارت ہو" یہ سُن کر سمجھ گئے کہ کشائش کار ہوئی۔ غفار الذنوب نے توبہ قبول کی۔ بطورِ شکرانہ جبینِ نیاز زمین پر رکھ دی۔

گھوڑا سرپٹ دَوڑا کر مُژدہ آ سُنانا

جب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں صحابہؓ سے فرمایا کہ تینوں کی توبہ قبول ہوئی تو ایک آدمی مُژدہ سنانے کے لیے جھٹ گھوڑے پر سوار ہوا اور سرپٹ دوڑا کر حضرت کعبؓ کو خوش خبری آ سنائی۔ حضرت کعبؓ نے اپنے کپڑے اتار کر بشیر کو دے دیے اور خود دوسروں سے کپڑے مانگ کر زیبِ تن کیے اور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے بعجلت تمام روانہ ہوئے۔ راستہ میں لوگ جوق جوق ہدیۂ تہنیت پیش کر رہے تھے جو ملتا نہایت گرمجوشی سے مبارک باد دیتا۔

حضرت طلحہؓ کا ہدیۂ تہنیت

غرض مسجد نبویؐ میں پہنچے۔ اس وقت سیدا نام صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد توحید کے متوالوں کا

طلحہ بن عبید اللہ رض جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں دوڑ کر آگے بڑھے اور حضرت کعب رض سے مصافحہ کرکے مبارک باد دی۔ جب آپ نے ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار میں رشتۂ اخوت قائم کیا تھا تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جناب کعب بن مالک رض کے بھائی بنائے گئے تھے۔ حضرت کعب رض نے ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ اُس وقت آپ کا چہرۂ انور دفورِ مسرت سے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔

قبولِ توبہ کی خوشی میں جائداد کا فی سبیل اللہ صدقہ کرنا

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب رض سے فرمایا تم کو بشارت ہو۔ جب سے تم پیدا ہوئے آج سے زیادہ خوشی کا دن تم نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ حضرت کعب رض عالمِ مسرت میں عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! یہ معافی آپ کی طرف سے ہے یا خدائے ذوالجلال کی طرف سے؟ فرمایا حق تعالیٰ کی طرف سے۔" آئینہ دل پہلے بھی زنگ و غبار سے پاک تھا، اس حادثہ نے اس کو اور بھی جلا دے دی۔ حضرت کعب رض نے جوشِ مسرت میں گزارش کی یا رسول اللہ! میں اس خوشی میں اپنی تمام جائداد اور املاک فی سبیل اللہ صدقہ کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں، کچھ اپنے لیے بھی رکھ لو۔ انہوں نے خیبر کا حصہ رکھ کر باقی تمام جائداد فی سبیل اللہ دے دی۔ (رواہ احمد، بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہم)۔

کلامِ الٰہی میں قبولِ توبہ کا تذکرہ

حضرت کعب رض اور ان کے دونوں رفقاء رضی اللہ عنہم کو صدق بیانی کی پاداش میں جس ابتلاء کا سامنا ہوا دنیا کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ حضرت سرورِ انام علیہ الصلوٰۃ و السلام کے اصحاب کا خاصہ تھا کہ ان کا قدم صدق ہجوم مصائب کے وقت جادۂ استقلال سے نہیں ہٹتا تھا۔

تینوں متخلفین کی توبہ قبول ہونے کا تذکرہ کلامِ الٰہی میں بھی موجود ہے:

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ — اور اوپر تین شخصوں کے جو کہ پیچھے چھوڑے گئے تھے

حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ	یہاں تک کہ جب تنگ ہوئی اوپر ان کے زمین
الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ	ساتھ اس کے کہ کشادہ تھی اور تنگ ہوگئیں
عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا	اوپر ان کے جانیں ان کی اور جانا انہوں نے
اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ	یہ کہ نہیں پناہ اللہ سے گرفت اسی کے
اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ	پھر پھر آیا اوپر ان کے تو کہ پھر آویں وہ۔
لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ	یقیناً اللہ تعالیٰ وہی ہے توبہ قبول کرنے والا
التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (۹: ۱۱۸)	مہربان۔

حضرت کعبؓ ایک بڑے شاعر تھے۔ ان کے اثر کلام کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ان کے صرف دو بیت سن کر قبیلۂ دوس مسلمان ہو گیا تھا۔

الحمدللہ والمنۃ کہ یہ کتاب مستطاب آج بروز عاشورا ۱۰ محرم ۱۳۷۷ھ (۷ اگست ۱۹۵۷ء) کو بمقام انارکلی لاہور پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

بندۂ عاجز

ابو القاسم رفیق دلاوری عفی عنہ

کتبہ محمد یوسف خوشنویس گیلانی

مفکر اسلام

مولینا ابوالاعلیٰ مودودی

کی

شہرہ آفاق تالیف،

تفہیم القرآن،

کا

مطالعہ کیجیے،

ہر قسم

کے

قرآنِ پاک،

اسلامی - دینی،

تعمیری - اصلاحی

علمی - ادبی

تاریخی - طبی

صنعتی اور دیگر

مفید کتب ہم سے منگائیے

باہتمام مکتبہ تعمیر انسانیت، موچی دروازہ لاہور